



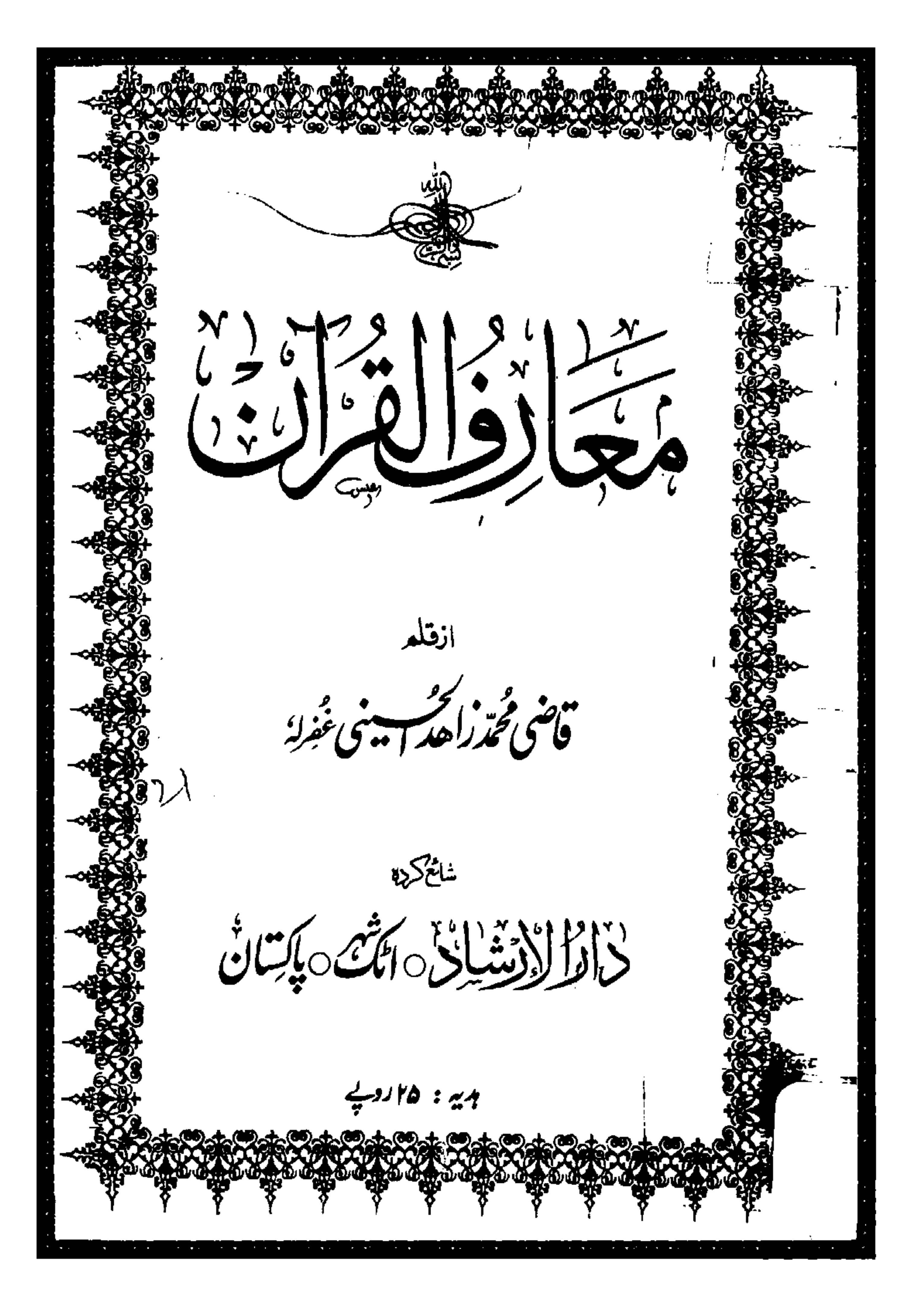
امام الزاہدین و العارفین قطب عالم حضرت مولانا

قاضی محمد زاہد الحسینی رحمۃ اللہ علیہ



دار الارشاد

خانقاہ مدنی، مدینہ مسجد اٹک شہر



معارف القرآن

ازقلم

قاضی محمد زاہد الحسینی غفرلہ

شائع کردہ

دارالارشاد ۔ اٹک شہر ۔ پاکستان

ہدیہ : ۲۵ روپے

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم



تالیف

امام الزاہدین والعارفین قطب عالم حضرت مولانا



ناشر

دار الارشاد

خانقاہِ مدنی، مدینہ مسجد اٹک شہر

فون: 2484-0957

613484

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب: معارف القرآن

تالیف: حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینیؒ

کمپیوٹر کمپوزنگ: الرحمٰن کمپیوٹرز لاہور

ضخامت: 432 صفحات

تعداد: گیارہ سو

طبع جدید ایڈیشن: محرم الحرام 1422ھ

قیمت: -/200

ناشر: قاضی محمد احمد الحسینی

دار الارشاد اٹک شہر

فہرست عنوانات

پیش لفظ

اَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُوَالسَّلَامُ عَلٰی الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ الَّذِیْنَ بَلغُوْا رِسَالَاتِ رَبِّھِمْ بِالْیَقِیْنِ وَعَلٰی سَیِّدِ الرُّسُلِ خَاتَم النبیین مُحَمَّدِ ِالْاَمِیْنِ وَلْاٰیَاتِ رَبِّہٖ الْمُبِیْنِ وَعَلٰی آلِہٖ الَّذِیْنَ فَازُوْا مِنْہُ بِحَظٍّ سَمِیْنٍ وَمَنْ تَبِعَھُمْ اِلیٰ یَوْمِ الدِّیْن o امّا بعد!

اس قاعدہ کا کوئی بھی عقلمند انکار نہیں کر سکتا کہ ہر زبان اور کلام کے سمجھنے کے لئے کچھ قاعدے اور ضابطے ہوتے ہیں ان کے بغیر وہ کلام سمجھی نہیں جا سکتی اور نہ ہی اس کا کچھ مفید مطلب نکل سکتا ہے، ایک بالکل سادہ سی مثال سمجھ لیجئے کہ ایک کے ہندسہ کے آگے ایک صفر لگا دینے سے دس اور دو لگا دینے سے سو اور اسی طرح عدد کا معنی بڑھتا چلا جائے گا، (۱۰۰۰۰) لیکن اگر اس سے پہلے صفر لگا دیا جائے تو اس سے دس کا مفہوم اور معنی نہیں نکل سکتا (۰۰۰۰۱) اس لئے کہ عدد بنانے والوں کے قانون کے خلاف ہے۔ اسی طرح ہر کلام اور بولی کے لئے قاعدے اور ضابطے ہیں جو اس زبان کا ادب، گرائمر وغیرہ کہلاتے ہیں، یہی قاعدہ اور ضابطہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو سمجھنے کے لئے ہے، آخر اللہ تعالیٰ کا کلام بندے کس طرح بلا کسی قاعدے اور ضابطے کے سمجھ سکتے ہیں، نصیحت اور وعظ کیلئے بلا شبہ قرآن مجید آسان ہے، جیسا کہ فرمایا وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّکْرِ (القمر) لیکن قرآنی آیات سے حکم نکالنا،

معارف اور نکات کا سمجھنا، رموز اور فوائد کا مرتب کرنا، اس کیلئے اس معیار کا سمجھنا ضروری ہے جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا اور جس کی تشریح جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمائی جن پر قرآن مجید نازل ہوا، اس کو قرآن مجید نے یوں ارشاد فرمایا: اَللّٰهُ الَّذِیْ اَنْزَلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ وَالْمِیْزَانَ (الشوریٰ ، ١٧) ترجمہ اللہ تعالیٰ ہی نے کتاب (قرآن مجید) اتاری اور اسی نے میزان بھی...... اس آیت کریمہ میں دو باتوں کو بیان فرمایا (١) کتاب اللہ تعالیٰ ہی نے نازل فرمائی۔ (٢) جس طرح ہر کتاب کو سمجھنے کیلئے کچھ نہ کچھ قواعد اور ضوابط ہوتے ہیں، تاریخ کی کتاب کیلئے علیحدہ ضوابط، ریاضی حساب کیلئے علیحدہ اور دوسرے مضامین کیلئے علیحدہ علیحدہ ضوابط اور علیحدہ علیحدہ اصطلاحات ہیں، حالانکہ ان اصطلاحات کا اگر لحاظ نہ رکھا گیا تو اس سے دین و ایمان میں کوئی فرق نہ آئیگا مثلاً اگر آج یہ فارمولا بنا دیا جائے کہ بارہ انچ کا فٹ نہیں بلکہ دس انچ کا ہے اور جسے تم فٹ کہتے ہو اس کا نام آج سے انچ اور انچ کا نام آج سے فٹ ہے تو اس سے کوئی دینی اور ایمانی نقصان نہ ہوگا، لیکن اگر خدانخواستہ آج یہ کہہ دیا جائے کہ لفظ ''ربوٰ'' سے مراد بیع اور لفظ ''زکوٰۃ'' سے مراد رشوت ہے تو بتائیے یہ بات کہاں تک پہنچے گی اس لئے اس کتاب کو سمجھنے اور حصول مطالب کیلئے جو قانون اور ضابطے ضروری تھے وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی نے نازل فرمائے۔

چنانچہ قرآنی معارف اور مطالب کو سمجھنے کیلئے جن قواعد اور ضوابط کی ضرورت ہے علماء کرام نے خصوصی طور پر اس موضوع پر مستقل اور علیحدہ علیحدہ کتابیں لکھیں جن میں چند کے اسماء مع مختصر کیفیت کے درج ذیل ہیں۔

علامہ برہان الدین زرکشی کی البرھان اور الجزائری کی البیان اور ابن عطیہ غرناطی کا مقدمہ فی علوم القرآن اور امام راغب کا مقدمہ فی علوم

التفسیر ،المنهج القدیم فی قواعد متعلق بالقرآن الکریم لشمس الدین بن الصائغ محمد بن عبد الرحمن الحنفی وغیرھا، کافی کتابیں اس موضوع پر لکھی گئی ہیں۔

لیکن ان سب میں سے زیادہ مقبولیت اور شہرت امام جلال الدین سیوطیؒ کی الاتقان کو حاصل ہوئی۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے الفوز الکبیر تحریر فرمائی جس کا ترجمہ اردو زبان میں کیا گیا مگر مفصل اور آسان زبان میں ابھی اس موضوع پر لکھنے کی ضرورت تھی اور اب بھی ہے۔ احقر درس قرآن کے دوران طلباء اور شرکاء درس کو جو قواعد تحریر کراتا رہتا ہے ۱۹۵۳ء میں حضرت سلیمان ندویؒ کی نظر ثانی کے بعد قواعد ترجمة القرآن کے نام سے اس کتاب کو شائع کیا گیا جسے بحمدہٖ تعالیٰ ہر طبقہ میں قبولیّت حاصل ہوئی، اکابر علماء کرام اور مفسرین حضرات کی آراء گرامیہ آنے والے صفحات پر ثبت ہیں مگر جلد ہی یہ تعداد ختم ہوگئی اور ضرورت اس سے زیادہ لاحق ہوتی گئی کہ آجکل بعض نئے متفسرین نے قرآن مجید کو لاوارث کتاب سمجھ کر اس کی تفسیر کو اپنا مشغلہ بنالیا ہے اسلئے اب کافی اضافہ کے ساتھ چوتھی مرتبہ شائع کیا جارہا ہے اللہ تعالیٰ قبول فرماوے اور مسلمانوں کو اس کتاب کی روشنی میں قرآن مجید سمجھنے کی توفیق عطا فرماوے، وماذالك علی اللہ بعزیز واللّٰہ الموفق والمعین

قاضی محمد زاھد الحسینیؒ غفرلہٗ

جمادی الاول ۱۳۹۸ھ...... اپریل ۱۹۷۸ء

تعارف وتقریظ

(۱) از استاذ العلماء شیخ التفسیر الحاج مولانا احمد علی صاحب لاہوری نور اللہ مرقدہٗ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

(محترم المقام حضرت مولانا قاضی محمد زاهد الحسینی صاحب) موجودہ دور کے ان علماء کرام میں سے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے کتاب وسنت کے سمجھنے کیلئے ایک خصوصی ملکہ عطا فرمایا ہے اس کے علاوہ اپنے مضامین کو ضبط تحریر میں لانے کی بہترین صلاحیت عطا فرمائی ہے میں نے معارف القرآن کا بغور مطالعہ کیا ہے، الحمد للہ ثم الحمد للہ حسب ارشاد رحمۃ للعالمین علیہ الصلوٰۃ والسلام آپکی امت میں سے مَااَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ والا فقط ایک ہی فرقہ ہوگا میں نے قاضی صاحب کی ساری کتاب کو (جہاں کہیں سے دیکھا) اسی مَااَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ کے مسلک کا حرفاً حرفاً مطابق پایا۔ اللہ تعالیٰ کے انعامات میں سے قاضی صاحب پر ایک احسان یہ بھی ہے کہ باوجود اپنے بے نظیر کمالات کے ہستی نہیں (میرے خیال میں آپ کو یہ نعمت شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حسین احمد مدنی دامت برکاتہم (رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں نصیب ہوئی ہے) جہاں اپنا ذکر فرماتے ہیں تو جاہل اور سیہ کار کے نام ہی سے موسوم کرتے ہیں، اللہ والوں کا یہ بھی ایک خاص شعار ہے کہ اپنے تمام محاسن کو محض اللہ تعالیٰ کا فضل خیال کرتے ہیں، اور اپنے آپ کو فقط انکا مظہر خیال کرتے ہیں اور اپنے وجود مسعود کو ان

کمالات سے بالکل خالی سمجھتے ہیں۔ علم تفسیر کی مختصر سرگذشت ، قاضی صاحب نے اس عنوان کے تحت سید المرسلین خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاداتِ تفسیریہ سے لے کر آج چودھویں صدی کے مفسرین اور مترجمین حضرات کے اسماء گرامی اور ان کے سنین پر ایک مختصر مگر جامع ذخیرہ معلومات جمع کر دیا ہے اس مضمون کو پڑھ کر ساڑھے تیرہ سو سال کے علم التفسیر کے ذخیرہ کا سارا نقشہ سامنے آجاتا ہے، قاضی صاحب نے عنوان ذیل ''قرآن کریم کے سمجھنے کیلئے بنیادی شرط'' میں جو کچھ بیان کیا ہے اس کا ایک ایک لفظ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے میں یہ سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے قاضی صاحب کو فہم قرآن کیلئے وہ فہم عطا فرمایا ہے جو کسی کسی خوش نصیب ہی کو حاصل ہوتا ہے ۔فرقۂ باطلہ مرزائیت کے نظریات کا بطلان باحسن وجوہ ثابت کیا ہے، مودودیت ،شیعیّت ،نیچریت کے متعلق خیر الکلام ماقل ودل کے طور پر تبصرہ فرمایا ہے متلاشئ حق کیلئے اس تبصرہ میں نور ہدایت ہے۔

حق پرست کی تسلی طبع

قاضی صاحب نے اپنے ہر عنوان کو مدلل بنانے کی ایسی تفصیلی تشریح کی ہے جس سے ہر حق پرست کیلئے اطمینانِ قلب اور تسلی طبع ہو جاتی ہے ہر موقع کے مناسب حسب ضرورت عقلی اور نقلی دلائل سے اپنے مطمح نظر کو روز روشن کی طرح واضح کر دیا ہے۔ میں عدیم الفرصت ہونے کے باعث معارف القرآن کی ہر سطر کو نہیں دیکھ سکا، البتہ جرأت سے یہ کہہ سکتا ہوں کہ میں نے معارف القرآن کے معتد بہ حصہ کو کافی غور سے مطالعہ کیا ہے اور ماشاء اللہ ایک لفظ بھی ما انا علیہ واصحابی کے مسلک کے خلاف نہیں پایا وَذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ ،اللہ تعالیٰ کے فضل سے معارف القرآن ،قرآن مجید کے مطالب اور

معارف کے شائقین کیلئے مشعل راہ ہدایت بنے گا اور اس کی برکت سے ان کے قلوب قرآن مجید کے انوار سے روشن ہو جائیں گے

ایک اور کمال

قاضی صاحب نے معارف القرآن میں یہ کمال بھی دکھایا ہے کہ ایک عنوان کو ثابت کرنے کیلئے قرآن مجید کے شواھد مختلف سورتوں سے پیش کئے ہیں، اس طریقہ سے "کِتَابُ اللّٰہِ یَصْدِقُ بَعْضَہٗ بَعْضاً" کی دل میں تصدیق ہو جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ قاضی صاحب کی اس خدمت کو قبول فرمائے اور معارف القرآن کو خلق اللہ کی ہدایت اور قاضی صاحب کی نجات کا ذریعہ بنائے، آمین یاالہ العالمین

احقر الانام احمد علی عفی عنہ ۲ رجب ۱۳۷۶ھ (۳ فروری ۱۹۵۷ء)

(۲) از علامۂ دوران مولانا شمس الحق افغانی دامت برکاتہم

(سابق استاذ اعلیٰ دارالعلوم دیوبند)

(وزیر معارف قلات وشیخ التفسیر اسلامی یونیورسٹی آف بہاولپور)

میں نے معارف القرآن مؤلفہ جامع المعقول والمنقول حاوی الفروع والاصول مولانا قاضی محمد زاھد الحسینی کو اول سے آخر تک دیکھا، مصنف علام کو فہم قرآن میں خصوصی رسوخ اور امتیازی ذوق حاصل ہے جس کیلئے زیر تقریظ کتاب اور مصنف کی دیگر مصنفات شاھد صدق ہیں، معارف القرآن قدیم وجدید معلومات پر حاوی ہے اور کمال یہ ہے کہ فہم سلف سے ذرہ برابر اس میں انحراف نہیں، جن لوگوں نے علوم اسلامیہ سے تہی دستی کے باوجود قرآن کی تفسیریں لکھی ہیں اور قرآن ہی کے نام پر الحاد وزندقہ مسلمانوں میں پھیلانے کی سعی نامسعود کی ہے ان تمام کج فہمیوں اور الحاد آفرینیوں کا جواب اس کتاب میں موجود ہے۔

فجزاه الله عنا وعن الاسلام خیر الجزاء۔

(شمس الحق عفااللہ عنہ (ترنگ زئی پشاور) ۱۴؍ربیع الثانی ۱۳۷۷ھ)

(۳) از استاذ العلماء مولانا الشاہ عبد الرحمن نوراللہ مرقدہٗ

(سابق مدرس مدرسہ عالیہ مظاہر علوم سہارنپور)

معارف القرآن اس پرفتن اور پرآشوب دور میں گم کردہ راہوں کیلئے انشاءاللہ تعالیٰ شمع روشن کا کام دے گی۔

(عبد الرحمن حال بہودی ۲۷؍رمضان المبارک ۱۳۷۶ھ)

(۴) مفکر اسلام سید المؤرخین علامہ ڈاکٹر سید سلیمان ندوی قدس سرہٗ العزیز نے فرمایا۔

آج کل لوگوں نے قرآن پاک سے مطالب اخذ کرنا اور اس پر اپنے اجتہاد کی دیوار کھڑی کرنا آسان سمجھا ہے، حالانکہ اس کیلئے عربی زبان اور اصول وقواعد کی بڑی واقفیت اور لغت کی بڑی تحقیق اور اصول اور مبادی فہم قرآن جاننے کی ضرورت ہے۔ جناب مولوی قاضی محمد زاھد الحسینی صاحب کو دین کی خدمت اور قرآن پاک کے حقائق کی تلاش کا بڑا شوق ہے جو ان کی تصنیفات سے ظاہر ہے، موصوف نے اس سلسلے میں یہ کتاب لکھی ہے جس میں زبان ومحاورہ اور قواعد واصولِ زبان کے بہت سے ایسے نکتے جمع کردیئے ہیں جو عام کتابوں میں نہیں ملتے لیکن فہم قرآن کے شائقین کیلئے ان کا جاننا ضروری ہے، اللہ تعالیٰ موصوف کو جزاء خیر دے آمین۔

(سید سلیمان ندوی ۳۰؍رجب ۱۳۷۱ھ)

(۵) شیخ الحدیث مولانا عبد الحق صاحب

مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک نے فرمایا

''معارف القرآن میں بہترین معلومات کا ذخیرہ جمع کیا گیا ہے جو شائقین علوم کیلئے نہایت مفید ثابت ہوگا۔

(۶) زبدۃ العلماء مولانا السید محمد داؤد غزنویؒ نے ارشاد فرمایا:۔

مولانا قاضی محمد زاھد الحسینی ہم سب کے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے بڑی عرق ریزی کے ساتھ علوم قرآنیہ کو اردو میں اس جامعیت کے ساتھ پیش کیا ہے کہ اس سے پہلے اس کی مثال میرے دیکھنے میں نہیں آئی میری رائے میں تمام عربی مدارس کے طلباء اور مشتاقانِ علوم قرآنی کو اس کے مطالعہ سے بہرہ اندوز ہونا چاہیئے۔

(۷) از مفسر قرآن شارح الحدیث مولانا السید بادشاہ گل
شیخ الجامعہ الاسلامیہ اکوڑہ خٹک

معارف القرآن تمام عالم اسلام کیلئے تعلیمات قرآنی میں شکوک وشبہات کے ازالہ کیلئے حجۃ بالغہ ہے۔

(۸) فاضل علوم عصریہ مولانا عبد الماجد دریا آبادی نے فرمایا:۔

کتاب متفرق تفسیری افادات سے بھری پڑی ہے صرف، نحو، معانی، بیان، لغت، زبان اور کلام کے بھی متعدد مسائل کا حل موجود ملے گا، جدید گمراہ فرقوں کے رد میں اشارات اچھے خاصے موجود ہیں۔

(۹) از استاذ العلماء مولانا الحاج مفتی محمد شفیع صاحبؒ
سابق مفتئ اعظم پاکستان

احقر نے مولانا المحترم قاضی محمد زاھد الحسینی دامت فضائلہ کی تازہ تالیف ''معارف القرآن'' کے مقدمہ کے چند اوراق دیکھے جوں جوں اس کو پڑھتا گیا دل میں نور و سرور بڑھتا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے موصوف کو

مفید تالیفات کی خاص توفیق عطا فرمائی ہے، مقدمہ کے ابتدائی حصہ ہی سے اصل کتاب کے مضامین عالیہ کا کچھ اندازہ ہوگیا، خدا کرے کہ جلد یہ کتاب اپنی مکمل صورت میں طبع ہو کر مفید خلائق ہو۔ اس زمانہ میں کہ بہت سے لوگوں نے قرآن پاک کو ایک لاوارث کتاب سمجھ کر اپنے خیالات و مزعومات کا تختۂ مشق بنا لیا ہے ۔اس جیسی کتابوں کی شدید ضرورت ہے، اللہ تعالیٰ مؤلف کو جزائے خیر اور تالیف کو حسن قبول اور اثر فی النفوس عطا فرمائے، آمین

مندرجہ بالا تقاریظ اور آراء ان آراءِ کثیرہ کا خلاصہ ہیں جو ملت کے اکابرین علماء اسلام نے اس کتاب کے متعلق ارشادات فرمائے ہیں کتاب کی اشاعت اوّل تھوڑی تعداد میں تھی، خیال یہ تھا کہ اس گنہگار کی تالیف کو شاید اتنی قبولیت حاصل نہ ہو مگر اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اکابر کی دعاؤں اور خصوصی توجہ سے اس کو بہت زیادہ قبولیت حاصل ہوئی ۔ چنانچہ اہل علم حضرات کے پیہم تقاضوں سے جو مجھ جیسے طالب علم کیلئے حکم کا درجہ رکھتے ہیں چوتھی بار کئی مزید اضافوں کے ساتھ شائع کیا جارہا ہے اللہ تعالیٰ قبول فرماوے۔ آمین

(۱۰) حضرت مولانا جسٹس محمد تقی عثمانی مدظلہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ رب العالمین ،والصلوٰۃ والسلام علی
رسولہ الکریم وعلیٰ اٰلہ واصحابہٖ اجمعین

امابعد! اللہ تعالیٰ نے اس امت کو مختلف جہات سے قرآن کریم کی خدمت کی توفیق عطا فرمائی ہے قرآن کریم کے ترجمہ اور تفسیریں ہر زمان میں اتنی تعداد میں لکھی گئی ہیں کہ اس کا شمار مشکل ہے۔ پھر چونکہ قرآن کریم کی فہم اور اسکی مستند تفسیر وتشریح کیلئے قرآن کریم کے بہت سے متعلقات کا جاننا بھی ضروری ہے اس لئے ہر دور کے اہل علم نے ان متعلقات کے بارے میں بھی مفصل کتابیں تحریر فرمائیں۔ یہاں تک کہ ''علوم القرآن'' کے نام سے اس کو ایک مستقل علم قرار دیدیا گیا۔علامہ زرکشی ؒ کی ''البرھان فی علوم القرآن'' اور علامہ جلال الدین سیوطیؒ کی ''الاتقان'' اس موضوع کی معروف کتابیں ہیں جو صدیوں سے طالبانِ علم کی راہنمائی کررہی ہیں۔

الحمد للہ اردو زبان میں بھی اس موضوع پر بہت سی کتابیں منظرِ عام پر آئیں ہیں۔حضرت مولانا قاضی محمد زاھد الحسینی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''معارف القرآن'' ایک ممتاز حیثیت رکھتی ہے۔

میں نے اس کتاب کا سب سے پہلا ایڈیشن جو خاصا مختصر تھا اپنے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہٗ کے پاس اس وقت دیکھا تھا جب میں طالب علمی کے ابتدائی دور سے گزر رہا تھا اور مجھے یاد ہے کہ اس کتاب سے خصوصی مناسبت محسوس ہوئی ۔ حضرت مولانا قاضی محمد زاھد الحسینی ؒ دارالعلوم دیوبند کے ان فیض یافتگان میں سے تھے جنہوں نے اپنی فیض رسانی کا سلسلہ آخری دم تک جاری رکھا۔ وہ درس قرآن کے دوران شرکاءِ درس

کو علوم القرآن سے متعلق مباحث املاء کرایا کرتے تھے اور یہی املاء کردہ فوائد اس کتاب کی اصل بنیاد ہے۔ بعد میں حضرت مولانا قدس سرہ نے ان میں ترمیم واضافے کا سلسلہ جاری رکھا یہاں تک کہ یہ ضخیم کتاب وجود میں آ گئی۔ اس کتاب میں قرآن کریم کے مختلف پہلوؤں پر عالمانہ بحث کی گئی ہے۔ آیات کے شانِ نزول، ربط ومناسبت، مکی ومدنی سورتوں کی تفصیل، نزول وحی کی کیفیات، قرآن کریم کے بنیادی مقاصد پر دل نشین پیرائے میں مفید معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ کتاب کا سب سے اہم فائدہ یہ ہے کہ اس میں ان اصولوں کی سیر حاصل نشان دہی کی گئی ہے جو قرآن کریم کے ترجمے اور تفسیر میں ملحوظ رکھنے ضروری ہیں۔ آج کل یہ وبا عام ہے کہ ضروری علم حاصل کئے بغیر بہت سے لوگ قرآن کریم کا ترجمہ اور تفسیر لکھنی شروع کردیتے ہیں جس میں ظاہر ہے کہ تفسیر اور ترجمہ کے ان مسلّم اصولوں کا لحاظ نہیں ہوسکتا۔ اس کے نتیجے میں گمراہی پھیلتی ہے۔ حضرت مولانا قاضی محمد زاهد الحسینی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب میں اس خطرناک طرز عمل اور اس سے پیدا ہونے والے نتائج بد کی کھل کر نشان دہی فرمائی ہے۔

یہ کتاب متعدد مرتبہ شائع ہو کر نایاب ہوچکی تھی اب حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے مولانا قاضی محمد ارشد الحسینی حفظہ اللہ تعالیٰ نے اسے ازسرِ نو شائع کرنے کا ارادہ فرمایا ہے۔ ان کی خواہش پر یہ سطور تحریر کی گئیں۔

دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کی اس خدمت کو شرفِ قبول عطا فرمائے۔ اس کا فائدہ عام اور تام ہو اور یہ فاضل مؤلف اور ناشر کیلئے ذخیرۂ آخرت ثابت ہو۔ وما توفیقی الا باللہ۔

محمد تقی عثمانی

۴/ذی الحجہ ۱۴۲۰ھ ۱۱/مارچ ۲۰۰۰ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کلمۂ قرآن، سورۃ اور آیت کی تشریح

قرآن کریم کا مشہور نام قرآن شریف، قرآن مجید ہے اور یہ اس کا ذاتی نام ہے قرآن حکیم کی اکثر آیات میں آپ پر نازل ہونے والی کلام کو قرآن ہی کا نام دیا گیا ہے، جیسا کہ فرمایا:۔

(۱) انّا انزلناہُ قرآنا عربیاً لعلّکم تعقلون (یوسف آیت نمبر ۲)

ہم نے اتارا ہے اسکو قرآن عربی زبان کا تاکہ تم سمجھو۔

(۲) لو انزلنا ھذا القرآن علی جبلٍ لّرایتہٗ خاشعاً مّتصدّعا من خشیۃ اللّٰہ (الحشر آیت نمبر ۲۱)

اگر ہم اتارتے یہ قرآن ایک پہاڑ پر تو تو دیکھتا وہ دب جاتا، پھٹ جاتا اللہ تعالیٰ کے ڈر سے۔

(۳) انّ ھذا القرآن یھدی للتی ھی اقوم (اسراء آیت نمبر ۸)

یہ قرآن بتاتا ہے وہ راہ جو سب سے سیدھی ہے۔

(۴) وان اتلو القرآن (النمل آیت نمبر ۹۲)

اور مجھے حکم دیا گیا ہے یہ کہ قرآن سناؤں۔

وعدا علیہ حقاً فی التوراۃ والانجیل والقرآن۔

(سورۃ التوبہ آیت نمبر ۱۱۱)

وعدہ ہو چکا اس کے ذمہ پر سچا توریت اور انجیل اور قرآن میں۔

مندرجہ بالا آیات سے ظاہر ہے کہ اس کتاب مجید کا نام قرآن ہی ہے

باقی تمام نام صفاتی ہیں، قرآن مجید میں جو صفاتی نام، درج ہیں ان کی مختصر سی فہرست درج ذیل ہے:۔

الکتاب ○ کتاب مفصل ○ کتاب مبین ○ ذکری ○ علیؐ ○ کتاب حکیم ○ کتاب کریم ○ کلام اللہ ○ نور ○ ھدی ○ رحمۃ ○ فرقان ○ شفاء ○ موعظۃ ○ ذکر ○ مبارک ○ حبل ○ حکمۃ بالغۃ ○ مہیمن ○ الصراط المستقیم ○ قیمٌ ○ قول فصل ○ نباء عظیم ○ احسن الحدیث ○ متشابہ ○ مثانی ○ تنزیل ○ روح ○ وحی ○ عربی ○ بصائر ○ بیان ○ علم ○ حق ○ ھادی ○ عجباً ○ تذکرہ ○ عروۃ وثقی ○ صدق ○ عدل ○ امر ○ منادی ○ نذیر ○ بشیر ○ بلاغ ○ قصص ○ صحف ○ مکرمہ ○ مرفوعۃ ○ بشری ○ مجیدٌ ○

قرآن کا لفظی معنی پڑھنا ہے، جیسا قرآن مجید کی سورۃ القیامۃ میں ارشاد ہے

انّ علینا جمعہٗ وقرآنہٗ فاذاقرأناہُ فاتّبع قُرآنہ (آیت نمبر ۱۸،۱۷)

یہ آیت سورۃ القیامۃ کی ہے جو مکہ مکرمہ میں سید دو عالم ﷺ پر نازل ہوئی اس سورۃ کا نزولی نمبر ستائیسواں ہے، گویا یہ آیت ابتدائی آیتوں میں سے ہے جبکہ مکہ مکرمہ کے پہلے مخاطبین یہ کہتے تھے۔

لاتسمعُوا لھذَاالقُرآن والغوا فیہ لعلّکُم تغلبُون

(حم السجدہ آیت نمبر ۲۶)

ترجمہ۔ اس قرآن کی طرف کان نہ لگاؤ بلکہ لڑ بڑ مچادو تا کہ تم غالب آجاؤ۔

ایسے لوگوں کو قرآن کریم نے شروع ہی میں متنبہ فرمادیا تھا کہ تمہاری اس طرح کی محنت برباد جائے گی، جس کلام کو آج تم سننا نہیں چاہتے بلکہ اوروں کو بھی

روک رہے ہو، تمہارا یہ خیال خام ہے کہ قرآن کے پڑھنے والے تو چند آدمی ہیں ہماری اس طرح کی حرکات سے یہ پڑھنا اور پڑھانا بند ہو جائے گا مگر تم کو سمجھ لینا چاہئے کہ ہم نے اس کتاب کو نام ہی قرآن کا دیا ہے یعنی وہ کتاب جو پڑھی جانے والی ہے، گویا یہ ایک سچی پیشین گوئی اور ایک حقیقی اعلان تھا کہ جس کلام کو تم آج سننا گوارا نہیں کرتے یہ کتاب دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جائے گی اور اس کے سننے والے بھی سب سے زیادہ ہونگے۔ قرأت اور قرآن مصدر ہے اس کا معنیٰ اسم مفعول کا ہے بمعنی (مقروٴ) بات ظاہر ہے کہ جتنا زمانہ دورِ نبوت سے دوری کا آتا ہے اسی قدر اس کلامِ حکیم کے پڑھنے والے اور سننے والے بڑھ رہے ہیں۔ آج دنیا میں جس قدر قرآن مجید کو پڑھا جاتا ہے اتنا کسی اور کتاب اور کلام کو نہیں پڑھا جاتا، جزوی طور پر روزانہ کروڑوں مسلمان اپنی نماز میں قرآن مجید کے کسی نہ کسی حصے کی تلاوت ضرور کرتے ہیں اور بطور تلاوت کے بھی اس سعادت کو حاصل کرتے ہیں، اسلئے کہ ارشادِ ربانی ہے:۔

اُتلُ مَا اُوحیَ اِلَیكَ منَ الكتب (العنکبوت آیت نمبر ۴۵)

ترجمہ: آپ تلاوت کریں اسکی جو وحی کی گئی آپکی طرف کتاب میں سے۔

وانْ اَتلُوا القُرآن (النمل آیت نمبر ۹۲)

ترجمہ: اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں قرآن کی تلاوت کروں۔

جس عشق اور محبت اور عقیدت سے مسلمان قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں اس کی نظیر نہیں ملتی جیسا کہ:۔

حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت تمیم داریؓ صرف ایک رکعت میں پورا قرآن مجید پڑھا کرتے تھے۔

حضرت سعید بن جبیرؓ نے خانہ کعبہ میں صرف ایک رکعت میں پورا قرآن

مجید پڑھا۔

حضرت سلیمان بن عنز رات میں پورا قرآن مجید تین دفعہ پڑھ لیا کرتے تھے۔

مشہور مفسر حضرت مجاھد نماز مغرب اور عشاء کے درمیان پورا قرآن مجید پڑھ لیا کرتے تھے۔

منصور بن زاذان ایک ختم نماز ظہر اور عصر کے درمیان اور دوسرا مغرب اور عشاء کے درمیان کر لیا کرتے تھے۔

ابن الکاتب اس قدر قرآن مجید سے عاشق تھے کہ چار ختم دن کو اور چار ختم رات کو کر لیا کرتے تھے۔

امام ابو حنیفہ رمضان شریف میں ۶۱ ختم کرتے تھے ایک ختم دن میں اور ایک ختم رات میں اور ایک ختم تراویح کی نماز میں کر لیا کرتے تھے۔

امام شافعی نے صرف ایک مسئلہ معلوم کرنے کیلئے تین سو دفعہ قرآن مجید کی باغور و فکر تلاوت فرمائی۔

شیخ ابو طاہر مقدسی کے متعلق ہے کہ وہ دن رات میں پندرہ بار قرآن مجید کا ختم کر لیا کرتے تھے (فضائل القرآن، سندی علی البخاری)

یہ بھی صرف قرآن مجید ہی کا اعجاز ہے کہ اس کو بار بار پڑھنے سے دل نہیں گھبراتا اور نہ ہی دل میں تنگی پیدا ہوتی ہے بلکہ اس کو جس قدر زیادہ پڑھا جاتا ہے شوق اور محبت کے جذبات زیادہ پیدا ہوتے ہیں، آج بھی ایسے خوش بخت موجود ہیں جو صرف پانچ گھنٹوں میں پورا قرآن مجید پڑھ لیتے ہیں۔ تو یہ اس اعلان کی تصدیق ہے کہ یہ کتاب سب سے زیادہ پڑھی جائے گی، یہ تو قرآن مجید کے لفظ کا لفظی اعجاز ہے اور قرآن مجید کے قرآن نام میں معنوی اعجاز بھی ہے کہ یہ کتاب صرف وقتی طور پر چند عقائد یا چند احکام کا مجموعہ نہیں بلکہ یہ کتاب تو حسب اعلان

قرآن مجید ۔

لَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ (سورۃ الانعام آیت نمبر ۵۹)

ترجمہ: ہر خشک وتر روشن کتاب میں ہے، تمام امور کیلئے راہنما ہے۔

عربی زبان کا محاورہ ہے قرات الحوض میں نے حوض کو پانی سے بھر دیا یعنی اس کتاب میں وہ آب حیات بھرا ہوا ہے جس سے مسلمانوں کی دونوں جہانوں کی نجات وابستہ ہے، قرآن مجید ہی وہ واحد کتاب ہے کہ اس میں عقائد، عبادات، معاملات، اخلاق، آداب، معاشیات، اقتصادیات، سیاسیات اور انسانی زندگی کے تمام راہنما اصول جمع ہیں جو اور کسی کتاب میں موجود نہیں، آج تک قرآن مجید کی جامعیت کی جو تشریح اور تفسیر کی گئی ہے اتنی اور کسی کتاب کی نہیں کی گئی، جیسا کہ:۔

تفسیر ابن جریر تیس جلدوں میں، تفسیر مکی پندرہ جلدوں میں، تفسیر جوینی جس میں ہر آیت کی تاویل دس طریقوں پر کی گئی ہے، تفسیر اصفہانی تیس جلدوں میں، تفسیر شیرازی کل نظم میں، اشعار کی تعداد ایک لاکھ ہے، تفسیر غزالی چالیس جلدوں میں، تفسیر انوار الفجر اسی جلدوں میں تفسیر ابن الجوزی ستائیس جلدوں میں، تفسیر ابن النقیب حنفی چار سو جلدوں میں مرتبہ موجود ہیں۔ (از تذکرۃ المفسرین)

مگر ابھی تک قرآنی معارف اور علوم نکھرتے جارہے ہیں اور ہر مفسر آخر میں واللہ اعلم ہی لکھنے پر اپنے کو مجبور پاتا ہے اور وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِیْنٍ کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتا ہے۔

فائدہ ۱: یہ سورہ صٓ کی آیت نمبر ۸۸ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جتنا وقت گذرتا جائے گا اس کی خبر تم جان لوگے۔

فائدہ ۲: بعض علماء قرانیات نے کہا ہے کہ قرآن مجید کے ذاتی نام چار ہیں۔

قرآن، فرقان، ذکر، کتاب،

کلمۂ سورۃ کی تفسیر:

کلمۂ سورۃ کا لفظی معنی وہ دوفار ہے جو پہلے زمانے میں شہر کے ارد گرد بطور فصیل بنائی جاتی تھی آج بھی بعض شہروں میں وہ پرانی فصیلیں موجود ہیں۔ فصیل کو عربی میں سور البلد کہتے ہیں جس طرح وہ دیوار ایک خاص شہر کو محفوظ رکھتی ہے اور دوسری جگہوں سے جدا اور علیحدہ کرتی ہے، اسی طرح قرآن مجید کا ایک حصہ جو کسی خاص مضمون یا واقعہ کو بیان کرتا ہے اس کو سورۃ کہا جاتا ہے۔ سورۃ کا لفظ اس معنی میں سید دو عالم ﷺ کے زمانۂ اقدس میں بولا جاتا تھا، جیسا کہ قرآن مجید نے منکروں کو دعوت دی کہ:۔

وَاِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَأْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِه

(بقرہ آیت نمبر ۲۳)

ترجمہ: اور اگر تم شک میں ہو اس کتاب سے جسکو ہم نے اتارا اپنے بندے پر تو لے آؤ ایک سورۃ اس جیسی اگر تم سچے ہو۔

یہ سورۃ بقرہ مدینہ منورہ میں نازل ہوئی، اسی طرح سورۂ ہود جو مکی ہے اس میں ارشاد فرمایا:۔

فَأْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِه مُفْتَرَیَاتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ **(آیت نمبر ۱۳)**

ترجمہ: پس لے آؤ تم دس سورتیں اپنی طرف سے بنائی ہوئی اور بلالو اپنی مدد کیلئے جن کو بلا سکتے ہو اللہ کے سوا اگر تم سچے ہو۔

سورتوں کا تعین اور ان کی ترتیب اور ان کے نام بھی سید دو عالم ﷺ کے زمانۂ اقدس میں مقرر ہو چکے تھے اس لئے بعض سورتوں کے نام لے کر سید دو عالم ﷺ نے اجر و ثواب بیان فرمایا ہے۔ جیسا کہ فرمایا یٰسٓ قرآن مجید کا دل ہے، ایک روایت

میں فرمایا کہ سورہ اخلاص قرآن مجید کے ثواب کے تیسرے حصے کے برابر ہے۔ اسی طرح سورۃ الٓمٓ السجدہ ، الدھر ، قٓ ، القمر ، الاعلیٰ ، الغاشیہ ، بقرہ ، ایۃ الکرسی ، حٰم الدخان ، الملک ، الکہف ، الرحمن ، النجم ، الذریت ، الطور ، الحاقہ ، الواقعہ ، نٓ ، النازعات ، المعارج ، المزمل ، المدثر ، عبس ، التطفیف ، القیامۃ ، المرسلت ، النباء ، التکویر کے متعلق جناب رسول اللہ ﷺ نے تفصیلی اجر و ثواب کو ذکر فرمایا ہے۔

سورتوں کے نام :۔

سورتوں کی حد بندی اور ان کے نام بھی توقیفی ہیں ، یعنی جناب رسول اللہ ﷺ نے ان سورتوں کے نام بھی خود ہی تجویز فرمائے ہیں۔ جیسا کہ آپ پر کوئی آیت نازل ہوتی تو آپ کاتبان وحی کو حکم فرماتے کہ اس آیت کو فلاں سورۃ میں فلاں جگہ لکھ دیا جائے اور یہ ارشاد بھی اسی طرح جبریلؑ کی نشاندہی پر فرماتے جس طرح حضرت جبریلؑ آیات لیکر نازل ہوتے تھے۔ جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب آیت نمبر۲۸۱ وَاتَّقُوْا يَوْماً تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ نازل ہوئی تو جبریلؑ نے عرض کیا کہ "حضرت ﷺ اس آیت کو سورۃ بقرہ کی آیت دو سو اسّی (۲۸۰) پر لگا دیجئے"

چونکہ ترجمہ اور تفسیر کا تعلق سورتوں کے نام اور ان کی دوسری کیفیات سے ہے اس لئے طلباء معارفِ قرآنی کی راہنمائی کیلئے اسی سلسلہ میں چند باتیں عرض کی جاتی ہیں۔

بعض سورتوں کا نام کسی خاص واقعہ کی مناسبت سے رکھا گیا ہے ، جیسا کہ سورۃ بقرہ میں ایک قصہ یہودیوں کا گائے ذبح کرنے کا آیا ہے اسی مناسبت سے اس کا نام سورۃ بقرہ تجویز فرمایا۔

سورۃ آل عمران میں حضرت عمران کی بیوی اور حضرت کی بیٹی مریم علیہا

السلام کا ذکر ہے اسکو آلِ عمران کا نام دیا۔ سورۃ یوسف میں اللہ تعالٰی نے اپنے نبی یوسف علیہ السلام کی پوری زندگی ارشاد فرمائی اس مناسبت سے اس کا نام سورۃ یوسف تجویز فرمایا۔

بعض سورتوں کے ابتدائی کلمے یا ابتدائی جملے کے کسی کلمے کی مناسبت سے نام تجویز فرمایا، جیسا کہ سورۃ یٰس، سورۃ الحاقہ وغیرہ یا سورۃ الملک، الغاشیہ وغیرھما۔

فائدہ: سورۃ اخلاص کا نام اس کے معنی کے اعتبار سے تجویز فرمایا کہ اس میں خالص توحید کا بیان ہے، توحید ذاتی، توحید صفاتی کے جامع اور کامل بیان ہونے کی وجہ سے اخلاص نام تجویز فرمایا اگرچہ امام سیوطیؒ نے اس کا نام الصمد بھی فرمایا۔

بعض سورتوں کے نام دو اور اس سے زیادہ بھی آئے ہیں جیسا کہ سورۃ محمد کو سورۃ القتال بھی فرمایا اور سورۃ الماعون کو سورۃ الیتیم بھی فرمایا، سورۃ الفاتحہ کے نام بڑے کافی آئے ہیں جن میں سے ام القرآن، فاتحۃ الکتاب، اساس، کنز، وافیہ، شافیہ، نور، رقیہ، سورۃ الحمد، دعا، سورۃ المسئلہ اور سورۃ الصلوٰۃ زیادہ مشہور ہیں۔

فائدہ: کلمات قرآنی کی کثرت اور قلت کے لحاظ سے علماء تفسیر وفقہ نے سورتوں کی مندرجہ ذیل تقسیم فرمائی ہے۔

(۱) السبع الطوال (لمبی سورتیں)

بقرہ، آلِ عمران، النساء، المائدہ، الانعام، الاعراف، یوسف۔

(۲) مئین

وہ سورتیں جن کی آیتوں کی تعداد ایک سو سے زیادہ ہو جیسا کہ سورۂ اسراء کی "۱۱۱" آیات ہیں۔

(۳) المثانی

ابن عباسؓ اور ابن جبیرؒ کے ہاں وہ سورتیں ہیں جن میں فرائض، حدود، قصص اور امثال کو بار بار بیان فرمایا ہو۔ (جیسا کہ سورۂ بقرہ)

(۴) المفصل

وہ سورتیں جن کے درمیان فاصلہ کے طور پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بار بار آئی ہے، اکثر علماء کرام کے ہاں سورۃ محمد سے لیکر سورۃ الناس تک مفصل ہیں، ان کی تین قسمیں ہیں جیسا کہ حضرت عمرؓ نے ابو موسیٰ اشعریؓ کو تحریر فرمایا تھا۔ اگر چہ اس فرمان فاروقی میں صرف اوساط مفصل اور قصار مفصل کا ذکر ہے مگر سید دو عالم ﷺ کے اپنے طرز عمل کو ساتھ ملا کر یہ تین قسمیں کی گئی ہیں۔

(۱) طوال مفصل:۔

سورۃ الحجرات پارہ نمبر ۲۶ سے لیکر سورۃ البروج پارہ نمبر ۳۰ تک۔

(۲) اوساط مفصل:۔

سورۃ البروج سے لیکر سورۃ البینہ تک۔

(۳) قصار مفصل:۔

سورۃ البینہ سے لیکر آخر قرآن مجید تک۔

آیت:۔ آیت کا معنی نشانی اور علامت ہے، قرآن مجید کے چند کلمات جو کسی معنی اور مطالب کو بیان فرماتے ہیں ان کو آیت فرمایا۔ قرآن مجید میں لفظ آیت موجود ہے یعنی یہ کلمہ حضور انور ﷺ کے زمانہ ہی میں اصطلاحی صورت اختیار کر چکا تھا، جیسا کہ فرمایا:۔

وَاِذَا بَدَّلْنَا اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْا اِنَّمَا اَنْتَ مُفْتَرٍ

(النحل آیت نمبر ۱۰۱)

ترجمہ: اور جب بدل ڈالتے ہیں ہم ایک آیت کو دوسری آیت کی جگہ اور اللہ خوب جانتا ہے اس کو جس کو اتارتا ہے کہتے ہیں تو خود ہی گھڑ کر لانے والا ہے۔

اس کی جمع آیٰت کا کلمہ بھی قرآن مجید میں موجود ہے فرمایا تِلْكَ اٰیٰتُ الْکِتٰبِ الْمُبِیْنِ (یوسف) قرآن مجید میں سورتوں کی جس طرح ترتیب توقیفی ہے اسی طرح آیتوں کی ترتیب اور جمع کرنا بھی توقیفی ہے اس پر امت کا روز اول سے لیکر آج تک اجماع ہے کہ آیتوں کا جمع کرنا اور ان کی ترتیب بھی الہامی ہے، یعنی جناب رسول اللہ ﷺ نے ہی ان کو ترتیب دیا ہے اس کی تبدیلی کا اب امت میں سے کسی کو بھی اختیار نہیں (مناہل ج ا، صفحہ ۳۳۹)

آیتوں کی بھی الفاظ کی مناسبت سے تین قسمیں ہیں۔

(۱) چھوٹی آیات

جیسا کہ فرمایا طٰہٰ (اے جوانمرد) والضحی (مجھے قسم ہے دوپہر کے وقت کی) والعصر (مجھے قسم ہے زمانے کی)۔

(۲) درمیانی آیات

فرمایا: اَقِیْمُوْا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوْا الزَّکٰوۃَ وَارْکَعُوْا مَعَ الرّٰکِعِیْنَ (بقرہ نمبر ۴۳)

(۳) لمبی آیات

فرمایا: اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا (احزاب نمبر ۵۶)

قرآن کریم کی دو آیتیں زیادہ لمبی سمجھی جاتی ہیں ۔ ۔ تو آیۃ الکرسی جو تیسرے پارے کے شروع میں ہے اور دوسری آیۃ مداینۃ جو سورۃ بقرہ کی آیت نمبر ۲۸۶ ہے۔

فائدہ: آجکل سب مصاحف میں رکوع کا نشان موجود ہے یہ زمانہ سید دوعالم ﷺ میں نہ تھا بلکہ بعد میں آسانی کے لئے کیا گیا ہے، رکوع کا لفظی معنی جھکنا ہے، عموماً نماز میں اسقدر پڑھ کر رکوع کیا جاتا ہے۔

کیفیت نزول کلام اللہ

سید دو عالم ﷺ کی عمر شریف چالیس برس کی تھی کہ آپ پر وحی قرآنی کا نزول شروع ہوا اور یہ سلسلہ تیئس سال تک جاری رہا تا آنکہ سارے قرآن مجید کا نزول مکمل ہو گیا۔

امام ابو العالیہ (م ۹۳ھ) نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے سب مہینوں میں سے صرف رمضان المبارک کو یہ شرف بخشا ہے کہ اسی ماہ مقدس میں الہام خداوندی کا نزول ہوا۔ سارے صحیفے انبیاء علیہم السلام پر رمضان شریف کی پہلی تاریخ کو نازل ہوئے، تورات رمضان کی چھ تاریخ کو نازل ہوئی اور زبور دس تاریخ کو انجیل چوبیس رمضان کو نازل ہوئی۔

مشہور مفسر سدی اور ابن جبیر اور اعمش نے کہا ہے کہ لیلۃ القدر کو سارا قرآن لوح محفوظ سے پہلے آسمان پر اترا اور پھر تھوڑا تھوڑا تیئس سال کی مدت میں آنحضرت ﷺ پر نازل ہوا، ارشاد قرآنی میں نزول قرآن مجید کے لئے دو طرح کے ارشادات گرامیہ آئے ہیں۔

(۱) وَقُرْآنًا فَرَقْنَاهُ لِتَقْرَأَهُ عَلَى النَّاسِ عَلَىٰ مُكْثٍ وَنَزَّلْنَاهُ تَنزِيلًا ۝ (بنی اسرائیل نمبر ۱۰۶)

ترجمہ: اور قرآن میں ہم نے جا بجا فصل رکھا تا کہ آپ اس کو لوگوں کے سامنے ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں اور ہم نے اس کو تدریجاً اتارا۔

اس کی تفسیر کرتے ہوئے جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھ پر قرآن مجید کبھی تو ایک ایک آیت کی شکل میں نازل ہوا اور کبھی حرف حرف کی صورت میں بھی نازل ہوا جیسا کہ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ کا حصہ علیحدہ بعد میں نازل ہوا۔ البتہ سورۃ انعام، سورۃ براۃ اور سورۃ اخلاص سب اکٹھی نازل ہوئیں ان کے ساتھ ستر

ہزار صفیں فرشتوں کی نازل ہوئی تھیں صرف ایک آیت وعندہٗ مفاتح الغیب (لقمٰن) کے ساتھ بارہ ہزار فرشتے نازل ہوئے۔

اس میں تنزیل سے مراد پہلے آسمان سے سید دو عالم ﷺ کے قلب منور پر قرآن مجید کا نزول مراد ہے۔

(۲) انّا انزلنا الیک الکتب (النساء نمبر ۱۰۵)

اس میں انزال کا مصدر ارشاد فرمایا جس کا معنی ایک دفعہ اتارنا ہے۔ لوح محفوظ سے پہلے آسمان پر سارا قرآن مجید ایک ہی دفعہ اترا اور وہ رات ستائیسویں رمضان کی تھی جس کو لیلۃ القدر کے ساتھ ذکر فرمایا جیسا کہ فرمایا شَھرُ رمضانَ الّذی اُنزِلَ فِیہِ القُرآنُ (بقرہ ۱۸۵)

اکثر علماء قرآنیات کے نزدیک سب سے پہلا حصہ جو قرآن مجید کا نازل ہوا وہ اقرءْ باسمِ ربّکَ الّذی خلقَ ہے اور آخری کلام ربانی اَلیومَ اکملتُ لکُم دینکُم (سورۃ المائدہ کی آیت نمبر ۳ ہے)

دو سوال اور ان کے جواب

(۱) بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اگر واقعی تفسیر کیلئے علوم وفنون کی ضرورت تھی تو پھر صحابہ کرام نے کون سے علوم کس مدرسے میں حاصل کئے تھے حالانکہ وہ قرآن مجید کے بہترین مفسر بن گئے .... اس سوال کا جواب یہ ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مادری زبان وہی تھی جس میں قرآن مجید کا نزول ہوا، پھر ان کے سامنے سید دو عالم ﷺ کی ذات بابرکات موجود تھی آپ کی عملی زندگی خود قرآن مجید کی تفسیر ہے، نور نبوت سے ہر مسلمان کے دل میں ایمانی تجلیات موجود تھیں، بعض صحابہ کرام کا سینہ اس قدر منور تھا کہ نزول قرآن سے پہلے ہی وہ اپنی زبانوں

سے ایسی بات کہہ دیتے تھے جس کے بعد نزول قرآن اس کی تائید اور تصدیق نظر آتا لیکن جب اسلام حدود عرب سے نکل کر حدود عجم میں پہنچا اور ساتھ ہی ساتھ نئے نئے فتنوں نے سر اٹھانا شروع کیا جو قرآنی الفاظ کی آڑ میں اسلام کے خلاف سازشوں میں مصروف تھے، تو علماء اسلام نے قرآن و حدیث کی روشنی میں ان علوم اور قواعد کی ترتیب دی جو فہم قرآن کے لئے ضروری تھے۔ علامہ ابن خلدون نے فرمایا۔

جس طرح قرآن مجید آج تک محفوظ رہا اور محفوظ رہے گا اسی طرح اس کی تفسیر بھی باقی رہے گی، لیکن اسلام کے پہلے دور میں صحابہ کرام قرآنی رموز اور معارف سے واقف تھے، سید دو عالم ﷺ کے ارشادات مبارکہ سنتے تھے آپ کی عملی زندگی ان کے مشاہدہ میں تھی اور وہ خود صاحب زبان تھے اس لئے کسی فن اور علم کے سیکھنے کے بغیر بھی وہ قرآن مجید کی تفسیر اور مطلب کو سمجھتے تھے، لیکن جب اسلام حدود عرب سے باہر نکلا تو ان لوگوں کیلئے جو نہ تو صاحب زبان تھے اور نہ ہی سید دو عالم ﷺ کے احوال مبارکہ اور اقوال مبارکہ کے مشاہدہ سے مشرف تھے اسلئے انکی تعلیم اور تفہیم کے لئے علم تفسیر اور اس کے قواعد مرتب اور مدون کئے گئے۔ (مقدمہ)

(۲) بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ قرآن مجید کا اپنا ارشاد ہے وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ (سورۃ القمر) کہ ہم نے قرآن مجید کو ذکر کے لئے آسان کر دیا ہے، تو پھر اس قدر علوم و فنون کی ضرورت سے آسانی کہاں رہی؟۔

اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ اس آیت میں ذکر سے مراد حفظ کرنا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ اس کتاب مقدس کا یہ معجزہ آج تک موجود ہے اور آئندہ بھی رہے گا کہ اس کتاب کا یاد کرنا بڑا ہی آسان ہے یہ شرف کسی اور کتاب کو حاصل نہیں کہ

نابینا آدمی، چھوٹے بچے اور بوڑھے، عورتیں تک اس کتاب کو اس قدر جلدی یاد کرسکیں۔ یہ شرف صرف قرآن مجید ہی کو حاصل ہے کہ اس کا یاد کرنا آسان ہے اور دوسرا جواب یہ ہے کہ اس آیت مبارکہ میں لفظ ذکر سے مراد نصیحت ہے، قرآنی تعلیمات نصیحت اور عبرت کے حاصل کرنے کے لئے تو واقعی بڑی آسان ہیں، اس کی قرأت بھی ان لوگوں کو متاثر کردیتی ہے جو اس کو ناظرہ بھی نہیں پڑھ سکتے اور نہ اس کا معنی جانتے ہیں۔ لیکن اس کے مطالب پر غور وفکر کرنا، اس کی تعلیمات سے مسائل کا نکالنا اس کے لئے کئی علوم کی ضرورت ہے خود صحابہ کرام بھی جن کے سینے انوار قرآنیہ سے مشرف تھے معارف قرآنی کے حاصل کرنے کے لئے کئی کئی سال خرچ کرڈالتے تھے جیسا کہ۔

(۱) حضرت عثمان اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ "ہم آنحضرت ﷺ سے صرف دس آیات قرآنیہ پڑھا کرتے تھے اور پھر اس کی تفسیر سمجھا کرتے تھے جب تک ہم ان دس آیات کو علمی اور عملی طریقہ سے نہ سمجھ لیتے تھے آگے نہ پڑھا کرتے تھے"۔ (المدخل المنیر ص ۳۲)

(۲) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے آٹھ سال صرف سورۃ بقرہ کے سمجھنے میں صرف فرمادیئے۔

(۳) حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت حسنؒ کی خدمت میں بارہ سال گذار دیئے۔

(۴) امام زہری (جن کی وفات ۱۲۴ھ کو ہوئی) نے فرمایا کہ میں حضرت سعید بن المسیب کی خدمت میں تعلیمات قرآنی سیکھنے کے لئے آٹھ سال تک رہا۔

(۵) حضرت مجاہد بن جبیر نے تیس دفعہ حضرت ابن عباسؓ کے ساتھ قرآنی تفسیر کا دور کیا۔

خلاصہ یہ کہ ہر دور میں علماء کرام نے قرآن فہمی کے سلسلے میں پوری پوری عمریں صرف فرمادیں اس ہمارے پچھلے دور کے مشہور مفسر القرآن شاہ عبدالقادر نور اللہ مرقدہ نے قرآن مجید کی ایک تفسیر لکھی جو نہایت ہی مختصر اور جامع ہے مگر آج تک اس قدر مستند تفسیر کسی کی نہیں مانی جاتی، آپ نے بارہ سال اکثر بحالت اعتکاف رہ کر اس تفسیر کو مکمل کیا۔

اس لئے ضروری ہے کہ ان تمام قواعد اور اصول کو پیش نظر رکھا جائے جن کے بغیر قرآنی تفسیر سمجھ نہ آ سکے گی، نصیحت اور دینی اثر کے لئے واقعی قرآن مجید سے آسان کتاب اور کوئی نہیں مگر اس میں غور و فکر کے لئے ان تمام علوم اور قواعد و ضوابط کی ضرورت ہے جن کے بغیر قرآنی معارف اور مطالب سمجھے نہیں جا سکتے۔

تفسیر، تاویل، تحریف

تفسیر کا لفظی معنی وہ طریق کار ہے جس سے کسی چیز کی حقیقت تلاش کی جائے جیسا کہ طبیب مریض کا حال معلوم کرنے کے لئے پورے غور و فکر سے کام لیتا ہے۔ اصطلاح میں علم تفسیر کی تعریف یہ ہے۔

علم معرفة كلام الله سبحانه وتعالى من حيث القرانيه ومن حيث دلالته على مايعلم اويظن انه مراد الله سبحانه وتعالى بقدر الطاقة الانسانية (کشف)

يا علم يبحث فيه عن القرآن الحكيم من حيث دلالته على مراد الله تعالى بقدر الطاقة البشرية۔

(مناهل ج ۱ ص ۴۷۱)

یعنی علم تفسیر وہ علم ہے جس کی رو سے قرآن کریم کی آیات سے اللہ تعالیٰ

کی مراد کو معلوم کیا جا سکے جس قدر انسان کے علم اور فکر کی رسائی ہو سکے۔

تاویل کا لفظی معنی تو پھیرنا ہے مگر اصطلاح میں تاویل سے مراد یہ ہے کہ الفاظ قرآنی سے جن معانی کا احتمال ہو سکے ان میں سے ایک کو مقرر کر لیا جائے۔

فائدہ: علمائے سلف لفظ تفسیر کو صرف تفسیر ماثور پر بولا کرتے تھے یعنی قرآن مجید کی جو تفسیر صاحب وحی نبی امین ﷺ نے مراد لی ہو وہ تفسیر ہے اس لئے کہ آنحضرت ﷺ پر قرآن کریم کا نزول ہوا اور آپ کو قرآنی مفہوم کی تعلیم بھی دی گئی، جیسا کہ ارشاد قرآنی ہے۔

انزل اللّٰہ علیک الکتب والحکمۃ۔ (النساء نمبر ۱۱۳)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب اور حکمت اتاری۔

اور یہ بھی فرمایا علّمک مالم تکن تعلم (النساء نمبر ۱۱۳)

اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ سکھایا جو آپ نہ جان سکتے تھے۔

تو اب جس آیت کی تشریح خود سید دو عالم ﷺ نے فرما دی اس میں لب کشائی اور تحقیق کرنا امت کا طریق کار نہیں ورنہ یہ ایسی گستاخی ہے جس کی سزا میں سب اعمال برباد ہو جائیں گے، ارشاد ربانی ہے۔

یایّھا الّذین اٰمنوا لا تقدّموا بین یدی اللّٰہ ورسولہ

ترجمہ: اے ایمان والو! آگے نہ چلو اللہ تعالیٰ کے اور اس کے رسول کے۔

(الحجرات نمبر ۱)

یایّھا الّذین اٰمنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النّبیّ

(الحجرات نمبر ۲)

ترجمہ: اے ایمان والو! نہ بلند کرو اپنی آوازوں کو نبی (ﷺ) کی آواز پر۔

اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے آگے چلنا اور اللہ کے نبی ﷺ کی آواز

پر اپنا آواز بلند کرنا، اس کا یہی مطلب ہے کہ جو بات اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول حضرت محمد ﷺ فرمادیں اب امت اس کے خلاف اپنی رائے پیش نہ کرے۔

اسی احتیاط کے پیش نظر اکثر علمائے تفسیر نے اپنی اپنی تفسیروں میں اکثر جگہ لفظ تفسیر کی بجائے لفظ تاویل اختیار کیا ہے، جیسا کہ سب سے پہلے جامع اور محقق مفسر محمد ابن جریر طبری اپنی تفسیر میں لفظ تاویل لائے، اگرچہ علمی اور اصطلاحی اعتبار سے لفظ تفسیر اور تاویل میں فرق ہے مگر اب امت میں ان دونوں کے لئے لفظ تفسیر ہی لایا جاتا ہے۔ تفسیر کے لئے جن امور کا ہونا ضروری ہے ان کا خلاصہ برصغیر کے مفسر جلیل شاہ عبدالعزیز بن شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہما نے یوں فرمایا:۔

(۱) الفاظ قرآن مجید کا معنی حقیقی یا مجاز متعارف۔

(۲) سیاق وسباق کا پورا لحاظ رکھنا جیسا کہ لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ پڑھ کر وَاَنْتُمْ سُکَارٰی بھی پڑھے۔

(۳) اقوال صحابہ کرام وتابعین سے دلیل لے کر قرآن حکیم کو سمجھے۔

اگر مندرجہ بالا تین شروط میں سے پہلی شرط نہ پائی جائے پچھلی دو موجود ہوں تو اس کو تاویل قریب کہتے ہیں۔ اور اگر دوسری شرط فوت ہو جائے مگر پہلی اور تیسری موجود ہوں یا تیسری فوت ہو جائے مگر پہلی اور دوسری موجود ہوں تو اس کو تاویل بعید کہتے ہیں۔

تفسیر اور تاویل کے لئے مندرجہ بالا تین اصول ہیں مگر ان کا احاطہ اور ان کو پورے طور پر سمجھنے کے لئے جن علوم وفنون کی ضرورت ہے ان کے بارے میں علماء سلف کے چند اقوال۔

امام ابن ابی الدنیا نے تو فرمایا ہے کہ قرآنی علوم ومعارف ایک ناپیدا کنار سمندر ہے جس کی شناوری ناممکن ہے۔

امام جلال الدین سیوطیؒ نے الاتقان کتاب دوسو(۲۰۰) ان کتابوں کی مدد سے مرتب فرمائی جو تفسیر قرآنی سے متعلق ہیں۔

قاضی القضاۃ علم الدین البلقینی نے فرمایا ہے کہ کم از کم پچاس علوم کے جاننے پر ہی صحیح تفسیر کی جاسکتی ہے۔

اگرچہ ان سب علوم کا احاطہ تو مشکل ہے مگر انسانی ہدایت اور راہنمائی کے لئے علماء کرام نے ان کا جو خلاصہ بیان فرمایا اس کا اجمالی نقشہ درج ذیل ہے۔

علوم القرآن

ویسے تو صرف، نحو، معانی، بدیع، بیان وغیرہ تمام علوم آلی ہیں یعنی فہم قرآن مجید کیلئے یہ بطور آلہ اور ذریعہ کے پڑھائے جاتے ہیں مگر جن علوم میں ان سب علوم کو سمیٹ دیا گیا ہے ان میں سے چند ذیل ہیں:۔

(۱) غریب القرآن

اس علم کا موضوع یہ ہے کہ قرآنی الفاظ کے معانی مراد سمجھے جائیں ایک لفظ بظاہر ایک ہی معنی رکھتا ہے مگر اس کے کئی معانی ہوتے ہیں اور ان ہی کی مناسبت سے علیحدہ علیحدہ آیات علیحدہ علیحدہ معانی رکھتی ہیں، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس علم کو سیکھا، جیسا کہ لفظ اب تخفیف کے ساتھ بھی ہے اور ابّ تشدید کے ساتھ بھی ہے مگر دونوں کا معنی علیحدہ ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ابًّا کا معنی پوچھا گیا تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ ''اگر میں قرآن میں کوئی ایسی بات کہہ جاؤں کہ جس کا مجھ کو پورا علم نہیں تو پھر ساری کائنات میں میرے لئے کوئی جائے پناہ نہیں''۔ اب کا معنی باپ اور ابّ کا معنی گھاس، چارہ ہے، اس لئے جناب رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ قرآن کریم کے معانی سمجھو اور اس کے

نکات ڈھونڈو ایک ارشاد میں ہے قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے کو دس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے مگر قرآنی ارشاد میں غور وفکر کرنے والے کو بیس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے،
اور ایک روایت میں فرمایا:۔
''قرآن حکیم کے علوم ومعارف کا ماہر باعزت فرشتوں کے ساتھ ہوگا''۔
(الحدیث)

اس موضوع پر کتاب العزیزی کی تصنیف پر پندرہ سال کا عرصہ صرف ہوا۔امام راغب اصفہانی (م۵۰۲ھ) کی کتاب مفردات القرآن جامع اور مستند کتاب ہے جو مطبوعہ ہے، اس علم کو سمجھنے کے بعد کئی غلطیوں سے بچ جائے گا، جیسا کہ حضرت ابن عباس نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ قرآن مجید کی سورۃ انبیاء میں حضرت یونس علیہ السلام کے متعلق ارشاد فرمایا۔ فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ (انبیاء آیت نمبر۸۷) یعنی اس لفظ نقدر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ قدرت سے مشتق ہے تو معنی یہ ہوگا کہ یونس علیہ السلام نے یہ خیال کیا کہ ہم اس پر قادر نہ ہوں گے یعنی اب وہ ہماری گرفت سے بچ گئے، حالانکہ انبیاء علیہم السلام پر یہ قیاس کرنا گناہ عظیم ہے انبیاء علیہم السلام تو اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر پورا یقین اور ایمان رکھتے ہیں، حضرت معاویہؓ نے فرمایا یہ لفظ قدر سے مشتق ہے قدرت سے نہیں۔(مدارک)

یعنی قدر کا معنی تنگ کرنا ہے، جیسا کہ سورۃ والفجر میں فرمایا فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ پس تنگ کر دیا اس پر اللہ تعالیٰ نے رزق اس کا۔تو یہاں بھی یہی معنی مراد ہے، حضرت یونس علیہ السلام نے خیال فرمالیا کہ اب ان پر کوئی تنگی باقی نہ رہے گی، جیسا کہ ہجرت کے بعد ہر نبی علیہ السلام کو آسانی دی گئی فرمایا وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً (النساء نمبر۱۰۰) ''نبی

علیہ السلام جب قوم سے ناراض ہو کر نکل گئے تو قوم پر عذاب نازل ہوا'' مگر یونس علیہ السلام کی قوم کی خوش بختی سے ان کے لئے ہدایت کا فیصلہ ہو چکا تھا اس لئے یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ میں رکھ کر پھر واپس اپنی قوم میں لایا گیا اور لوگ دولت ایمان سے مشرف ہوئے...... اگر لفظ قدر کے اس معنی کا پتہ نہ چلتا تو معنی میں کس قدر غلطی ہو جاتی۔

(۲) علم نظائر القرآن

جس میں ایک لفظ اور کلمہ جو متعدد آیات میں علیحدہ علیحدہ معانی کے لئے آیا ہے ان معانی کو متعین کیا جاتا ہے، اس موضوع پر متقدمین میں سے مقاتل ابن سلیمان نے اور متاخرین میں سے ابن فارس ابن الجزری نے جامع کتابیں تحریر فرمائی ہیں، جیسا کہ عِتِیًّا کا کلمہ قرآن مجید میں ایک تو حضرت زکریا علیہ السلام کے متعلق سورۂ مریم میں آیا ہے اور اسی طرح اس سورۃ میں دوزخیوں کے متعلق بھی یہی کلمہ آیا ہے، حضرت زکریا علیہ السلام کے بارے میں اس کلمہ کا ترجمہ تو یہ کیا جائے گا کہ میرا بڑھاپا حد سے بڑھ چکا ہے، اور دوزخیوں کے بارہ میں ترجمہ یہ کیا جائے گا کہ تم میں سے کون اللہ تعالیٰ کے سامنے زیادہ سرکش ہے۔ ان کی مزید مثالیں انشاء اللہ آگے آجائیں گی۔

(۳) مشکلات القرآن

اس علم کا موضوع یہ ہے کہ قرآن مجید کی بعض آیات بعض کے مقابل معلوم ہوتی ہیں، اس لئے ناواقف لوگ غلط ترجمہ کر ڈالتے ہیں یا کسی ذہن اور اعتقادی غلطی کا ارتکاب کر لیتے ہیں، خاص کر یہ مشکل اس وقت آپڑتی ہے جب دو علیحدہ علیحدہ حکم ایک ہی کلمہ یا ایک ہی طرز بیان سے ارشاد ہوئے ہوں جیسا کہ اَلْمُحْصَنٰتُ کا کلمہ سورۃ النساء میں دو حکموں میں آیا ہے ایک جگہ تو آیا ہے کہ

مُحْصَنٰتُ (نمبر۲۴) کے ساتھ نکاح حرام ہے اور ساتھ ہی (نمبر۲۵) میں فرمایا ہے تم مُحْصَنٰتُ کے ساتھ نکاح کرو، تو جب تک محصنٰت کے سب معانی معلوم نہ ہوں ترجمہ صحیح نہیں ہوسکتا۔ اس کے لئے علماء تفسیر نے علم اضداد القرآن مدون فرمایا ہے جس پر علامہ انباریؒ (م ۳۲۸ھ) کی جامع اور مفید کتاب اضداد القرآن پہلی مرتبہ کویت کی حکومت نے شائع کردی ہے فجزاہ اللہ احسن الجزاء اسی طرح کلمات اللہ کے بارے میں سورۃ الکھف میں فرمایا:۔

قُلْ لَوْكَانَ الْبَحْرُ مِدَادً الِّكَلِمَاتِ رَبِّىْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ
قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّىْ وَلَوْجِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا

اور سورۃ لقمٰن آیت نمبر ۲۷ میں فرمایا:

وَلَوْ اَنَّ مَافِى الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ
مِنْ ۢبَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ

ان دونوں آیتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی باتیں ختم ہونے میں نہیں آتیں لیکن سورۃ الانعام میں فرمایا وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا (آیت نمبر ۱۱۶)

تو ان دونوں آیتوں کا باہمی تعارض دور کرنے کے لئے جس علم کی ضرورت ہے اس کو علم مشکلات القرآن کہا جاتا ہے، اس علم کی رو سے ان کا معنی یہ کیا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کے کلمات اور ارشادات کی تفسیر اور تشریح تو کبھی بھی ختم نہ ہوسکے گی، اگر ساری کائنات جمع ہوکر بھی اس کی تشریح اور تفسیر لکھے تو ناممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کے معنی، رموز اور اسرار کو مکمل طور پر لکھ سکیں کیونکہ اللہ تعالیٰ علیم اور خبیر ہے اس کے علم اور حکمت سے کسی کا مقابلہ کیسے ہوسکتا ہے؟ بندے کے علم بیان

کرتے ہوئے فرمایا وَمَا اُوْتِیْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلاً (اسراء نمبر ۸۵) تمہیں جو علم دیا گیا ہے وہ تو بہت ہی تھوڑا ہے...... یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید کی تفاسیر کئی کئی جلدوں میں لکھی گئیں۔ ابن النقیب حنفی (م ۶۶۸ ھ) نے چار سو جلدوں میں قرآن مجید کی تفسیر لکھی لیکن بالآخر واللہ اعلم ہی لکھنا پڑا۔ اور دوسری آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانی ہدایت اور رہنمائی کے لئے جو جو باتیں ارشاد فرمانی تھیں وہ فرما دیں اب قرآن مجید کے بعد کوئی دوسری کتاب انسانوں کی راہنمائی کے لئے نازل نہ ہوگی، قرآن کریم ان کلمات کا مجموعہ ہے جو صدق، سچائی اور عدل کے اعتبار سے کامل اور تمام ہیں، اب اس کے بعد اگر کوئی کسی کلام کے نزول کا دعویٰ کرے گا تو وہ کذب اور ظلم ہوگا، اب ان دونوں مقامات کا تعارض دور ہو گیا۔ اس موضوع پر بھی علماء کرام نے کافی کتابیں تصنیف فرمائی ہیں جن میں سے ابو محمد عبد اللہ بن مسلم بن قیتبہ (م ۲۷۶ ھ) کی کتاب مشکل القرآن بہتر کتاب ہے، اسی طرح مشکلات القرآن کے لئے حضرت شیخ الحدیث انور شاہ صاحب قدس سرہٗ العزیز کی کتاب مشکلات القرآن بھی مفید ہے۔

(۴) اقسام القرآن

قرآن کریم انسانوں کی ہدایت اور راہنمائی کے لئے نازل ہوا ہے اس لئے اس میں ان تمام طریقوں کو اختیار فرمایا ہے جو ان کی تفہیم کے لئے مفید ہیں، اسی ضمن میں اکثر جگہ خداوند قدوس نے خود اپنی ذات پاک کی اور بعض دوسری چیزوں کی قسمیں کھائی ہیں۔ قسموں کا آنے والے حکم کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ اس سے کیا بات واضح ہوتی ہے؟ اس کا سمجھنا بھی ضروری ہے، اس موضوع پر علماء کرام نے کافی کتابیں لکھی ہیں جامع اور مختصر کتاب اقسام القرآن ہے جو علامہ ابن القیم (م ۷۵۱ھ) نے تحریر کی ہے، کتاب مطبوعہ ہے۔

(۵) امثال القرآن

قرآن کریم نے کافی ارشادات سمجھانے کی امثال بھی بیان فرمائی ہیں۔
جیسا کہ فرمایا وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ○
(الحشر نمبر ۲۱)

مگر امثال میں غور وفکر کے لئے بھی تو علم کی ضرورت ہے فرمایا: وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا اِلَّا الْعَالِمُوْنَ ○ (عنکبوت نمبر ۴۳)

ایک مثال کو سمجھنا پھر اس کو اس حکم پر منطبق کرنا اس کا نتیجہ نکالنا ضروری امثال کے لئے محاورات کا سمجھنا بھی ضروری ہے، اس موضوع پر عبدالعزیز بن عبدالسلام (م ۶۶۰ھ) کی کتاب کتاب الاشارہ مختصر ہونے کے باوجود جامع اور مفید ہے۔

(۶) مبہمات القرآن

قرآن کریم میں بعض شخصیتیں مبہم انداز میں ذکر کی گئی ہیں، اسی طرح بعض دوسرے مقامات بھی مبہم ہیں، جن کو سمجھنا نہایت ہی ضروری ہے، سلف صالحین نے اس میں پوری عمریں صرف کردیں، حضرت عکرمہؒ قرآن مجید کی آیت (النساء نمبر ۱۰۰) میں ذکر ہونے والے مہاجر کے متعلق (وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا کون سا خوش بخت ہے) چودہ سال پوچھتے رہے آخر معلوم ہوا کہ یہ ضمرۃ بن جندب صحابی تھے۔ اس موضوع پر قاضی بدرالدین، ابن عساکر، سہیلی نے کتابیں لکھی ہیں، امام سیوطیؒ نے اسی نام سے ایک مختصر رسالہ لکھا ہے جو مطبوعہ ہے اور اس موضوع میں اچھا راہ نما ہے۔

(۷) ارض القرآن

اس کا مطلب ارشاد قرآنی کا جغرافیہ سمجھ لیجئے، جن مقامات کا ذکر قرآن

عزیز میں ہے ان کا محل وقوع اور ان سے وابستہ واقعہ کا ذکر کر دیا جائے، یہ موضوع قرآن فہمی کے لئے بہت زیادہ ضروری ہے اردو میں اس پر جامع اور اولین کتاب اسی نام سے ڈاکٹر علامہ سید سلیمان ندویؒ نے تالیف فرمائی ہے جو اس دور کے سب مفسرین کے لئے مشعل راہ ہے۔

(۸) احکام القرآن

قرآن کریم کا نزول انسانوں کو نیک کاموں کا حکم کرنے اور برے کاموں سے روکنے کیلئے ہے، امر و نہی کا دائرہ بڑا وسیع ہے اس کو فقہ میں حل کیا جاتا ہے، ترجمہ اور تفسیر جاننے والوں کے لئے احکام القرآن کا جاننا بھی نہایت ہی ضروری ہے۔ ہر دور میں علماء اسلام نے اس موضوع پر مستقل اور علیحدہ کتابیں لکھی ہیں خصوصاً امام جصاص (م ۳۷۰ھ) کی کتاب جامع اور مفید ہے۔ برصغیر کے مشہور عالم ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ نے بھی تفسیر احمدی صرف اسی موضوع پر تحریر فرمائی ہے۔ اردو زبان میں میری مطبوعہ کتاب احکام القرآن سے بھی فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔

(۹) لغۃ القرآن

چونکہ قرآن مجید کا نزول عربی زبان میں ہے اس لئے عربی زبان کا جاننا نہایت ضروری ہے، عربی زبان دانی کے لئے لغت عرب کا سمجھنا اور اس کے اسلوب بیان کو جاننا نہایت ضروری ہے، یہی وجہ ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے کاتبان قرآن مجید (حضرت زید، سعید بن العاص، عبداللہ بن زبیر، عبدالرحمٰن بن حارث) رضی اللہ عنہم کو حکم دیا تھا کہ جب تمہارا اور حضرت زید کا کسی لغت میں اختلاف ہو جائے تو تم کو لغت قریش پر ہی فیصلہ کرنا ہوگا، چنانچہ لفظ تابوت کے تلفظ میں ان کی رائے یہ تھی کہ ت کے ساتھ ہے مگر حضرت زید کی رائے تھی کہ تابوۃ کے ساتھ ہے۔ آخر حضرت عثمانؓ کے حسب فرمان قریش کی لغت کو فیصلہ کن سمجھ

کرتا بوت ہی پڑھا اور لکھا گیا، اب آئندہ کیلئے نہ کسی اور لغت میں پڑھا جائے اور نہ ہی لکھا جائے گا جیسا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سنا کہ ایک قاری سورۃ یوسف میں لیسجنه (صرف ایک نون) پڑھ رہا ہے آپ نے اس سے وجہ پوچھی تو اس نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا حوالہ دیا، اس پر حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو لکھا۔

> ''خداوند تعالیٰ نے قرآن مجید کو فصیح اور صاف عربی زبان میں نازل فرمایا اور یہ وہ عربی ہے جو قریش بولتے ہیں میرا خط پا کر لوگوں کو فصیح عربی میں قرآن پڑھاؤ اور ہذیل کی عربی میں قرآن نہ پڑھاؤ''

(۱۰) معارف القرآن

یہی اس کتاب کا موضوع ہے، اس سے مراد ان تمام علوم اور قواعد کا خلاصہ ہے جو علمائے کرام نے قرآن فہمی کے لئے مدون فرمائے ہیں۔ ویسے تو اکثر مفسرین قرآن مجید نے اپنی تفاسیر میں ان قواعد اور اصولوں کو ضمنی طور پر بیان فرما دیا ہے مگر جامع طور پر امام جلال الدین سیوطیؒ نے اتقان میں کافی معلومات کا ذخیرہ جمع کر دیا ہے مگر اس سے بھی مختصر اور مفید کتاب الفوز الکبیر ہے جس کو حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۱۷۶ھ) نے مرتب فرمایا، حضرت شاہ ولی اللہؒ کو اللہ تعالیٰ نے قرآن فہمی کی وہ دولت عطا کی تھی جو کم ہی خوش بختوں کو دی گئی، شاہ صاحب نے فرمایا:۔

''اگر سچ پوچھتا ہے تو میں قرآن مجید کا بلا واسطہ ایسا ہی شاگرد ہوں جیسا کہ روح پُر فتوح رسالتمآب ﷺ کا اویسی ہوں'' (الفوز الکبیر فارسی ص ۳۵، اردو ص ۷۱)

حضرت شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ الفوز الکبیر کے مقدمہ میں فرماتے ہیں

"جب اس فقیر پر کتاب اللہ کے سمجھنے کا دروازہ کھولا گیا تو میں نے چاہا کہ بعض مفید نکات جو کتاب اللہ کے سمجھنے میں دوستوں کو کار آمد ہو سکتے ہیں ایک مختصر رسالہ میں منضبط کردوں ، خداوند تعالیٰ کی عنایت بے غایت سے امید ہے کہ طالب علموں کیلئے صرف ان قواعد کے سمجھ لینے سے ایک وسیع شاہراہ کتاب اللہ کے سمجھنے میں کھل جائے گی کہ اگر وہ ایک عمر کتب تفاسیر کا مطالعہ کرنے یا ان کو تفسیروں سے جن کی تعداد اس زمانہ میں بہت ہی کم رہ گئی ہے پڑھنے میں صرف کریں تو اس قدر ضبط کے ساتھ حاصل نہیں ہو سکتی"

انشاء اللہ احقر کی مرتب کردہ کتاب معارف القرآن کو مطالعہ کرنے کے بعد قرآن کریم کے سمجھنے کا ایک خاص ذوق اور ملکہ پیدا ہو جائے گا اور صحیح ترجمہ سمجھنے کا ملکہ پیدا ہو جائے گا۔

(۱۱) معانی القرآن

اس موضوع کا تعلق بھی الفاظ قرآنی اور ان کے معانی کے ساتھ ہے اس موضوع پر بھی علماء سلف نے کافی کتابیں تحریر فرمائی ہیں مگر ان سب سے زیادہ مستند کتاب فرّاء نحوی (م ۲۰۷ھ) کی معانی القرآن ہے۔ علماء تفسیر نے اس سے کافی استفادہ فرمایا ہے اور اس کو دلیل سمجھا ہے۔ (جو اب مصر سے طبع ہو چکی ہے)

یہ ان علوم میں سے چند علوم کا اجمالی تعارف ہے جن کے بغیر قرآن مجید کی تعلیمات اور اس کے معارف کا سمجھنا مشکل ہے اور ان علوم سے بہرہ ور ہونے کے بغیر قرآنی تفسیر ہدایت کی بجائے دین سے دور لے جائے گی۔

قرآنی تفسیر کی مختصر سرگذشت

قرآن مجید نے امام الانبیا سید دو عالم ﷺ کے دو منصب بیان فرمائے ہیں:۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کی کلام کا لوگوں تک پہنچانا، فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ (المائدہ نمبر ۶۷)

ترجمہ: اے رسول پہنچا دیجئے وہ سارا جو اتارا گیا آپ کی طرف آپ کے رب کے ہاں سے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کے کلام کو سمجھانا، فرمایا:

لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ (النحل نمبر ۴۴)

ترجمہ: مگر اس لئے کہ کھول کر سمجھا دیں آپ لوگوں کو جو اتارا گیا ان کی طرف۔

ان آیات اور اسی مضمون کی دوسری آیات کو ملانے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے جس طرح قرآن مجید کے الفاظ امت تک پہنچائے ہیں اسی طرح آپؐ نے قرآن مجید کے الفاظ کی تفسیر اور تشریح بھی پہنچائی ہے اور اس کا اقرار آپ نے اپنی امت کے پہلے بابرکت گروہ صحابۂ کرام کے عظیم مجمع سے کرانے کے بعد یوں فرمایا: اللھم اشھد اے میرے اللہ اس بات پر گواہ رہ کہ میں نے تیرا کلام کریم لوگوں تک پہنچایا بھی اور ان کو سمجھایا بھی ہے۔

تو سب سے پہلے مفسر قرآن حکیم کے خود سید دو عالم ﷺ ہوئے پھر اسی کے ساتھ ساتھ آپؐ نے امت کے ذمے یہ فریضہ لگایا کہ: الا فليبلغ الشاهد الغائب جو حاضر ہے وہ ان تک پہنچا دے جو اس وقت موجود نہ ہو سے، اس لئے امت نے دورِ رسالت سے لیکر آج تک اس فریضہ کو باحسنِ وجوہ ادا کیا اس کی چند وجوہ ہیں۔

پہلی وجہ تو اسی فریضہ نبوت کی ادائیگی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق تک اس کا

کلام پہنچایا جائے اور ان کو سمجھایا جائے۔

دوسری وجہ اس اجر و ثواب کا حصول ہے جو قرآن مجید کے ساتھ نسبت اور ربط رکھنے والوں کو ملتا ہے۔

تیسری وجہ یہ بھی ہے کہ دشمنانِ اسلام کے ایک گروہ نے اسلام کا لبادہ اوڑھ کر قرآن ہی کی آڑ میں دین کے خلاف مذموم کوشش کی ہے اس مذموم حرکت کا جواب دینے کیلئے علماء اسلام نے دفاعی طور پر بھی قرآن کریم کی تفاسیر مرتب فرمائی ہیں۔

چوتھی وجہ یہ ہے اور یہ سب سے بڑی وجہ ہے کہ اسلام اللہ تعالیٰ کا آخری اور کامل دین ہے جس کی ہدایت کا سرچشمہ قرآن مجید ہے، قرآن مجید میں ہر زمانہ میں پیدا ہونے والے مسائل کا کامیاب حل موجود ہے اور یہ بھی قرآن مجید کا اعجاز ہے کہ اس میں تمام انسانی حالات اور ہر زمانے کے راہنما اصول موجود ہیں جس سے دوسری آسمانی کتابیں خالی ہیں۔ اس لئے ہر زمانے میں علماء اسلام نے قرآن مجید کی تفسیر مرتب کرنے کی سعادت حاصل کی ہے اور یہ سعادت آخر تک حاصل ہوتی رہے گی۔ علم تفسیر کی پوری سرگذشت کو بیان کرنے کیلئے تو کئی دفتر درکار ہیں مگر یہاں اجمالی طور پر اس کا تذکرہ کر دیا جاتا ہے۔

طبقہ اولیٰ

یہ طبقہ ان مفسرین قرآن مجید پر مشتمل ہے جنہوں نے سید دو عالم ﷺ کے اقوال، صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین کے تفسیری اقوال کی روشنی میں تفسیر کو مرتب فرمایا جیسا کہ عبداللہ بن مسعود عبداللہ بن عباس (صحابہ) علقمہ بن قیس، مسروق ابن اجدع، عامر شعبی (تابعین) اور یزید بن ہارون السلمی، شعبہ بن الحجاج، وکیع بن الجراح جیسے مفسرین قرآن عزیز ہیں۔

طبقہ دوم

ان علماء تفسیر کا ہے جنہوں نے تفسیر میں اقوال ماثورہ کے ساتھ لغت اور دوسرے علوم پر بھی بحث کی ہے اور پھر قرآن مجید کی تاویل بھی کی ہے، جیسا کہ محمد بن جریر طبری (م ۳۱۰ھ) اور ان کے ہمعصر مفسرین قرآن کریم ہیں، اسی طرح ہر دور اور ہر زمانے میں قرآن مجید کی جامع اور خاص خاص موضوعات پر بھی تفاسیر مرتب کی گئی ہیں، جن کی پوری تفصیل اور تشریح تو میری جامع کتاب تذکرۃ المفسرین میں ملے گی جو اپنے موضوع میں بفضلہٖ تعالیٰ پہلی کتاب ہے، اجمالی طور پر تعارف کے لئے ایک نقشہ پیش کیا جاتا ہے جس میں دور اول سے لے کر آج تک کے مشہور مفسرین قرآن مجید کی فہرست موجود ہے۔

مشہور مفسرین قرآن حکیم

پہلی صدی ہجری

ابی بن کعب	عبداللہ بن مسعود	مسروق بن اجداع	عبداللہ بن عباس
۲۰ھ	۳۲ھ	۶۸ھ	۶۸ھ
	ابوالعالیہ	سعید بن جبیر	
	۹۳ھ	۹۵ھ	

دوسری صدی

ابوالاسود بن عمر	ضحاک	عکرمہ	مجاھد
۱۰۱ھ	۱۰۲ھ	۱۰۴ھ	۱۰۴ھ
طاؤس	عطا بن ابی رباح	قتادہ	محمد بن کعب
۱۰۶ھ	۱۱۴ھ	۱۱۷ھ	۱۱۸ھ

سدی ١٢٧ھ	زید بن اسلم ١٣٦ھ	علی بن ابی طلحہ ١٤٣ھ	کلبی ١٤٦ھ
مقاتل بن سلیمان ١٥٠ھ	مقاتل بن حیان ١٥٠ھ	عبدالملک بن عبدالعزیز ١٥٠ھ	زائدہ بن قدامہ ١٦٠ھ
امام مالک ١٧٩ھ	یونس ١٨٢ھ	وکیع ١٩٧ھ	سفیان بن عیینہ ١٩٨ھ
	ابوزکریا بن سلام ٢٠٠ھ		

تیسری صدی ہجری

قطرب ٢٠٦ھ	فراء ٢٠٧ھ	محمد بن عبداللہ ٢٠٨ھ	حافظ عبدالرزاق ٢١١ھ
اخفش ٢١٥ھ	السمین ١٢٣٥ھ	عبد بن حمید ٢٤٩ھ	امام دارمی ٢٥٥ھ
محمد بن سحنون ٢٥٦ھ	امام بخاری ٢٥٦ھ	مسلم بن قتیبہ ٢٧٦ھ	ابوحنیفہ دینوری ٢٩٠ھ
	امام ثعلب ٢٩١ھ		

چوتھی صدی ہجری

علی بن موسیٰ ٣٠٥ھ	ابوالاسود موسیٰ ٣٠٦ھ	ابن جریر ٣١٠ھ	قتیبہ بن احمد ٣١٦ھ
ابراہیم بن محمد (زجاج) ٣١٦ھ	ابوبکر سیستانی ٣١٦ھ	امام ماتریدی ٣٣٣ھ	ابن نحاس ٣٣٧ھ

نقاش ۳۵۱ھ	محمد بن القاسم ۳۵۵ھ	امام طبرانی ۳۶۵ھ	قفال شاشی ۳۶۵ھ
	امام جصاص ۳۷۰ھ	ابواللیث سمرقندی ۳۹۳ھ	

پانچویں صدی ہجری

احمد بن علی احمد ۴۰۱ھ	محمد بن الحسن بن فورک ۴۰۶ھ	محمد بن الحسین ۴۱۲ھ	قنازعی ۴۱۳ھ
ثعالبی ۴۲۷ھ	الحوفی ۴۳۰ھ	جوینی ۴۳۷ھ	امام صابونی ۴۴۹ھ
ماوردی ۴۵۰ھ	طوسی ۴۶۰ھ	ابوالقاسم عبدالکریم ۴۶۵ھ	الوحدی ۴۶۸ھ
شہفور ۴۷۱ھ	ناصر خسرو ۴۸۱ھ	ابوالقاسم ۴۸۹ھ	

چھٹی صدی ہجری

ابوالقاسم اصفہانی ۵۰۲ھ	خطیب ۵۰۲ھ	امام غزالی ۵۰۵ھ	فراء بغوی ۵۱۶ھ
زمخشری ۵۲۸ھ	اسمٰعیل طلحی قرشی ۵۳۵ھ	عالی بن غزنوی ۵۳۷ھ	عمر بن نسفی ۵۳۸ھ
ابن العربی ۵۴۳ھ	امام بیہقی ۵۴۴ھ	شہرستانی ۵۴۷ھ	زین المشائخ ۵۶۳ھ

حجۃ الدین	نیشاپوری	ابن الجوزی	خزرجی
۵۶۷ھ	۵۷۷ھ	۵۹۷ھ	۵۹۹ھ

ساتویں صدی ہجری

شیخ ابو محمد روز بہاں	طبرستانی	مبارک شیبانی	عبداللہ بن الحسن العکبری
۶۰۶ھ	۶۰۶ھ	۶۰۶ھ	۶۱۶ھ
قطب مغربی	ابوبکر یحییٰ ابن احمد	شیخ اکبر	امام بکر فضل
۶۱۸ھ	۶۲۶ھ	۶۳۸ھ	۶۴۰ھ
زملکانی	ابن النقیب	ابن فرحون	امام کواشی
۶۵۱ھ	۶۶۸ھ	۶۶۹ھ	۶۸۹ھ
ابن المنیر	امام بیضاوی	برہان نسفی	عبدالعزیز دیرینی
۶۸۳ھ	۶۸۵ھ	۶۸۷ھ	۶۹۴ھ

آٹھویں صدی ہجری

ابوالبرکات نفسی	امام بدرالدین حلبی	ابوجعفر غرناطی	قلب الدین شیرازی
۷۰۱ھ	۷۰۵ھ	۷۰۸ھ	۷۱۰ھ
عمادالکندی	احمد بن محمد بن جبارہ	امام ابن تیمیہ	علی بن عثمان
۷۲۰ھ	۷۲۷ھ	۷۲۸ھ	۷۳۹ھ
اسکندری	علامہ طیبی	ابن حیان	جاربردی
۷۴۱ھ	۷۴۳ھ	۷۴۵ھ	۷۴۶ھ
السمین	ابن نقاش	محمد بن محمد الرازی	محمود بن احمد قنوی
۷۵۶ھ	۷۶۳ھ	۷۶۶ھ	۷۷۱ھ

	تفتازانی ۷۹۲ھ	امام زرکشی ۷۹۴ھ	

نویں صدی ہجری

احمد بن مسعود ۸۰۳ھ	ابوزرعہ عراقی ۸۰۶ھ	فیروز آبادی ۸۱۷ھ	گیسودراز ۸۲۵ھ
شیخ علی مہائمی ۸۳۵ھ	شہاب الدین ۸۴۰ھ	ابن حجر عسقلانی ۸۵۲ھ	علاء الدین سمرقندی ۸۶۰ھ
جلال محلی ۸۶۴ھ	ثعالبی ۸۷۵ھ	قاسم بن قطلو بغا ۸۷۹ھ	منلا خسرو ۸۸۳ھ
امام بقاعی ۸۸۵ھ	خی زادہ ۸۸۶ھ	مولانا عبدالرحمن جامی ۸۹۸ھ	

دسویں صدی ہجری

حسین کاشفی ۹۰۶ھ	جلال الدین سیوطی ۹۱۱ھ	شیخ زادہ ۹۵۱ھ	امام ابوالسعود ۹۸۲ھ
	بدرالدین ۹۸۵ھ	زنجانی ۹۹۳ھ	

گیارہویں صدی ہجری

شیخ مبارک ناگوری ۱۰۰۱ھ	ابوالفیض ۱۰۰۴ھ	طاہر سندھی ۱۰۰۴ھ	منورالدین لاہوری ۱۰۱۱ھ
ملا علی قاری ۱۰۱۴ھ	نظام الدین ۱۰۳۶ھ	شاہ عبدالحق محدث دہلوی ۱۰۵۲ھ	عبدالحکیم سیالکوٹی ۱۰۶۷ھ

	خفاجی ۱۰۷۰ھ	معین الدین ۱۰۸۵ھ	

بارھویں صدی ہجری

امام زاہدی ۱۱۰۱ھ	رستم علی قنوجی ۱۱۱۵ھ	ملا جیون ۱۱۳۰ھ	امان اللہ بنارسی ۱۱۳۳ھ
محمد عابد لاہوری ۱۱۶۰ھ	شاہ محمد غوث پشاوری ۱۱۵۲ھ	شاہ ولی اللہ دہلوی ۱۱۷۶ھ	

تیرہویں صدی ہجری

سید علی بن ابراہیم ۱۲۱۳ھ	قاضی ثناء اللہ پانی پتی ۱۲۲۵ھ	محمد بن عبداللہ غزنوی ۱۲۹۶ھ
نواب قطب الدین خان ۱۲۸۹ھ	شاہ عبدالعزیز دہلوی ۱۲۳۹ھ	شاہ عبدالقادر ۱۲۳۰ھ
	محمد سعید مدراسی ۱۲۷۲ھ	

چودہویں صدی ہجری

مفتی محمد عبدہ ۱۳۲۳ھ	شاہ عبدالحق (شیخ الدلائل) ۱۳۳۳ھ	عبدالحق حقانی ۱۳۳۵ھ
فتح محمد تائب ۱۳۰۹ھ	نواب صدیق حسن خان ۱۳۰۷ھ	بارک اللہ ۱۳۱۱ھ
حضرت تھانوی ۱۳۶۲ھ	مولانا آزاد	علامہ آلوسی ۱۳۰۴ھ

مولانا احمد علی لاہوری ۱۳۸۱ھ	حضرت شیخ الہند ۱۳۳۹ھ مولانا حسین احمد مدنی وغیرہمؒ ۱۳۷۷ھ	علامہ انور شاہ کاشمیری ۱۳۵۲ھ

برصغیر میں تفسیر کی سرگذشت

برصغیر کا وہ حصہ جواب مستقل علیحدہ ایک ملک پاکستان کی حقیقت بن چکا ہے خوش بختی سے اسلام کے ابتدائی دور ہی سے اسلام کی کرنوں سے منور ہو چکا تھا، تحقیقات سے یہ بات پایہ ثبوت تک پہنچ چکی ہے کہ بحری راستے سے کراچی اور سندھ کا علاقہ صحابہ کا قدم بوس ہو چکا تھا (بلکہ مشہور تو یہ ہے کہ بمبئی کے قریب راندیر نامی بستی میں صحابہ کرام کے مزارات بھی ہیں) اور بری راستے سے بنوں اور قلات صحابہ کے لئے اپنی آنکھوں کو فرش راہ بنا چکے تھے۔ مسلمان جہاں پہنچے ہیں قرآن کریم اور مسجد ساتھ لے گئے ہیں، اسی بنیاد پر سندھ کے علاقے میں تفسیر قرآن کے مفسر گذرے ہیں جن میں سے مشہور مفسر قرآن حکیم عبد بن حمید جن کا پورا نام عبدالحمید ہے سندھی تھے، آپ کا تعلق اس علاقہ سے تھا جس کو رن کچھ کہا جاتا ہے۔ علم البلدان کا محقق عالم یاقوتی ان کے متعلق لکھتا ہے من بلاد السند، علامہ ابن حجر عسقلانی نے عبد بن حمید کی مرتبہ تفسیر قرآن کا ایک حصہ محمد بن مزاحم کے قلم سے لکھا ہوا دیکھا ہے جو محمد بن مزاحم نے صرف ایک واسطہ سے عبد بن حمید سے حاصل کی ہے۔ عبد بن حمید کی تفسیر کے بارے میں حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ یہ تفسیر دیار عرب میں مشہور اور متداول ہے۔ عبد بن حمید کا انتقال ۲۹۴ھ کو ہوا اس کے بعد تفسیر قرآن مجید کا کام ہوتا رہا جس کی مختصر سی فہرست درج ذیل ہے۔

علامہ مخلص بن عبداللہ دہلوی (م ۶۱۷ھ) نے قرآن مجید کی ایک تفسیر بہ

نام کشف الکشاف لکھی۔

امیر کبیر تاتارخان دہلوی (م ۷۹۹ھ) نے قرآن مجید کی ایک تفسیر تاتارخانی لکھی۔

پہلا فارسی ترجمہ آٹھویں صدی ہجری میں نظام الدین قمی شافعی نیشاپوری نے کیا جو دولت آباد آکر مقیم ہو گئے تھے۔

شیخ اشرف جہانگیر سمنانی ۲۳ سال کی عمر میں ہندوستان آئے اور کچھوچھہ شریف میں آکر سکونت اختیار کر لی، قرآن مجید کی ایک تفسیر بنام نور بخشیہ لکھی ۸۰۸ھ کو کچھوچھہ میں وفات پائی۔

حضرت سید گیسو دراز نے تفسیر کشاف کا حاشیہ اور علیحدہ تفسیر لکھی آپ کی وفات ۸۲۵ھ کو ہوئی۔

شیخ احمد بن علی قصبہ مہائم متصل بمبئی میں پیدا ہوئے قرآن کریم کی جامع تفسیر بنام تفسیر رحمانی لکھی جو مطبوعہ ہے آپ کا انتقال ۸۳۷ھ کو ہوا۔

قاضی شہاب الدین دولت آبادی، آپ نے قرآن مجید کی تفسیر فارسی زبان میں لکھی جو مشہور اور جامع ہے تفسیر کا نام بحر مواج ہے، ۸۴۰ھ کو آپ کا انتقال ہوا۔

خواجہ حسین ناگوری کو سید دو عالم ﷺ کے ساتھ والہانہ محبت تھی، قرآن شریف کی ایک تفسیر تیس جلدوں میں بہ نام نور النبی لکھی، آپ کی وفات ۹۰۱ھ کو ہوئی۔

مولانا اللہ داد جونپوری نے قرآن مجید کی ایک تفسیر لکھی جو تفسیر مدارک کے حواشی پر مشتمل ہے۔ وفات ۹۲۳ھ کو ہوئی۔

شیخ محمد بن عاشق چڑیا کوٹی نے قرآن مجید کی ایک تفسیر بنام تفسیر محمدی لکھی ہے۔

شیخ حسن محمد المعروف بہ شیخ احمد گجراتی نے قرآن مجید کی تفسیر بنام تفسیر

محمدی لکھی، احمد آباد میں ۹۸۲ھ کو فوت ہوئے۔

مولانا وجیہ الدین بن نصر اللہ گجراتی نے بیضاوی کا حاشیہ لکھا، ۹۹۶ھ کو احمد آباد ہی میں فوت ہوئے۔

شیخ طاہر سندھی ثم برہانپوری نے قرآن مجید کی تفسیر بہ نام مجمع البحار لکھی۔ شیخ کا وصال دسویں صدی کے آخر میں ہوا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے جس طرح حدیث کی خدمت کی اسی طرح تفسیر قرآن مجید کی خدمت بھی فرمائی۔ حضرت شیخ عبدالحق کی وفات ۱۰۵۲ھ کو ہوئی، مزار شریف دہلی میں ہے۔

حجۃ اللہ فی ارضہ السید شاہ ولی اللہ دہلوی برصغیر میں ترجمۃ القرآن اور تفسیر کے امام ہیں۔ آپ نے فارسی زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ لکھا جس پر مختصر مگر جامع تفسیری فوائد تحریر فرمائے ہیں، آپ کا وصال ۱۱۷۶ھ کو دہلی میں ہوا، آپ کے فرزند ارجمند شاہ رفیع الدین نے اردو زبان میں ترجمہ فرمایا آپ کے دوسرے گوہر نامدار شاہ عبدالقادر نے تفسیر موضح القرآن لکھی۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی۔ حضرت شاہ ولی اللہ کے شاگرد رشید اور شیخ طریقت مرزا مظہر جانجاں دہلوی کے خلیفہ طریقت قاضی ثناء اللہ نے تفسیر مظہری عربی میں لکھی جس پر اہل علم کو پورا پورا اعتماد ہے، قاضی صاحب کا انتقال ۱۲۲۵ھ کو ہوا۔

نواب صدیق حسن خان بھوپالی نے قرآن وحدیث کی قابل قدر خدمت کی ہے تفسیر فتح البیان اور احکام قرآن میں نیل المرام عربی زبان میں تفاسیر لکھی، آپ کا وصال ۱۳۰۷ھ کو بھوپال میں ہوا۔

مولانا عبدالحق دہلوی نے عیسائیت اور دہریت، نیچریت کا رد کرتے ہوئے قابل قدر تفسیر حقانی لکھی جو اردو زبان میں اس موضوع پر بہتر تفسیر ہے، آپ کا انتقال ۱۳۳۵ھ کو ہوا۔

ہمارے اس دور میں تفسیری اصول کے مطابق جن حضرات نے قرآن مجید کی خدمت کی ہے ان میں حضرت مولانا محمود حسن المعروف شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا مقام بہت بلند ہے آپ نے مالٹا کی اسارت کے زمانہ میں قرآن مجید کا ترجمہ فرمایا جو دراصل اس علمی جماعت کا کارنامہ ہے جو حضرت مولانا حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ اور حضرت مولانا عزیز گل صاحب پر مشتمل تھی، آپ کے اس مترجمہ مصحف پر مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے علمی اور تفسیری فوائد بہترین علمی خزانہ ہیں۔

جامع اور مکمل تفسیر بیان القرآن جو اس زمانہ میں تفسیر کے اساتذہ کے لئے بھی مشعل راہ ہے، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی دینی، علمی روحانی بصیرت کا شاہکار ہے..... قرآن مجید نے جو دینی اور فکری انقلاب پیدا کر کے صحرانشینوں کو قرب خداوندی کا شرف بخشتے ہوئے قیصر و کسریٰ پر حکمران بنایا، اس انقلاب کو قرآن کریم کی روشنی میں سمجھنے کیلئے آج کل مسلمانوں کو بہت زیادہ ضرورت ہے اس کے لئے فکر ولی اللہی کے ترجمان شیخ التفسیر مولانا احمد علی صاحب نور اللہ مرقدہ کا محشی قرآن مجید بہترین راہنما ہے۔

مشورہ

قرآن شریف کے علوم اور تعلیم کی تشریحات کے متعلق خداوند قدوس کا ارشاد ہے۔

وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ (ص نمبر ۸۸) (ترجمہ) اور تم اس قرآن مجید کی خبر کچھ وقت بعد جان لو گے۔

اسی اعجاز کا نتیجہ ہے کہ آج تک اس قدر تفاسیر قرآن مجید لکھی گئی ہیں کہ ان کا شمار ہم سے تو ناممکن ہے جس خوش بخت انسان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے نوازا ہے وہ اپنی بساط کے مطابق ان کے مطالعہ سے لطف اور ایمانی سرور حاصل کرتا ہے مگر تاہم احقر اپنی حقیر معلومات کی بناء پر یہ مشورہ طلباء علوم قرآنیات کی خدمت

میں عرض کرتا ہے کہ مندرجہ ذیل تفاسیر کا مطالعہ قرآنی تعلیمات کیلئے مفید رہتا ہے۔

(۱) تفسیر بغوی

یہ تفسیر ابو محمد فراء بغوی (م ۵۱۶ھ) نے مرتب فرمائی ہے اس تفسیر میں ایک آیت سے متعلقہ دوسری آیات سے بھی تفسیر لی جاتی ہے اس سے تفسیر القرآن بالقرآن کا ملکہ پیدا ہو جاتا ہے۔

(۲) تفسیر ابن کثیر

یہ تفسیر امام ابن کثیر دمشقی (م ۷۷۴ھ) کی مرتبہ ہے اس میں تفسیر بالماثور کا التزام ہے یعنی آیات کی تفسیر آیات سے اور پھر احادیث سے کی گئی ہے، تفسیر مستند روایات کا مجموعہ ہے اور سب کے ہاں تقریباً مسلم ہے اب اس کا ترجمہ اردو میں بھی کیا گیا ہے۔

(۳) تفسیر بیضاوی

یہ تفسیر امام بیضاوی (م ۶۸۵ھ) کی مرتبہ ہے، اگرچہ امام بیضاوی شافعی مذہب کے مقلد ہیں مگر اس تفسیر میں تفسیر بالماثور کے ساتھ درایۃً کو بھی شامل کیا گیا ہے اس تفسیر کا مطالعہ معلومات افزا ہے اگر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس کی شرح شیخ زادہ کا مطالعہ نصیب ہو جائے تو پھر کسی دوسری تفسیر کی زیادہ ضرورت نہیں رہتی، شیخ زادہ حنفی مذہب کا مقلد ہے۔

(۴) تفسیر مدارک

یہ تفسیر اگرچہ بیضاوی کی طرح نہیں مگر پھر بھی قرآن فہمی کے لئے کافی حد تک مفید ہے احناف کے ہاں یہ تفسیر بلند پایہ ہے اس کے مرتب ابوالبرکات نسفی (م ۷۰۱ھ) ہیں۔

(۵) جلالین

یہ تفسیر درس نظامی میں شامل ہے از ہر ہند کے مایہ ناز فرزند شیخ الہند مولانا محمود حسن نور اللہ مرقدہ نے اسارت مالٹا میں ترجمۃ القرآن کرتے ہوئے اس کو راہنما بنایا اور مصر کے از ہر کے شیخ مفتی محمد عبدہ نے بھی اسی کو قرآن فہمی کے لئے مشعل راہ بنایا۔ اس کا مطالعہ نہ صرف مفید بلکہ ضروری ہے۔ محمد سلیمان جمل حنفی نے اس کا حاشیہ مفصل لکھا ہے اس کا مطالعہ زیادہ مفید رہے گا۔

جو طلباء علوم قرآنیہ عربی سے ناواقف ہیں ان کے لئے مولانا اشرف علی تھانوی کی بیان القرآن (جو روح المعانی کا اردو ایڈیشن کہلائے جانے کا مستحق ہے) بہترین ذخیرہ علوم قرآنیہ ہے، اردو تراجم میں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ جس پر مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے تفسیری حاشیہ ربط آیات قرآنی اور قرآنی مطالب کے خلاصہ کے لئے بڑا ہی مفید ہے، احقر آج تک اسی پر درس قرآن مجید دینے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ (واللہ الموفق)

بعض تفاسیر ایسی بھی ہیں جن کو اپنے مخصوص عقائد اور نظریات کی اشاعت پر مرتب کیا گیا ہے اس کا مطالعہ محقق عالم کے سوا دوسرے طلباء کو نہ کرنا چاہیے، جیسا کہ زمخشری (م ۵۳۸ھ) کی تفسیر کشاف کے متعلق علماء تفسیر نے لکھا ہے۔

"اس نے اپنے معتزلی عقائد کو قرآنی آیات سے ثابت کرنے کی کوشش کی"۔

اگر چہ معتزلہ دوسرے عقائد میں بھی جمہور اہلسنت والجماعت کے خلاف ہیں لیکن ان کی خصوصی علامت یہ ہے کہ ان کی کتابوں میں سید دو عالم ﷺ کی توقیر نہیں پائی جاتی بلکہ ان آیتوں کی تحریف معنوی تک کر جاتے ہیں جن سے شان رسالت سید دو عالم ﷺ ثابت ہوتی ہے جیسا کہ قرآن مجید کی آیت اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ کی تفسیر میں کہا ھو جبریل۔ حالانکہ علماء تفسیر کا جم غفیر اس سے مراد

سید دو عالم ﷺ ہی کو مراد لیتا ہے، اسی طرح سورۃ الفتح میں تو قروہ کا مرجع ذات باری تعالیٰ کو بنایا حالانکہ جمہور کے نزدیک اس کا مرجع رسول اللہ ﷺ ہیں، اسلئے آٹھویں صدی ہجری کے مفسر محقق علامہ سبکی (م ۷۷۱ھ) نے فرمایا ہے کہ میں نے ایسی عبارات کو پڑھنے کے بعد تفسیر کشاف کا مطالعہ ترک کر دیا ہے۔

(معید النعم از سبکی ص ۸۰)

دور حاضر کے مادرزاد ولی سیدی عبدالعزیز مصری نے ابریز میں فرمایا جس کا ترجمہ مولانا عاشق الٰہی میرٹھی دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ نے یوں فرمایا...... ''اسی نکتہ کی وجہ سے دیندار اتقیاء نے تفسیر کشاف کے پڑھنے اور پڑھانے سے منع کیا ہے۔'' (صفحہ ۲۶۶)

(ف) صاحب روح المعانی نے اس پر مختصر مگر جامع تنقید فرمائی ہے۔

(ف) کشاف پر تنقید کتب کیلئے کتاب تذکرۃ المفسرین کا مطالعہ کیجئے۔

اسی طرح برصغیر کے ان متفسرین کی تفاسیر سے احتراز کیا جائے جنہوں نے صرف اپنی آنکھ سے قرآن مجید کو دیکھا اور تفسیر لکھ دی۔ خصوصا ان تفاسیر کا مطالعہ نہ کیا جائے جن میں شان سید دو عالم ﷺ پر بھی تنقید کی گئی ہے۔

تحریف

''تحریف'' کا لفظ حرف سے مشتق ہے، حرف کا معنی ہے کنارہ، اصطلاح میں ''تحریف'' سے مراد یہ ہے کہ معنی اس طرح کیا جائے کہ جو بات کرنے والے کی مراد نہ ہو، یہی مراد تحریف کی تفسیر کے سلسلے میں ہے، قرآن حکیم میں آیا ہے کہ تحریف کتاب اللہ یہودیوں کی بری عادت تھی، فرمایا:۔

وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُونَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُ

مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ○ (بقرہ نمبر ۷۵)

ترجمہ: اوران میں سے ایک گروہ اللہ کا کلام (توراۃ) سنتا تھا مگر پھر بدل ڈالتا تھا اس کو سمجھ لینے کے بعد اور یہ بھی اس بات کو جانتے ہیں۔

تحریف کی دو قسمیں ہیں، تحریف لفظی اور تحریف معنوی

تحریف لفظی کا مطلب تو یہ ہے کہ وہ الفاظ ہٹا کر دوسرے الفاظ لے آئیں، یہودیوں میں تحریف لفظی کی عادت بھی موجود تھی، جیسا کہ فرمایا:۔

يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ (النساء نمبر ۴۶)

تحریف (بے ڈھب) کرتے تھے بات کو اس کے ٹھکانے سے

اسی طرح تحریف لفظی کا نتیجہ یہ نکلا کہ تورات دنیا سے ضائع ہوگئی۔ اور آج بھی تورات اور انجیل کے ترجموں میں یہ چیز واضح ہے کہ ہر نیا ایڈیشن پہلے ایڈیشن سے الفاظ اور عبارت میں مختلف ہوتا ہے۔

قرآن کریم کے خلاف اگرچہ کھل کر تو تحریف لفظی کرنے کی جرأت کسی مسلمان کہلانے والے کو نہ ہوسکی البتہ اسرائیلی حکومت نے قرآن مجید عربی میں اپنے ردوبدل کے ساتھ طبع کرا کے افریقی قبائل میں تقسیم کیا مگر حکومت مصر نے اس کا ازالہ کر دیا جس کے لئے وہ ساری امت کی طرف سے شکریہ کی مستحق ہے۔ اسی طرح ایران کے ایک خوشنویس نے مصحف شریف کی آیات میں کمی بیشی کر کے شائع کیا ہے جسے سعودی حکومت نے ضبط کر کے دنیا بھر کے مسلمانوں کو متنبہ فرمایا۔

(جزاھم اللہ)

البتہ بعض مصری مسلمانوں نے تجدد کے نشہ میں قواعد اور شروط سے بے نیاز ہو کر ۱۳۱۵ھ میں قرآن مجید کی عربی (منزل) کو آسان عربی کے الفاظ میں ڈھال کر قرآن مجید کا نام دیکر شائع کیا مگر اس وقت کے علماء کرام نے اس فتنہ کا مقابلہ کر کے اس کو جڑ سے کاٹ ڈالا۔ جزاھم الله خير الجزاء (المدخل ص ۴۹)

اسی بدعت کا ارتکاب برصغیر کی تقسیم سے پہلے لاہور کے بعض تاجروں نے کیا تھا کہ عربی متن کو بالکل اڑا کر صرف اردو زبان کو قرآن کا نام دے کر ''روشن چراغ'' قرآن مجید کے نام سے طبع کیا، ظاہر ہے کہ یہ اقدام تحریف پر جا کر رُکتا جیسا کہ انجیل اور تورات کا حشر ہوا، اس لئے اس وقت احقر نے احتجاج کیا جسے اکابر علماء کرام کی سرپرستی حاصل ہوئی اور حکومت نے اسے ضبط کرلیا تھا مگر اب پھر وہ اسی طرز پر شائع ہو رہا ہے۔ اسی طرح پکتھال نومسلم کا انگریزی ترجمہ پہلے تو عربی متن کے بالمقابل حیدرآباد دکن سے شائع ہوا تھا مگر اب امریکہ سے بڑی کافی تعداد میں بغیر عربی متن کے شائع ہو رہا ہے...... اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ چند سال پہلے حکومت پاکستان نے ایک قانون کی رو سے عربی متن کے سوا قرآن مجید کی طباعت کو ممنوع کر دیا ہے۔

چونکہ قرآن لفظ اور معنی دونوں کا نام ہے اس لئے صرف معنی کو قرآن نہیں کہا جا سکتا، اس لئے تحریف سے پورے طور پر تب ہی محفوظ رہ سکتا ہے جبکہ لفظی ترجمہ کیا جائے البتہ تفسیر اور تشریح میں وسعت کر سکتا ہے اس لئے محتاط اور انسب طریقہ یہی ہے کہ قرآن مجید کا عربی متن ساتھ رکھ کر لفظی ترجمہ کیا جائے اور پھر اس کی تفسیر و تشریح دوسری زبانوں میں کر دی جائے، علمائے سلف نے قرآن مجید کی تفسیر بھی عربی زبان کے سوا کسی دوسری زبان میں کرنے سے گریز کیا، چنانچہ:۔

''امیر ابو صالح منصور بن نوح سامانی نے جب چوتھی صدی ہجری کی مشہور تفسیر ابن جریر طبری کا مطالعہ کرنا چاہا تو اس کا ترجمہ فارسی زبان میں کرانے کیلئے عالم اسلامی کے محققین علماء مثلاً امام ابوبکر بخاری م ۳۸۱ھ اور خلیل سمرقندی م ۳۶۸ھ اور علماء ماوراء النہر سے فتویٰ حاصل کرنے کے بعد اس تفسیر کا

ترجمہ فارسی زبان میں کرایا جو بنام تفسیر منصوری مشہور ہوئی''۔(اورنٹیل میگزین)

یہی وجہ تھی کہ سرسید احمد خان جیسے جدت پسند مفکر نے بھی ایسے ترجمہ کو مردوداور گناہ عظیم قرار دیا۔جیسا کہ مولانا الطاف حسین حالی نے فرمایا:۔

''ایک شخص نے سرسید سے استفسار کیا تھا کہ اگر نماز میں قرآن شریف اردو پڑھ لیا جائے تو آپ کے نزدیک کچھ قباحت تو نہیں؟ اس کے جواب میں انہوں نے یہ لکھ بھیجا ''مخدومی نماز میں قرآن مجید بلفظ نہ پڑھنے اور اس کا ترجمہ پڑھ لینے میں بجز اس کے کچھ قباحت نہیں کہ نماز نہیں ہوتی''۔

(حیات جاوید حصہ دوم صفحہ ۹٦۴)

ایک اور شخص نے ان سے دریافت کیا تھا کہ قرآن مجید کا ترجمہ جو آپ نے اپنی تفسیر میں کیا ہے اگر قرآن سے علیحدہ چھاپ لیا جاوے تو آپ اس کی اجازت دیتے ہیں یا نہیں؟ اس کے جواب میں انہوں نے لکھا:۔

''اول تو یہ بتاؤ کہ ایسے مردود ترجمہ کو خریدے گا کون؟ دوسرے یہ کہ جو ترجمہ تفسیر کے ساتھ کیا گیا ہے وہ نہایت سرسری طور پر ہوا ہے اگر صرف ترجمہ چھاپا جائے تو نظر ثانی کا محتاج ہے اس کا اہتمام اس طرح پر کہ صرف اردو بغیر متن قرآن چھاپا ہو ہرگز پسند نہیں ہے نہ میں اس کی اجازت اپنی زندگی میں دوں گا، میں اس کو نہایت عظیم گناہ سمجھتا ہوں''۔

تحریف کے اسباب

(۱) انسان کی عادت ہے کہ جس بات کو اپنے ذہن کے مطابق نہ پائے اس کو نہیں مانتا یہ اس طرح اسکی قطع و برید کر دیتا ہے کہ اصلی مطلب فوت ہو جاتا ہے چنانچہ بعض لوگ قرآن کریم کا جو ارشاد واضح طور پر سمجھ نہ سکے اس میں دوراز کار تاویلات شروع کر دیں، قرآن شریف نے اس تکذیب کو یوں فرمایا:۔

بَلْ كَذَّبُوْا بِمَالَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ ۝

(یونس نمبر ۳۹)

بلکہ جھٹلانے لگے اس بات کو جس پر قابو نہ پایا اور نہ آئی ان کے پاس ابھی تک حقیقت اس کی۔

ایسی تاویلات جو دراصل تحریفات ہوتی ہیں تکذیب تک پہنچا دیتی ہیں، یہ ضروری نہیں کہ تحریف کرنے والا جان بوجھ کر قرآن کریم کی مخالفت کر رہا ہو بلکہ کسی کی نیک نیتی یا بد نیتی کا اس میں دخل نہیں، یہی وہ سبب تھا جس نے بیسویں صدی کے بعض مسلمانوں کو نصوص قرانی کے ترجمہ اور اس کی تفسیر میں ایسی راہ پر لگا دیا جو بجائے ہدایت کے گمراہی کا موجب بن گئی، اس حقیقت کو سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں درج کیا جاتا ہے۔

”یورپ کی نئی نئی سائنس اور قوانین فطرت کے نئے نئے اسرار کے انکشافات نے جو شبہات پیدا کئے ان کا اصلی جواب تو وہ علماء دے سکتے تھے جو ہمارے قدیم متکلمین کی طرح قدیم فلسفہ میں ماہر تھے اس نئے زمانہ کے نئے علوم اور نئی تحقیقات سے واقف ہوتے مگر بہر حال ما لا یدرك كله لا يترك

کلیہ کہ اگر پورا نہ مل سکے تو ادھورا ہی سہی کے اصول کے مطابق انہی لوگوں میں سے جو گو نیم عالم تھے لیکن انگریزوں سے دن رات ملتے تھے اور ان کے علوم و خیالات سے کچھ کچھ واقف تھے سر سید مولوی چراغ علی اور مولوی کرامت علی صاحب وغیرہ چند ایسے اشخاص کھڑے ہوئے جنہوں نے اپنے اپنے خیال کے مطابق اس فرض کو ادا کرنا چاہا اور ان سے بہتوں کو فائدہ بھی پہنچا لیکن وہ باقاعدہ عالم نہ تھے اور نہ علماء حق کی صحبتوں سے مستفید تھے، انہوں نے اپنے اپنے کلاموں میں جگہ جگہ غلطیاں کیں اور ایسی تاویلوں کے شکار ہوئے جو حقیقت سے بہ مراحل دور تھیں ان کی غلطیوں کا سبب ایک ہی تھا اور وہ یہ کہ وہ اپنے زمانہ کی طبعی تحقیقات اور ان کے قیاسی نتائج کو یقینی اور قطعی مان کر مسائل شرعیہ کو ان کے مطابق کرنے لگے اور یہ وہی غلطی تھی جس میں بمقابلہ فلسفہ یونان تیسری اور چوتھی صدی میں باطنیہ فرقہ کے علماء اور مصنفین مبتلا ہو چکے تھے ان کا یہ کہنا تھا کہ علماؤ فلاسفہ جو کچھ کہتے ہیں وہی انبیاء اور رسل علیہم السلام کہتے ہیں اسلئے دونوں میں ایسی تطبیق دی جائے کہ انبیاء کا کلام کسی نہ کسی تاویل سے حکماء و فلاسفہ کے خیال کے مطابق ہو جائے لیکن متکلمین اہلسنت نے یہ غلط راستہ اختیار نہیں کیا بلکہ یہ کیا کہ انبیاء علیہم السلام نے جو کچھ فرمایا اس کو قطعی و یقینی مان کر حکماو فلاسفہ کے ان مسائل کی جو قطعاً مخالف تھے دلائل سے غلطی ثابت کی اور جو کسی قدر صحیح

سے صحیح ہو سکتے تھے اس کی تاویل کر دی اور جو تمام تر مطابق تھے
یا کم از کم مخالف نہ تھے یا انبیاء علیہم السلام نے ان سے نفیاً یا
اثباتاً بحث ہی نہیں کی ان کی توثیق کی''

(حیات شبلی ص نمبر ۱۶ نمبر ۱۷)

(۲) اسی طرح بعض دفعہ یہ بھی ہو جاتا ہے کہ ایک آدمی اپنے ذوق اور وجدان کو تفسیر قرآنی کیلئے سب سے بڑا راہ نما سمجھ لیتا ہے، قواعد اور ضوابط سے بے نیاز ہو کر اپنے دلی فیصلہ کو خیال بنا کر الفاظ قرآنیہ کی تشریح کرنے لگ جاتا ہے حالانکہ انسانی ذوق اور وجدان ناقص ہے اور لحظہ بہ لحظہ بدلتا رہتا ہے، اسلئے ناقص اور بدلنے والے عقل کو قرآن حکیم کی وحی کا شارح سمجھ لینا بہت بڑی غلطی ہے، امام ابن تیمیہؒ نے فرمایا:۔

فکان من الاصول المتفق علیھا بین الصحابة
والتابعین لھم باحسان انه لایقبل من احد قط ان
یعارض القران لا برایه ولا ذوقه ولا معقوله ولا
قیاسه ولا وجده ۔ (الفرقان نمبر ۱۹)

یہ بات صحابہ کرام اور تابعین کے درمیان اجماعی ہے کہ کسی
آدمی سے ہرگز یہ بات قبول نہ کی جائے گی جو قرآن کا مقابلہ
صرف اپنی رائے، اپنے ذوق، اپنی سمجھ اور قیاس سے کرے۔

اپنے ذوق کو راہنما بنانے کا خیال اکثر صاحب قلم حضرات کے دل میں پیدا ہو جاتا ہے جیسا کہ ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے اصول تفسیر پر بحث کرتے ہوئے فرمایا:۔

''بس یہ جان لیجئے کہ میں پچھلے زمانہ کے ائمہ حدیث وفقہ وتفسیر

ہی سے استفادہ کرتا ہوں اور ان کا پورا ادب ملحوظ رکھتا ہوں مگر
کسی بات کو صرف اس بناء پر نہیں مان لیتا کہ یہ فلاں بڑے شخص
نے کہی ہے بلکہ خود بھی اپنی آنکھوں سے دیکھتا اور اپنے دماغ
سے سوچتا ہوں اور جو بات مجھے تحقیق سے صحیح معلوم ہوتی ہے
اسے مانتا ہوں اور جو غلط معلوم ہوتی ہے اسے چھوڑ دیتا ہوں''

(مکاتیب زندان ص ۸۹)

اسی طرح تفہیم القرآن کے دیباچہ میں فرمایا:۔

''قرآن کی ایک عبارت پڑھ کر جو مفہوم میری سمجھ میں آتا ہے اور جو اثر میرے دل پر پڑتا ہے اسے حتی الامکان صحت کے ساتھ اپنی زبان میں منتقل کر دوں''۔(ص ۱۰)

بالفاظ دگر جناب مودودی صاحب کے ہاں صحت کا معیار ان کا اپنا دل اور دماغ ہے، جو بات ان کو بذات خود صحیح معلوم ہوتی ہے اس کو مان لیا جاتا ہے، یہاں اتنی بات اور یاد رکھی جائے کہ جناب مودودی صاحب کی نظر میں پرانی کتابیں دین کا قائل نہیں کرتیں بلکہ دین کا منکر بنانے میں معاون بن جاتی ہیں۔ جیسا کہ فرمایا:

''میں نے تفسیر قرآن اور شرح حدیث اور فقہ کی پرانی کتابوں کو
بھی پڑھا ہے اور مجھے معلوم ہے کہ جدید زمانے کے علوم پڑھنے
والے لوگوں کے ذہن میں شکوک وشبہات کے جو کانٹے چبھے
ہوئے ہیں صرف یہی نہیں کہ ان کتابوں میں ان کو نکال دینے کا
کائی سامان نہیں ہے بلکہ قدم قدم پر وہ چیزیں ملتی ہیں جو نئے
تعلیم یافتہ لوگوں کے دل میں مزید شبہات پیدا کرنے والی ہیں
اور بسا اوقات ان کی وجہ سے ایک متشکک شک کے مقام سے
آگے بڑھ کر جمود وانکار کے مقام تک پہنچ جاتا ہے۔''

(رسائل ومسائل مندرجہ ترجمان القرآن ج ۳ شمارہ نمبر ۶)

پرانے ذخیرہ تفسیر و حدیث وفقہ سے بے نیاز ہو کر جو تفسیر قرآنی اور تعبیر احکام اسلامیہ کی جائے گی اس کی صرف ایک مثال مودودی صاحب کے نظریات سے دی جاتی ہے۔قرآن حکیم میں واضح طور پر موجود ہے کہ جب غیر مسلموں کے ساتھ معاہدہ ہو جائے مگر وہ اس معاہدہ کے بعد دین اسلامی میں طعن اور تشنیع شروع کردیں تو اب یہ معاہدہ ٹوٹ جائے گا خصوصاً جبکہ سید دو عالم ﷺ کی شان میں کوئی معاہد (ذمی) گستاخی کرگذرے تو وہ نا قابل معافی ہے ارشاد قرآنی ہے:۔

وَاِنۡ نَّكَثُوۡا اَيۡمَانَهُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ عَهۡدِهِمۡ وَطَعَنُوۡا فِىۡ دِيۡـنِكُمۡ فَقَاتِلُوۡۤا اَٮِٕمَّةَ الۡـكُفۡرِ‌ۙ اِنَّهُمۡ لَاۤ اَيۡمَانَ لَهُمۡ لَعَلَّهُمۡ يَنۡتَهُوۡنَ ○ (توبہ نمبر ۱۲)

اور اگر توڑیں وہ اپنی قسمیں اپنے عہد کرنے کے بعد اور عیب لگائیں تمہارے دین میں تو کفر کے سرداروں کیساتھ لڑو انکی قسموں کا کچھ اعتبار نہیں شاید اس طرح وہ باز آ جائیں۔

مفسر قرآن حضرت شاہ عبدالقادر نور اللہ مرقدہ نے فرمایا:۔

''اگر ثابت ہو کہ ایک کافر عیب دیتا ہے ہمارے دین کو وہ ذمی نہ رہا۔''

مگر مودودی صاحب کا نظریہ کیا ہے وہ ان ہی کے الفاظ میں پڑھ لیجئے:

''ذمی خواہ کیسے ہی بڑے جرم کا ارتکاب کرے اس کا ذمہ نہیں ٹوٹتا حتی کہ جزیہ بند کر دینا، مسلمان کو قتل کرنا، نبی کریم ﷺ کی شان میں گستاخی کرنا یا کسی مسلمان عورت کی آبرو ریزی کرنا بھی اس کے حق میں ناقص ذمہ نہیں''۔

(الجہاد فی الاسلام ص ۲۴۰)

اس نظریہ کا اصلی محرک کیا ہے وہ بھی اسی ''الجہاد'' کی وجہ تالیف میں دیکھ لیجئے جو اسی کتاب کے ص ۱۰ پر درج ہے۔

"لیکن دسمبر ۱۹۲۶ء کی آخری تاریخوں میں ایک ایسا واقعہ
پیش آیا جس نے مجھے مشکلات سے قطع نظر کر کے اقدام عمل پر
مجبور کر دیا یہ واقعہ شدھی کی تحریک کے بانی سوامی شردھانند کے
قتل کا واقعہ تھا جس سے جہلا اور کم نظر لوگوں کو اسلامی جہاد کے
متعلق غلط خیالات کی اشاعت کا ایک نیا موقع مل گیا کیونکہ
بدقسمتی سے ایک مسلمان اس فعل کے ارتکاب کے الزام میں
گرفتار کیا گیا تھا اور اخبارات میں اس کی جانب یہ خیالات
منسوب کئے گئے تھے کہ اس نے اپنے مذہب کا دشمن سمجھ کر
سوامی کو قتل کیا ہے اور یہ کہ اس نیک کام کرنے سے وہ جنت کا
امیدوار ہے حقیقت کا علم تو خدا کو ہے مگر منظر عام پر جو کچھ آیا وہ
یہی واقعات تھے ان کی وجہ سے عام طور پر اسلام کے دشمنوں
میں ایک ہیجان پیدا ہو گیا"۔

جب ایک کتاب کی تالیف کا محرک یہ بات ٹھہری کہ لوگوں کو جہاد کے متعارف معنی کے علاوہ دوسرا معنی بھی سمجھایا جائے تو ظاہر ہے کہ اب ان اقوال کا سہارا لیا جائے گا جو اپنے ذوق کی تفسیر کے مؤید ہوں ورنہ آجکل کے گستاخی اور اہانت کے دور میں ان اقوال اور تشریحات کو ترجیح دی جائے جو تحفظ عقائد اسلامیہ میں معاون ہوں جیسا کہ شاہ عالمگیر کے عالی مرتبت استاد ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر میں فرمایا:۔

وظاهر عبارة القران يقتضى هذا الحكم لا نه قال
وان طعنوافى دينكم فقاتلوا و لا شك ان ليس طعن

اس واقعہ سے مراد غازی عبدالرشید دہلوی اور غازی علم الدین لاہوری کی وہ جان نثاری ہے جو ان سعادت مندوں نے شمع نبوت پر نثار کر دی۔ ع خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را۔

فی الدین اکبر من سب النبی علیه السلام اذفیه
اهانة الشرع و هتك حرمة الاسلام والحق ان
یکون فتوی اهل العلم فی زماننا هذا" (تفسیر احمدی)

فائدہ: اس مسئلہ کی توضیح بھی کر دی جاتی ہے تاکہ مسئلہ ذہن نشین ہو جائے۔

اگر ایک ذمی (غیر مسلم) کسی اسلامی حکومت کے ساتھ اعلان وفاداری کر دے تو اب اس کی جان مال اور عصمت کی حفاظت لازم ہے حضور انور ﷺ نے فرمایا من قتل معاهدا لم یرح رائحة الجنة جو کوئی کسی ذمی کو قتل کر دے گا وہ جنت کی خوشبو سے بھی محروم رہے گا" لیکن ذمی کیلئے لازم ہے کہ وہ اسلام کا احترام کرے اور اپنے عہد کی پاسداری کرے اور اگر ذمی نے عہد اطاعت کو توڑ دیا جس کی کئی صورتیں ہیں، ایک یہ بھی ہے اور یہ سب سے بڑا نقص عہد اور غداری ہے کہ جس حکومت کے زیر سایہ آرام سے زندگی بسر کر رہا ہے اسی کے نبی ﷺ کی شان عالی میں گستاخی کو ڈالے تو اب جمہور ائمہ اسلام کے ہاں اس کو قتل کر دیا جائے گا جیسا کہ امام الانبیا ﷺ کے اپنے زمانے میں حضور کے حکم پر ایسے گستاخوں کو جہنم رسید کر دیا گیا تھا، جیسا کہ قران حکیم کی اس آیت کا یہی مطلب ہے اور اس میں حنفی شافعی سب متفق ہیں، حتی کہ علامہ زمخشری (جس کو اعتزال کا ترجمان سمجھا جاتا ہے) نے بھی فرمایا:۔

"قالوا اذاطعن الذمی فی دین الاسلام طعنا ظاهرا
جازقتله لان العهد معقود معه علی ان لا یطعن
فاذاطعن فقد نکث عهده و خرج من الذمة"
(کشاف ومدارک)

آخری دور کے محقق فقیہ علامہ شامی نے اسی موضوع پر ایک مستقل رسالہ

بنام تنبیہ الولاۃ والحکام علی احکام شاتم خیرا لانام تحریر فرمایا ہے۔
اما ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے جو یہ فرمایا کہ ایسے گستاخ سے بھی ذمہ نہیں ٹوٹتا اس کا مطلب تو یہ ہے کہ اس ذمی کے مال اور اس کی اولاد، بیوی کی حفاظت کی جائے لیکن جہاں تک اس گستاخ کو کیفر کردار تک پہنچانے کا معاملہ ہے اس میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا بھی یہی قول ہے جو باقی اماموں کا ہے۔ اس لئے فہم مطالب قرآن مجید کی بنیادی شرط یہ ہے کہ۔

ذاتی خیالات کو بنیاد نہ بنایا جائے

یہ شرط قرآن مجید کا صحیح مطلب اور اس کی صحیح تفسیر سمجھنے کیلئے ضروری اور بنیادی ہے، ایک مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ قرآن مجید کا مطالعہ اور اس کی تعلیمات پر غور وفکر اس حیثیت سے کرے کہ قرآن مجید کو ہادی اور راہنما سمجھے اور خود اپنے کو پیروکار اور متبع سمجھے یقین رکھے کہ قرآن مجید ہی۔

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ O (بقرہ آیت نمبر ۲)

قرآن پرہیزگار بننے والوں کے لئے ہدایت ہے۔

هُدًى لِّلنَّاسِ O (بقرۃ آیت نمبر ۱۸۵)

قرآن سب انسانوں کے لئے ہدایت ہے۔

اور یہ یقین رکھے کہ اس کتاب مجید کو اللہ تعالیٰ نے اَنْزَلْنَا اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا O کے ساتھ تعبیر فرمایا اور یہ بھی یقین رکھے کہ جس تعلیم کی راہنمائی قرآن مجید نے فرمائی ہے وہ سب تعلیمات سے اعلیٰ اور درست اور عالمگیر ہے، ارشاد قرآنی ہے:۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِىْ لِلَّتِىْ هِىَ اَقْوَمُ (اسراء نمبر ۹)

ترجمہ: بیشک یہ قرآن سب سے زیادہ سیدھی راہ کے لئے راہنما ہے۔

اس کتاب مقدس کی تعلیمات عالمگیر اور جامع ہونے کے ساتھ ساتھ وقتی نہیں ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات کی ہدایت کے لئے جو دستور نجات اور نظام زندگی نازل فرمانا تھا وہ نازل فرما دیا، جیسا کہ فرمایا:۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِىْ

(المائدہ نمبر ۳)

آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی۔

اور دین کا سرچشمہ کلام الٰہی ہے جو قرآن مجید کی شکل میں امت کے لئے راہنما ہے، فرمایا۔

تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًاؕ (الانعام نمبر ۱۱۶)

تیرے رب کے کلمات سچائی اور عدل میں تمام ہو چکے۔

اور ان کلمات کا محافظ خود خداوند قدوس ہے اسلئے یہ رہتی دنیا تک باقی رہیں گے اور خلق اللہ کے لئے شمع ہدایت کا کام دیں گے۔ فرمایا:۔

لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (الانعام نمبر ۱۱۶)

اس کے کلموں کو کوئی بدلنے والا نہیں اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر نمبر ۹)

بیشک ہم ہی نے قرآن کو اتارا اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔

اب اگر کوئی انسان بری نیت کے ساتھ باطل نظریات لے کر قرآن مجید کا مقابلہ کرے گا یا باطل نظریات اور لادینی تعلیمات کو قرآنی الفاظ کے جامہ میں پھیلانے کی مذموم سعی کرے گا وہ ہرگز کامیاب نہ ہو سکے گا، فرمایا:۔

اِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا

مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِیْلٌ مِّنْ حَکِیْمٍ حَمِیْدٍ۝

(حٰم السجدہ نمبر ۴۱، ۴۲)

ترجمہ: بیشک یہ قرآن غالب رہنے والی کتاب ہے اس کے آگے اور پیچھے سے باطل نہیں آسکتا یہ بڑی حکمت والے اور ستودہ صفات خدا کا اتارا ہوا ہے۔

اس لئے قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے، ترجمہ اور تفسیر کرنے والے کیلئے ضروری ہے کہ وہ نور معرفت حاصل کرنے کی نیت سے قرآن مجید کو سمجھنے کی کوشش کرے، قرآن مجید کا ارشاد ہے۔

لَا یَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ۝ (الواقعہ نمبر ۷۹)

ترجمہ: اس کو صرف پاکیزہ لوگ ہی ہاتھ لگا سکتے ہیں۔

اسکی تفسیر میں حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں۔

''یعنی جو صاف دل اور پاک اخلاق رکھتے ہیں وہی اس کے علوم وحقائق تک ٹھیک رسائی پا سکتے ہیں''۔

اس لئے پانچویں صدی ہجری کے مفسر القرآن امام مکی بن ابی طالب (م ۴۳۷) نے فرمایا:

''مفسر قرآن کیلئے ضروری ہے کہ اس کا اعتقاد درست ہو اور وہ دینی احکام کا پابند ہو''

اور اس کی وجہ ظاہر ہے کیونکہ قرآن مجید کا نزول سمعی یا بصری تعلیم سے نہیں ہوا بلکہ یہ تو سید دو عالم ﷺ کے قلبِ منور پر نازل ہوا جیسا کہ ارشاد فرمایا۔

فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰی قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (سورۂ بقرہ آیت نمبر ۹۷)

ترجمہ: ...

اتارا اللہ تعالیٰ کے حکم سے۔

اس لئے جس قدر دل کو تقویٰ اور پاکیزگی حاصل ہوگی اسی قدر قرآنی معارف سے بہرہ ور ہوگا۔ اور اگر مفسر نے ذاتی خیالات کو بنیاد بنا کر قرآنی تعلیمات کو بطور دلیل کے بنانا چاہا تو اس سے معاملہ برعکس ہو جائے گا، گویا مفسر نے اپنی رائے کو تو فوقیت دی اور قرآن مجید کو اپنا پیرو بنانا چاہا یہی وہ تفسیر بالرائے ہے جس کی سزا کا ذکر فرماتے ہوئے رب العالمین نے یہودیوں کی تحریف لفظی اور تحریف معنوی کا ذکر فرمایا۔

وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّا اَمَانِيَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ○ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ○ (سورۃ بقرہ آیت نمبر ۷۸)

ترجمہ: اور ان میں سے کچھ ان پڑھ ہیں جو کتاب کو صرف اپنی آرزوؤں کے مطابق ہی جانتے ہیں اور وہ گمان سے باتیں کرتے ہیں پس ان لوگوں کیلئے ہلاکت ہے جو ایک بات اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں اور پھر کچھ دنیاوی فائدہ کیلئے لوگوں سے کہتے پھرتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے سو ان کیلئے ہلاکت ہے ان کے یہ لکھنے کی سزا میں اور ہلاکت ہے ان کی کمائی سے ان کیلئے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلہ میں مزید تشریح کیلئے دور حاضر کے

اقتباس درج کر دیا جائے، آپ نے فرمایا۔

''اس سلسلہ میں میں مجھے دو باتیں کہنی ہیں، ایک تو یہ کہ قرآن پاک کے ترجمے میں بے احتیاطی کو کام میں نہ لایا جائے یہ تحریف ہے اور جس کی سزا کا حال معلوم ہے، ترجمہ بالکل لفظی کرنا چاہیے پھر آپ اس کی تشریح اپنے ضروری مطلب کے ساتھ کر سکتے ہیں، یہ کسی طرح درست نہیں کہ ترجمہ میں الفاظ کی رعایت کے بغیر اپنے مطلوب کے مطابق کوشش کی جائے یہ شدید تحریف ہے آپ دیکھیں گے کہ پھر کسی دوسری ضرورت کے وقت آپ کو اس آیت کا دوسرا ترجمہ دوسرے ڈھنگ سے کرنا پڑے گا اس وقت آپ پر یہ ثابت ہو جائے گا کہ ہم نے اتباع ہویٰ کا دانستہ ارتکاب کیا۔ دوسری چیز یہ ہے کہ جمہور اسلام جس مسئلہ پر اعتقادی و عملی طور پر متفق ہوں ان کو چھوڑ کر تحقیق کی نئی راہ اختیار نہ کی جائے یہ طریقہ تواتر و توارث کی بیخ کنی کے مترادف ہے اس گناہ کا مرتکب کبھی میں خود ہو چکا ہوں اور اس کی اعتقادی و عملی سزا بھگت چکا ہوں، اس لئے دل سے چاہتا ہوں کہ اب میرے عزیزوں اور دوستوں میں سے کوئی اس راہ سے نہ نکلے تا کہ وہ اس سزا سے محفوظ رہے جو ان سے پہلوں کو مل چکی''۔

مولانا ابوالکلام آزاد کا ایک فقرہ اس باب میں بہت خوب ہے انہوں نے ایک دفعہ کہا کہ:۔

کہتے ہیں مگر ایک سے ایمان پرورش پاتا ہے اور ایک سے کفر"
اس زمانہ کے اکثر لکھنے والے اس نکتہ سے تغافل برت رہے
ہیں اور اس لئے خوف لگا رہتا ہے کہ ان سے ایمان کی بجائے
کفر کو نشو و نما کا موقع نہ ملے۔ (سید سلیمان ندوی، ماہنامہ
"العلم" کراچی جنوری تا مارچ ۱۹۵۹ء)

اس لئے قرآن مجید کی تفسیر بیان کرتے ہوئے یا قرآنی احکام اور مطالب کا مطالعہ کرتے ہوئے ذہن میں اس بات کو حاضر رکھنا چاہیئے کہ اصل بات تو وہی ہے جو قرآنی تعلیمات سے معلوم ہوتی ہے میرا اپنا ذاتی نظریہ کوئی نہیں قرآن مجید نے ارشاد فرمایا:

وَلَا تَقْفُ مَالَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۝ (الاسراء نمبر ۳۶)

ترجمہ: اور نہ یقین کر اس پر جس کا تجھے علم (دلیل) نہ ہو۔

علم اور دلیل کے بغیر اللہ تعالیٰ کی بات کی تشریح اور تفسیر کئی گمراہیوں کا راستہ کھول دیتی ہے شیطان کا یہ بھی ایک داؤ ہے کہ وہ انسانوں کو اس بات پر آمادہ کر دیتا ہے کہ وہ بلا علم اور دلیل کے کسی بات یا حکم کو اللہ تعالیٰ کا حکم کہہ کر غلط بات کو صحیح کرنے کی جسارت کر ڈالیں، فرمایا:۔

وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَالَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (بقرہ نمبر ۱۶۹)

اور یہ کہ تم اللہ پر وہ کچھ کہہ ڈالو جو تم نہیں جانتے۔

اسی کو اصطلاح شریعت میں تفسیر بالرائے کہا جاتا ہے جس کے متعلق سید دو عالم ﷺ کا ارشاد ہے:۔

من فسر القران برایه فلیتبوا مقعده من النار

جو قرآن کی تفسیر اپنی خواہش ...

اور رائے کا مطلب یہی ہے کہ اس میزان کو چھوڑ کر بغیر علم و دلیل کے تفسیر کی جائے جیسا کہ دوسرے ارشاد میں ہے من قال فی القران بغیر علم فلیتبوء مقعده من النار

ایسی تفسیر اور تشریح جو علوم و قواعد تفسیر یہ کو بالائے طاق رکھ کر کی جائے اگر وہ درست بھی نکلے تب بھی اجر و ثواب کا مستحق نہیں بلکہ عنداللہ وہ مجرم ہی سمجھا جائے گا، آپ نے فرمایا (ﷺ)

من تکلم فی القران برایه فاصاب فقد اخطاء

(ابوداؤد، نسائی، ترمذی)

تفسیر بالرائے کے متعلق مصر کے عظیم ادیب طٰہٰ حسین سابق وزیر تعلیم کا تبصرہ درج کیا جاتا ہے:۔

"میں کہہ سکتا ہوں کہ مؤولین (تفسیر بالرائے کرنے والے) خواہ قدماء میں سے ہوں یا فلاسفہ میں سے، ان کی تاویلات دور از کار ہیں انہوں نے عقل کو راہنمائی سونپی اور دھوکہ کھا گئے انہوں نے وہ باتیں کیں جو ان کے منہ سے نہیں نکلنی چاہئیں تھیں انہیں سزاوار یہ تھا کہ حد سے قدم آگے نہ بڑھاتے جس جگہ ان کی قوت فہم ادراک اور شعور اور بلوغ ختم ہو گئی تھی وہیں ٹھٹھک کر رہ جاتے یہ ان کیلئے بہت بہتر ہوتا ان کیلئے بھی اور ان لوگوں کے لئے بھی جنہیں انہوں نے فتنے میں مبتلا کر دیا تھا ان کی دور از کار تاویلات نے عجیب عجیب گل کھلائے ہیں، جیسا کہ قرآن مجید میں طَيْرًا اَبَابِيْل کا ذکر آیا ہے وہ چڑیاں جنہوں نے مکے پر حملہ

عقل پرست طَیْرًا اَبَابِیْل سے وبا مراد لیتے ہیں اور کنکریوں سے مراد غیر مرئی جراثیم ، یہ تاویل انہوں نے اپنی طرف سے کی حالانکہ سب اچھی طرح جانتے ہیں کہ نبی ﷺ اور آپ کے صحابہ کرامؓ نے سورۃ فیل کا یہ مطلب نہیں لیا تھا اور نہ اس نہج پر اسے سمجھا تھا اور وہ اس نہج پر سمجھ بھی نہیں سکتے تھے یہ ان کے زیب کب تھا وہ میکروب (جراثیم) سے بالکل ناواقف تھے، اسی طرح جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ قرآن میں سبع سماوات سے مراد کواکب وسیارہ ہیں یہ بھی اٹکل پچو بات ہے یہ ایسی بات کہہ رہے ہیں جو نبی ﷺ اور آپؐ کے صحابہ کرامؓ نے کبھی نہیں فرمائی''

(اسلام منزل بمنزل ص ۳۰۶)

جیسا کہ ''طلوع اسلام'' کا ایڈیٹر پرویز اسی سورۃ کی تفسیر میں تحریف معنوی ہی نہیں بلکہ تحریف لفظی تک کر گیا سورۃ الفیل کا ترجمہ یوں کیا:۔

''(جماعت قریش) تم نے دیکھا نہیں کہ تمہارے پروردگار نے ہاتھیوں والوں (ابرہہ اور اس کی فوج) کے ساتھ کیا کیا تھا؟ تمہارے پروردگار نے ان کی خفیہ تدابیر کو بے سود نہیں بنا دیا تھا؟ اور ان پر پرندوں کے جھنڈ نہیں بھیج دیئے تھے تم (تمہاری قوم) ادھر سے ان پر پتھراؤ کر رہے تھے چنانچہ اس طرح تمہارے پروردگار نے انہیں کھائے ہوئے بھوسے کی طرح بنا کر ڈال دیا تھا''۔

اس ترجمہ کی تفسیر پرویز صاحب نے یہ کی:۔

۵۷۰ء میں حضورؐ کا سن ولادت ہے ارادہ کیا کہ مکہ کو فتح اور خانہ کعبہ کو منہدم کر دیا جائے تا کہ عربوں کی مرکزیت فنا اور قریش کی سیادت تباہ ہو جائے اس کیلئے اس نے بجائے اس کے کہ برملا اعلان جنگ کرتا اپنے ساتھ ہاتھیوں کی ایک عظیم الشان فوج لے کر خفیہ خفیہ بڑھنا شروع کیا اس یورش کیلئے حج کا موسم تجویز کیا جب عربوں میں لڑائیوں کا سلسلہ منقطع یا ملتوی ہو جاتا تھا اور پھر ایام تشریق کہ جن میں تمام عرب ہتھیار الگ رکھ کر رسوم حج کی ادائیگی میں مصروف ہو جاتے، مزید برآں اس نے مانوس راستہ کو چھوڑ کر پہاڑیوں کے پیچھے پیچھے چور راستہ اختیار کیا تا کہ کسی کو اس حرکت و یورش کا علم ہی نہ ہونے پائے تا آنکہ وہ مکہ پر حملہ آور ہو جائے، یہ تھے اس کے مکائد (خفیہ تدابیر) عرب اس کی آمد سے بے خبر تھے لیکن اللہ تعالیٰ تو بے خبر نہیں تھا اس نے ایک ایسا سبب پیدا کر دیا جس سے یہ تمام راز طشت ازبام ہو گیا گدھ اور چیلیں ہمیشہ لاشوں اور مرداروں کی تلاش میں رہتی ہیں، گذشتہ زمانہ میں جب کبھی لشکر ادھر ادھر جنبش کرتے تو وہ اپنی فطری ذہانت سے بھانپ لیتیں کہ کہیں انکی ضیافت کا سامان ہونے والا ہے چنانچہ وہ ان کے ساتھ ساتھ ہو لیتیں، ابرہہ نے زمین پر تو تمام حفاظتی تدابیر اختیار کر لیں کہ اس کا راز آشکارا نہ ہونے پائے لیکن آسمان پر تو اسے کچھ اختیار حاصل نہیں تھا، عربوں نے دیکھا کہ گدھوں کے گدھ منڈلاتے چلے آ رہے ہیں تو انہوں نے خبر رساں ایجنسیوں سے فوراً بھانپ لیا کہ ان کے سائے میں کوئی لشکر بڑھے آ رہا ہے حج کے موقع پر اجتماع غفیر موجود تھا سب اردگرد کی پہاڑیوں پر چڑھ گئے اب یہ صورت پیدا ہو گئی کہ نیچے وادیوں میں ابرہہ کا لشکر ہے اور پہاڑیوں پر عربوں کا ہجوم، نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن۔

ازمنہ گذشتہ کے فنون حربیہ سے واقفیت رکھنے والے جانتے ہیں کہ سنگباری اس زمانہ

اپنے ہی اور (MOMENTUM) سے اس شدت سے نیچے آتیں کہ جو ان کی زد میں آجاتا اس کا بھرکس نکل جاتا آن واحد میں ہاتھی اور ان کا لشکر بھس بن کر رہ گیا"۔

(معارف القرآن جلد نمبر ۴ صفحہ نمبر ۳۶۶، نمبر ۳۶۷)

اقبال مرحوم نے شاید انہی کے لئے فرمایا تھا ۔

ولے تاویل شان در حیرت انداخت   خدا و جبریل و مصطفیٰ را

اس تحریف کا جواب مفصلاً علماء اسلام دے چکے ہیں یہاں صرف معارف قرآنی کے طور پر کچھ عرض کیا جاتا ہے ادھر تو پرویز صاحب یہ کہتے ہیں کہ ابرہہ نے ایام حج میں بیت اللہ پر حملہ کیا کہ یہ مہینے ان کے نزدیک قابل احترام تھے اور وہ لڑنا حرام سمجھتے ہیں، اور ادھر یہ بھی کہتے ہیں کہ پہاڑوں پر چڑھ گئے اور ہزار ہزار من کی چٹانیں لڑھکا دیں دونوں باتوں میں تضاد ہے۔ علماء تاریخ وسیرت کا بیان ہے کہ اس واقعہ کے چالیس دن بعد سید دو عالم ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی تو اس لحاظ سے محرم کے آخری ایام ہونے چاہئیں، حج تو ذوالحج کی تیرہویں تاریخ تک ختم ہو جاتا ہے اور عرب لوگ واپس جا چکے ہوں گے۔

اس تفسیر بالرائے کیلئے تاریخی حقائق کو جس قدر مسخ کیا گیا اور احادیث کی مستند روایات کو کس طرح چھوڑا گیا یہ مستقل تفصیل طلب بحث ہے، یہاں قرآنیات کے طلبہ کیلئے صرف اسی قدر عرض کیا جاتا ہے کہ:۔

۱۔ اَلَمْ تَرَ کا مخاطب جماعت قریش کو بنایا گیا تا کہ آگے آنے والے فعل ترمیھم کا فاعل بھی جماعت قریش کو بنایا جائے بتانا یہ ہے کہ ان حملہ آوروں کو پتھر مارنے والے وہ پرندے نہ تھے بلکہ تم خود تھے۔ تو یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر قریش ہی نے ان کو پتھر مارے تو پھر ان کے لئے تعجب کی کیا بات تھی؟ وہ خود ہی تو

(۲) الم تر اور ترمی دونوں واحد مؤنث کے صیغے بنادیئے گئے، پرویز صاحب کا خیال ہے کہ جماعت کا کلمہ مؤنث ہے تاویلاً تو فعل اسی لئے مؤنث لایا گیا تو پھر ربک کی ضمیر مخاطب کا کیا بنے گا اس لحاظ سے تو ربک میں یہ ضمیر بھی مؤنث کی لائی جاتی جیسا کہ الم ترکو مؤنث مخاطب بنایا گیا، الم تر کا مخاطب مؤنث اور ربک کا مخاطب مذکر، یہ کس قاعدہ نحوی اور بیانی کے تحت ہے؟ (اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ)

۳۔ اسی طرح سِجّیل کا کلمہ قرآن مجید میں تین مرتبہ آیا ہے، فرمایا:۔

ا: وَاَمْطَرْنَا عَلَیْھَا حِجَارَۃً مِّنْ سِجِّیْلٍ (ہود نمبر ۸۲)

ترجمہ: اور برسائے ہم نے اس بستی پر پتھر کنکر جیسے۔

ب: وَاَمْطَرْنَا عَلَیْھِمْ حِجَارَۃً مِّنْ سِجِّیْلٍ (الحجر نمبر ۷۴)

ترجمہ: اور برسایا ہم نے ان لوگوں پر مینہ کنکروں کا۔

ج: تَرْمِیْھِمْ بِحِجَارَۃٍ مِّنْ سِجِّیْلٍ o (الفیل نمبر ۴)

ترجمہ: مارتے تھے وہ پرندے ان کو پتھر کنکر جیسے۔

پہلی دو آیتوں میں قوم لوط پر آسمان سے پتھروں کا برسانا مراد ہے جہاں قوم لوط کی بستیاں آباد تھیں وہاں کونسی وادی یا درہ تھا یا کس نے ان کو روک کر اوپر سے پتھر برسائے تھے، پھر لفظ سجیل کا معنی امام لغت قرآنی امام راغب نے فرمایا والسجیل حجر وطین یعنی پتھر اور کیچڑا، امام راغب نے فرمایا کہ بعض کے ہاں یہ لفظ فارسی سے معرب کیا گیا ہے۔ جیسا کہ امام تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس کا ترجمہ سنگ وگل فرمایا ہے، قرطین میں اس کا ترجمہ آجر پختہ اینٹ کے سنگریزے کیا گیا ہے جمہور مفسرین کا یہی قول ہے۔ (مدارک)

ولهذاذهب قوم فی تفسير سجيل الیٰ سنك و كل
ای حجر وطين (بحوالہ لسان العرب جلد نمبر ۱۳ص ۳۴۷)
یہی تفسیر جلیل القدر مفسرین جیسا کہ امام ابن جریر طبری (م ۳۱۰ھ) امام قرطبی (م ۳۵۵ھ) امام رازی (م ۶۰۶ھ) نے فرمائی اور اگر یہ علماء لغت اور تفاسیر کے اقوال نہ بھی ہوتے تب بھی قرآن مجید نے خود اس کی تفسیر دوسری جگہ سورۃ الذاریات آیت نمبر ۳۲، ۳۳ میں فرمادی، ارشاد فرمایا:

قَالُوٓا اِنَّآ اُرۡسِلۡنَآ اِلٰى قَوۡمٍ مُّجۡرِمِيۡنَ ۙ لِنُرۡسِلَ عَلَيۡهِمۡ حِجَارَةً مِّنۡ طِيۡنٍ ۙ

ترجمہ: انہوں (فرشتوں) نے کہا ہم ایک مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے تاکہ ان پر مٹی ملے پتھر (کنکر) برسائیں۔

صاف معلوم ہوتا ہے کہ پتھر کسی پہاڑی کے نہ تھے بلکہ یہ تو سنگریزوں کی شکل کے تھے اور وہ ان کے لئے عذاب کے طور پر واقع ہوئے، ان پتھروں کو دیکھا گیا جو ابرہہ کی فوج پر گرے تھے، علامہ زمخشری بھی اس واقعہ کی صداقت کا قائل ہے اس نے اپنی تفسیر میں لکھا کہ:۔

''حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ انہوں نے ام ہانی رضی اللہ عنہا کے پاس ایک بڑی ٹوکری ان پتھروں کی دیکھی جو ابرہہ کی اس فوج پر گرائے گئے تھے یہ پتھر جسم میں چنے سے چھوٹے اور مسور سے بڑے تھے'' (کشاف)

خلاصہ یہ ہے کہ جب قرآنی ارشادات کو صرف اپنی آنکھ اور اپنے عندیہ کے مطابق سمجھنے کی کوشش کی جائے تو اس سے یہ گل کھلتے ہیں (اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے) ورنہ یہ بات اس قدر واضح اور صاف ہے کہ اس میں تاویل یا کوئی خفاء نہیں،

ہے، فرمایا:۔

فارسل اللّٰہ طیرا مع کل طائر فی منقارہ حجر و حجران
فی رجلیه اکبر من العدسة واصغر من الحمصة
فوقعت تلك الحجارة علیهم فهلك قوم و فر آخرون۔

ترجمہ: پس اللہ تعالیٰ نے چند پرندے بھیجدیئے ہر پرندہ کے چونچ میں ایک اور اس کے دونوں پنجوں میں دو دو پتھر تھے جو کہ مسور سے بڑے اور چنے سے چھوٹے تھے جب وہ پتھر ان حملہ آوروں پر برسے تو کچھ ہلاک ہو گئے اور باقی بھاگ گئے۔

تمام مستند اور معتبر تواریخ میں یہی بات منقول ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تفسیر بالرائے کو سمجھانے کے لئے ان تفاسیر میں سے چند مثالیں پیش کی جائیں جو اپنے نظریہ کو پیش نظر رکھ کر کی گئی ہیں۔

تفسیر بالرائے پر تبصرہ شواہد کی روشنی میں

فائدہ: معارف القرآن میں بعض طبقات اور فرقوں کے عقائد سے بحث نہیں کی گئی بلکہ صرف تفسیری موضوع کے پیش نظر چند اقتباس پیش کئے جاتے ہیں:۔

اگر چہ جس فرقہ نے جمہور اہل اسلام کے نظریات اور عندیات کے خلاف خروج کیا اس نے الفاظ قرآنی ہی کی آڑ لی۔ فرقہ معتزلہ، جہمیہ، کرامیہ، قدریہ، جبریہ وغیرھا تمام فرقوں نے الفاظ قرآنی میں تحریف معنوی کی جو متقدمین کی تفاسیر میں موجود ہیں۔ یہاں برصغیر کے چند مفسرین کے ان اقوال تفسیریہ پر تبصرہ کیا جاتا ہے جوانہوں نے مسلک حقہ، سے ہٹ کر اختیار کئے، اس سلسلہ میں سب سے پہلے جس نے قلم اٹھایا وہ سرسید احمد خان علیگڑھی (م ۱۳۱۵ھ) ہیں، ایسی تفسیر جو برصغیر میں مسلمانوں کے عقائد کے خلاف پائی گئی اور جس سے عامۃ المسلمین میں ہیجان

پیدا ہوا وہ سرسید کی تفسیر ہے، سرسید کے مداح اور ان کے سوانح نگار مولانا الطاف حسین حالی نے ایک طویل مقالہ بہ عنوان ''قرآن مجید میں اب نئی تفسیر کی گنجائش باقی ہے یا نہیں'' سپردِ قلم فرمایا جس میں فرماتے ہیں:۔

''سرسید کی تفسیر جس میں بیسیوں آیات کے معانی جمہور مفسرین کے خلاف لکھے گئے ہیں اس کی نسبت پہلا شبہ جو ہر شخص کے دل میں پیدا ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ باوجود بیشمار تفسیروں کے جو گذشتہ تیرہ سو برس میں وقتاً بعد وقتٍ قرآن مجید کی لکھی گئی ہیں اب تفسیر قرآن کے متعلق ایسا کونسا مرحلہ باقی رہ گیا ہے جس کو علماء سلف نے طے نہ کرلیا ہو؟ چنانچہ اس شبہے کی بنا پر بعض ستم ظریفوں کو کہتے سنا ہے کہ جو مطلب قرآن کا سرسید نے بیان کیا ہے وہ نہ خدا کو سوجھا نہ نبی کو (ﷺ) نہ صحابہ تابعین کو اور نہ دیگر علمائے امت کو''

حالی مرحوم نے اس شبہ کو دور کرنے کی کوشش کی مگر اتنا تو تسلیم کرلیا کہ:۔

''جو معنی سرسید صاحب نے قرآن پاک کے بیان کئے ہیں اس میں شک نہیں کہ ان معنوں کا اس زمانے میں جبکہ قرآن نازل ہوا مخاطبین پر ظاہر شارع کے مقصود کے خلاف تھا''

(مقالات حالی حصہ اول ص ۲۴۷)

اس جواب میں اگر چہ حالی نے سرسید کی تفسیر کی ایک توجیہہ کرنے کی کوشش کی مگر جس بات کا انھوں نے غیر مبہم الفاظ میں اقرار کیا اصلی رائے وہی ہے یعنی۔

''بعض آیات قرآنی کے وہ ایسے معانی بیان کرتے تھے جن کو سن کر تعجب ہوتا تھا کہ کیوں کر ایسا عالی دماغ آدمی ان کمزور اور

اسی تفسیر کے متعلق سید مہدی علی خاں صاحب مرحوم آنریری سیکرٹری مدرستہ العلوم علی گڑھ اور سرسید کے درمیان جو خط و کتابت ہوئی اس کا اقتباس درج کیا جاتا ہے۔ پہلے خط محررہ ۹ اگست ۱۸۹۲ء کا اقتباس۔

دوسری بات لکھنے کی یہ ہے کہ آج کل میں آپ کی تفسیر دیکھ رہا ہوں درحقیقت اب تک اچھی طرح بلکہ سرسری طور پر بھی نہ دیکھا تھا اور اس کے نہ دیکھنے کا سبب آپ سے کہہ بھی دیا تھا، غالباً آپ اس بات کے سننے سے تو خوش نہ ہوں گے کہ میں اب تک آپ کی آرایوں سے اتفاق نہیں کرتا اور ہر بحث میں اسے قرآن کی وہ تفسیر جس کو کوئی قرآن کے مطالب کی تشریح تفصیل اور تفسیر سمجھے نہیں سمجھتا بلکہ اکثر جگہ تفسیر کو تفسیر القول بما لا یرضی بہ قائلہ تصور کرتا ہوں مگر اس میں شبہ نہیں ہے کہ جس مضمون کو آپ نے لکھا ہے ایسی عمدگی اور خوبی اور صفائی سے بیان کیا ہے کہ اگر آدمی نہایت ہی راسخ الاعتقاد نہ ہو تو ضرور اس کی تصدیق کرنے لگے اور بلاشبہ ایک جادو کئے ہوئے آدمی کی طرح آمنا وصدقنا پکارنے لگے، واقعی خدا نے دل کے حالات کو الفاظ میں ادا کرنے اور تحریر میں لانے کی عجیب حیرت انگیز قوت اور طاقت آپ کو دی ہے کہ اگر اسے جادو کہیں یا سحر تو بے محل نہ ہوگا، مگر افسوس ہے کہ آپ نے ان مسائل کو جو کل یورپ کے وہ تعلیم یافتہ لوگ جو مذہب کے پورے پابند اور معتقد نہیں ہیں صحیح اور یقینی اور غیر قابل الاعتراض سمجھتے ہیں مان لیا اور قرآن کی آیتوں کو جن میں ان کا ذکر ہے ایسا ماول کر دیا کہ وہ تاویل ایسے درجہ پر پہنچ گئی کہ اس پر تاویل کا لفظ بھی صادق نہیں ہو سکتا، آپ نے مسلمان مفسروں کو تو خوب گالیاں دیں اور برا بھلا کہا اور یہودیوں کا مقلد بتایا مگر آپ نے خود اس زمانہ کے لامذہبوں کی باتوں پر ایسا یقین کر لیا کہ ان کو مسائل محققہ صحیحہ یقینیہ قرار دیکر تمام آیتوں کو قرآن کے ماول کر دیا اور لطف یہ ہے کہ آپ اسے تاویل بھی نہیں کہتے (تاویل کو تو آپ کفر سمجھتے ہیں) بلکہ صحیح تفسیر اور اصلی تفسیر قرآن کی سمجھتے ہیں حالانکہ نہ سیاق کلام

نہ الفاظ قرآنی نہ محاورات عرب سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

دوسرے خط محررہ ۱۹ ستمبر ۱۸۹۲ء کا اقتباس

اب رہا یہ امر کہ میرے پاس خدا کی بھیجی ہوئی وحی آئی تھی جس سے مجھے ثابت ہوا کہ مرضی قائل یعنی خدا کی وہ نہیں جو آپ سمجھے ہیں۔ اس کی نسبت بادب تمام عرض کرتا ہوں کہ مجھ پر تو وحی آنے کی ضرورت جب ہوتی کہ میں کوئی ایسی بات بیان کرتا جو انسانوں کی معمولی سمجھ سے خارج ہوتی یا وہ معنی قرآن کے بیان کرتا جسے نہ صاحب وحی سمجھے تھے نہ صحابہؓ نہ آئمہ نہ عامۃ المسلمین، ہاں آپ نے بعض مقامات پر قرآن کے وہ معنی بتائے ہیں جو لفظوں سے نکلتے ہیں نہ محاورہ عرب کے مطابق ہیں نہ سیاق کلام کے موافق بلکہ اسلام جو منشاء اور قرآن کا مقصود اور پیغمبر کی ہدایت کی غرض ہے ان سب کے خلاف، پس ایسی صریح اور صاف بات کیلئے مجھ پر وحی آنے کی ضرورت نہ تھی اور خدا کی عام مرضی معلوم ہونے کے بعد جو معنی اس کے خلاف لئے گئے اس پر لا یرضی بہ قائلہ کہنا نہ تھا''؟

(مضامین سید مہدی علی خان مندرجہ تہذیب الاخلاق جلد اول مطبوعہ ۱۹۱۴ء)

سر سید احمد خان صاحب نے قرآنی آیات کی تفسیر میں کس طرح نصوص اور متواتر تفسیر سے انحراف کیا اس کی یہاں صرف ایک مثال بطور شاہد کے درج کی جاتی ہے۔

قرآن کریم کی سورۃ آل عمران میں آیت نمبر ۱۱۹ میں ارشاد ربانی ہے

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

(ترجمہ) ''یہ یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری مدد بدر کے میدان میں فرمائی جبکہ تم کمزور تھے پس اللہ کا شکر کرتے ہوئے اس سے ڈرتے رہو'' آیت نمبر ۱۲۰،

''میں اس بات کا بالکل منکر ہوں مجھے یقین ہے کہ کوئی فرشتہ لڑنے کو سپاہی بن کر یا گھوڑے پر چڑھ کر نہیں، آیا مجھ کو یہ بھی یقین ہے کہ قرآن مجید سے بھی ان جنگجو فرشتوں کا اترنا ثابت نہیں ہے مگر تمام مسلمانوں کا اعتقاد اس کے برخلاف ہے وہ یقین کرتے ہیں کہ درحقیقت فرشتوں کا رسالہ لڑنے کو اترا تھا وہ نادانی سے یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ فرشتوں کا لڑائی کیلئے اترنا منصوص ہے اور اس سے انکار کرنا قرآن کا انکار کرنا ہے مگر ان کا یہ خیال محض غلط ہے''۔ (تفسیر القرآن ج ۲ مطبوعہ ۱۸۸۲ء سورۃ عمران ص ۷۶)

ان واضح اور روشن آیات کے خلاف کس قدر دلیری سے کہا گیا ہے حالانکہ سورۃ الانفال میں اسی بدر کی امداد کا ذکر یوں فرمایا:۔

اِذۡ تَسۡتَغِيۡثُوۡنَ رَبَّكُمۡ فَاسۡتَجَابَ لَكُمۡ اَنِّىۡ مُمِدُّكُمۡ بِاَلۡفٍ مِّنَ الۡمَلٰٓئِكَةِ مُرۡدِفِيۡنَ ۝ (آیت نمبر ۹)

جب تم (میدان بدر میں) اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے
اس نے تمہاری دعا قبول کرتے ہوئے فرمایا میں ایک ہزار
فرشتے لگاتار بھیج کر تمہاری امداد کر رہا ہوں۔

مسلمانوں نے بدر میں اللہ تعالیٰ سے امداد طلب فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا کہ میں نے تمہاری دعا قبول کرتے ہوئے ایک ہزار مسلسل آنے والے فرشتے نازل کر دیئے۔ اللہ تعالیٰ تو فرماتے ہیں میں نے دعا قبول کر لی اور سرسید کہتے ہیں کہ کوئی فرشتہ نازل نہیں ہوا، اسی سورۃ الانفال آیت نمبر ۴۱ میں اس بات پر ایمان لانے کا حکم بھی فرمایا، ارشاد ہے:۔

اِنۡ كُنۡتُمۡ اٰمَنۡتُمۡ بِاللّٰهِ وَمَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلٰى عَبۡدِنَا يَوۡمَ الۡفُرۡقَانِ

يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ وَاللّٰهُ عَلىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌO

ترجمہ: اگر تمہیں اللہ پر یقین ہے اور اس چیز پر (بھی) جو ہم نے اتاری اپنے بندے پر فیصلے کے دن جس دن دونوں جماعتیں آپس میں ملیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے (یعنی یہ نہ سمجھو کہ فرشتے کس طرح نازل ہو گئے اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے)

غزوۂ احزاب میں بھی فرشتوں کو نصرت کے لئے نازل فرمایا ساتھ ہی علیم اور خبیر خدا نے ایسے منکروں کیلئے تصریح فرمادی کہ تم اس لشکر کو نہ دیکھ سکے (فرشتے عام انسانوں کو نظر نہیں آتے) فرمایا:۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْجَآءَ تْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًاO (آیت نمبر۹)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ کا احسان یاد کرو جب تم پر کئی لشکر (اقوام عرب) چڑھ آئے پھر ہم نے ان پر ایک آندھی بھیجی اور وہ لشکر بھیجے جن کو تم نے نہیں دیکھا اور جو کچھ تم کر رہے تھے اللہ دیکھ رہا تھا۔

ایسی نصوص قطعیہ کا انکار معتزلہ بھی نہ کر سکے، علامہ زمخشری نے کشاف میں فرمایا وجنودا لم تروها وهم الملئكة وكانوا الفا، اسی طرح جہاں جہاں معجزات نبوت کا ذکر ہے ان آیات کی صراحۃً تحریف معنوی کی گئی بلکہ ایسے ترجمے کئے گئے جو سرسید مفکر کے متعلق کئی قسم کی غلط فہمی پیدا کرتے ہیں صرف ایک مثال دی جاتی ہے۔

قرآن مجید میں حضرت مسیح علیہ السلام کے معجزات کا ذکر آیا اس ضمن میں

قرآن مجید نے ارشاد فرمایا۔

اَنِّیۡۤ اَخۡلُقُ لَکُمۡ مِّنَ الطِّیۡنِ کَهَیۡـئَةِ الطَّیۡرِ فَاَنۡفُخُ فِیۡهِ
فَیَکُوۡنُ طَیۡرًۢا بِاِذۡنِ اللّٰهِ ۚ (الِ عمران نمبر ۴۹)

ترجمہ: میں تمہارے لئے مٹی سے ایک پرندہ بنا دیتا ہوں پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اڑتا ہوا پرندہ ہو جاتا ہے۔

اس آیت میں واضح ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے پاس جا کر اپنی نبوت پر جو حسی شہادت پیش کی اس کا ایک حصہ یہ بھی ہے کہ مٹی سے پرندوں کی شکل بنا کر اس میں پھونک مارتے تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اڑنے لگتے تھے۔

سرسید نے اس پر کس طرح اپنی دماغی اختراع کو مسلط کر کے تفسیر کی وہ بھی ملاحظہ کیجئے۔

"یہ کوئی امر وقوعی نہ تھا بلکہ حضرت مسیح علیہ السلام کا خیال زمانہ طفولیت میں بچوں کے ساتھ کھیلنے میں تھا"۔ (تفسیر ص ۲۳۹) حالانکہ:۔

(۱) یہ بات حضرت مسیح علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو دعوت الی اللہ دیتے ہوئے فرمائی۔

(۲) نیز سورۃ المائدہ میں واضح طور پر موجود ہے کہ مسیح علیہ السلام کو پرندوں کی شکلیں بنانا بچپنے کے کھیل کود کا شغل نہ تھا بلکہ یہ سب کچھ بامر خداوندی تھا جیسا کہ سورۃ المائدہ میں فرمایا اور یہ سوال جواب قیامت کے دن ہوگا۔

وَاِذۡ تَخۡلُقُ مِنَ الطِّیۡنِ کَهَیۡـئَةِ الطَّیۡرِ بِاِذۡنِیۡ فَتَنۡفُخُ فِیۡهَا
فَتَکُوۡنُ طَیۡرًۢا بِاِذۡنِیۡ ۚ
(آیت نمبر ۱۱۰)

ترجمہ: اور جب تو مٹی سے پرندے کی شکل بناتا تھا میرے حکم سے اور

پھر اس میں پھونک مارتا تھا تو وہ اڑنے لگتا تھا میرے حکم سے۔

دیکھئے ارشاد بالا میں دونوں باتیں یعنی مٹی سے پرندے کی شکل بنانا بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے تھا اور اس میں پھونک مارنا بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے تھا، حضرت مسیح علیہ السلام کا یہ ذاتی خیال نہ تھا، پھر یہ معجزہ امر واقع ہے یعنی آپ نے مٹی سے پرندے بنائے اور ان میں پھونک ماری جس سے وہ اڑنے لگے مگر یہ معجزات دیکھنے والوں نے کیا اسی آیت کے آخر میں ان کا ردّعمل قرآن مجید نے نقل فرمایا:۔

فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَا اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ O

ترجمہ: پس ان میں سے کافروں نے کہا تھا یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔

(۳) اگر وہ امر واقع نہ ہوا تو کافروں نے اس کو کھلا جادو کیوں کہہ دیا؟

فائدہ: کافروں نے جب بھی کوئی معجزہ دیکھا تو اس کو جادو ہی کہا جیسا کہ امام الانبیا سید دوعالم ﷺ کے معجزہ شق القمر کو دیکھ کر یہی کہا تھا، سورۃ القمر آیت نمبر ۲ میں فرمایا:۔

وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ O

(ترجمہ) اور جب دیکھ لیں کوئی بھی معجزہ تو کہہ دیتے ہیں یہ جادو پرانا چلا آتا ہے۔

اگر سر سید نیچر کو قرآن حکیم کے تابع بنا کر قرآنی تفسیر سمجھتے تو یہ تحریفات ہرگز نہ کرتے۔

جب ایک قرآنیات کا مطالعہ کرنے والا اس مقصد کے پیش نظر قرآن کا مطالعہ کرے کہ وہ اس سے قرآن حکیم کی نص قطعی مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا O (احزاب نمبر ۴۰) (ترجمہ) محمد رسول اللہ ﷺ تم میں سے کسی مرد کے

باپ نہیں بلکہ آپ تو اللہ تعالیٰ کے رسول اور سب نبیوں سے آخری نبی ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو بخوبی جانتا ہے، کو نظر انداز کر کے اس کوشش میں لگ جائے کہ آپ کے بعد بھی ایک نبی اور رسول آنے والا ہے اور اس عندیہ کو قرآن مجید کی آیات میں تلاش کرے تو پھر اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ قرآن مجید کی واضح اور روشن آیات میں قطع و برید کر دی جاتی ہے، جیسا کہ ضیاء الاسلام پریس قادیان کے مطبوعہ قرآن مجید کی تفسیر میں لکھا گیا:۔

''اور الآخرۃ میں اس وحی کا ذکر ہے جو پیچھے نازل ہونے والی ہے''

(ص ۱۲، ۱۳)

حالانکہ اسی گروہ کے سردار مرزا غلام احمد قادیانی نے ترجمہ کے لئے جو شروط اور قواعد بیان کئے ہیں ان میں ہے:۔

''سو اگر ہم قرآن کریم کی ایک آیت کے ایک معنی کریں تو ہمیں دیکھنا چاہیئے کہ ان معنوں کی تصدیق کے لئے دوسرے شواہد قرآن مجید سے ملتے ہیں یا نہیں اگر دوسرے شواھد دستیاب نہ ہوں بلکہ ان معنی کی دوسری آیتوں سے صریح معارض پائے جائیں تو ہمیں سمجھنا چاہیئے کہ وہ معنی بالکل باطل ہیں''

(مقدمہ ترجمۃ القرآن حمائل مطبوعہ ۱۹۱۹ء قادیان)

اسی قاعدہ کے پیش نظر قرآن مجید میں لفظ الاخرۃ کا معنی دیکھا جائے تو واضح ہو جائے گا کہ اس سے مراد قیامت ہے اور اسی کو ان آیات میں فرما کر قرآن مجید نے خود اس کی تشریح بھی کر دی جیسا کہ فرمایا۔

وَاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِیَ دَارُ الْقَرَارِ ○ (المؤمن نمبر ۳۹)

ترجمہ: اور بیشک آخرت تو ہمیشہ ٹھہرنے کا گھر ہے۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّمَنْ خَافَ ...

مَّجۡمُوۡعٌ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوۡمٌ مَّشۡهُوۡدٌ ۝ (ھود نمبر ۱۰۳)

ترجمہ: بیشک اس میں نشانی ہے اس کیلئے جو آخرت کے عذاب سے ڈرتا ہو اور یہ آخرۃ وہ دن ہوگا جس میں سب لوگ اکٹھے کئے جائیں گے اور یہی وہ دن ہے جس میں سب حاضر کئے جائیں گے۔

معلوم ہوا کہ قرآن مجید نے لفظ الآخرۃ کی خود تشریح اور تفسیر فرمادی کہ اس سے مراد قیامت کا دن ہے کہ اس دن کے بعد پھر کوئی دن نہیں، اللہ تعالیٰ تو عالم الغیب ہے اس فتنے کا بھی سد باب فرمادیا۔

اگر بالفرض اس سے مراد آخری وحی لی جائے تو آخری نبی کون ہوگا جس پر آخری وحی نازل ہوگی اس کا متعین کرنا مشکل ہے کیونکہ مرزا صاحب نے کہا ہے:۔

"اور میرا یہ دعویٰ بھی نہیں کہ صرف مثیل ہونا میرے پر ہی ختم ہو گیا ہے بلکہ میرے نزدیک ممکن ہے کہ آئندہ زمانوں میں میرے جیسے اور دس ہزار بھی مسیح آجائیں"

(ازالہ اوہام از مرزا صاحب ص ۹۶۸)

تو دیکھئے کہ ایک صحیح ترجمہ کو اپنے عندیہ کے مطابق موڑنے پر کس قدر مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اسی طرح مرزائیت کے ہاں وفات مسیح (علیہ السلام) بنیادی عقیدہ ہے، اس لئے جس آیت سے حیات مسیح علیہ السلام ثابت ہوتی ہے اس کے ترجمہ اور تشریح میں دوسرے تمام ضوابط اور قواعد کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے، جیسا کہ سورۃ النساء کی آیت نمبر ۱۵۹ میں ارشاد خداوندی ہے:۔

وَاِنۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤۡمِنَنَّ بِهٖ قَبۡلَ مَوۡتِهٖ ۝

ترجمہ: اور ہر اہل کتاب اس (حضرت مسیح علیہ السلام) کی موت سے

چونکہ ساری آیات حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق ہی ہیں اس لئے ان سب ضمائر کا مرجع حضرت مسیح ہی ہیں لیکن حضرت مسیح علیہ السلام کی موت کو قرآن مجید سے ثابت کرنے کے لئے موتہ کا مرجع اہل کتاب کو قرار دے کر یہ ترجمہ پہلے کیا گیا۔ (مطبوعہ ۱۹۱۹ء)

''اور نہیں کوئی اہل کتاب میں سے مگر البتہ وہ ایمان لائے گا
اس پر اپنی موت سے پہلے اور بروز قیامت وہ ہوگا ان پر گواہ''

یہ مسئلہ اپنی جگہ پر کافی غور طلب ہے کہ موت کے وقت حضرت مسیح علیہ السلام پر ایمان لانے کا کیا فائدہ؟ قرآن مجید نے موت کے وقت کا ایمان قبول نہیں فرمایا، ارشاد قرآنی ہے۔

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّئَاتِ حَتّٰى اِذَا
حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْاٰنَ وَلَا الَّذِيْنَ
يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝

(النساء نمبر ۱۸)

ترجمہ: اور توبہ قبول نہیں ان کی جو موت تک برے کام کرتے رہتے ہیں حتی کہ ان میں سے کسی کو موت آ پہنچے تو یہ کہہ دے کہ میں اب توبہ کرتا ہوں اور نہ ہی ان کی قبول ہے جو موت تک کافر رہے ان کے لئے ہم نے دردناک سزا تیار کر رکھی ہے۔

اور یہ بات بالکل درست ہے کہ موت کا وقت عمل کا وقت نہیں یہ تو مجبوری کا ایمان ہے جیسا کہ فرعون مصر نے غرق ہوتے ہوئے ایمان کا اعلان کیا مگر خداوند قدوس نے جواب میں فرمایا:۔

آٰلْئٰنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝

ترجمہ: اب ایمان لاتا ہے اور نافرمان اور مفسدوں میں سے رہا۔

مرزائیت نے اس آیت کا جو ترجمہ پہلے کیا جس میں علمی اور ادبی اصول کو اگرچہ نظر انداز کیا گیا ہے مگر تاہم اس میں اس بات کا امکان تھا کہ اس مسئلہ کا تعلق زمانہ مستقبل سے ہے کیوں کہ اس میں یہ پایا جاتا ہے کہ ایمان لائے گا زمانہ مستقبل میں تو کچھ ایسے بھی اہل کتاب ہیں جو اب ایمان نہیں لاتے اس لئے ۱۹۳۴ء میں جو ترجمہ کیا گیا ہے وہ یہ ہے:۔

''اور نہیں کوئی اہل کتاب میں سے مگر وہ ضرور ایمان رکھتا ہے
اس واقعہ پر اپنی موت سے پہلے''

اس ترجمہ میں ایک تو بہ کا مرجع بجائے حضرت مسیح علیہ السلام کے اس واقعہ کو کر دیا اور دوسرا یہ کہ زمانہ مستقبل کو بدلا کر زمانہ حال کا ترجمہ کر دیا ہے تاکہ یہ کوئی آئندہ زمانہ کا مسئلہ نہ بن جائے، حالانکہ اسی مترجم قرآن مجید میں جہاں کہیں یہ کلمہ آیا ہے وہاں مستقبل کا ترجمہ کیا گیا ہے، جیسا کہ سورۃ الانعام کی آیت **109** میں ہے۔

لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا

ترجمہ: اگر آئے ان کے پاس کوئی نشانی تو ضرور وہ ایمان لائیں گے اس پر۔

بلکہ قرآن مجید میں جہاں فعل مضارع مؤکد بالام اور نون ثقیلہ آیا ہے وہاں زمانہ استقبال کا ہی ترجمہ کیا گیا ہے اور یہی عربی زبان کے قاعدہ اور ضابطہ کے مطابق ہے اور یہ چھتیس آیات ہیں صرف ایک آیت میں لاتا ہے کو لائے گا کی جگہ صرف اپنے نظریہ کی توثیق کیلئے کر دیا حالانکہ ۱۹۱۹ء کے ترجمہ کے متعلق ان کا اپنا فیصلہ یہ تھا۔

''ایسا ترجمہ آج تک شائع نہیں ہوا''

دو عالم ﷺ کو سچے دل سے قبول کیا تھا ان کی تعداد صرف دو تین ہے، تو اب تاریخ اور دوسرے واقعات اور نا قابل انکار حقائق سے قطع نظر قرآن مجید کی ان تمام آیات میں معنوی تحریف کی جائے گی جو لفظی تحریف کا پیش خیمہ بن سکتی ہے جیسا کہ اسی نظریہ کے مترجم قرآن کریم کی سورۃ الانفال آیت نمبر ۶۲ کی تفسیر یوں درج ہے۔

"هُوَ الَّذِیْ اَیَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِیْنَ جو قرآن میں ایسی آیت ہے کہ اس میں خدا تعالیٰ مومنین کی طرف خطاب کرتا ہے تو راس و رئیس مومنین کے ہاں حضرت علی بن ابی طالب ہی ہیں اور تفسیر اہل بیت میں لکھا ہے کہ مراد مؤمنین سے اس آیت میں حضرت مولا علی ہیں"۔

آگے چل کر اس کا نتیجہ نکالتے ہوئے لکھا ہے:۔

"حق یہ ہے کہ اگر حضرت علیؓ نہ ہوتے تو اسلام کو کیونکر ترقی ہوتی کہ صحابہؓ تو جہاد سے بھاگ جاتے تھے اور علیؓ لڑائی کو سر کرتے تھے"

آیئے اب ذرا قرآن مجید کی آیات ملاحظہ کیجئے جن میں تفصیل کے ساتھ یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اس لفظ مؤمنین سے مراد سب صحابہ کرامؓ ہیں ارشاد قرآنی ہے:۔

"هُوَ الَّذِیْ اَیَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِیْنَ "

ترجمہ: اسی اللہ نے آپ کو قوت بخشی اپنی مدد سے اور مسلمانوں سے۔

یہ مؤمنین اسلام لانے سے پہلے مختلف الخیال تھے لیکن اسلام کی برکت سے ان کے دلوں میں محبت اور الفت کا پیوند لگا دیا، فرمایا۔

وَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ

ترجمہ: اور الفت ڈال دی ان کے دلوں میں۔

اور یہ دلوں میں محبت اور الفت کا پیوند اور غیر فانی جوڑ اس قدر مستحکم اور

ٹھوس ہے کہ اگر دنیا کی ساری دولت بھی خرچ کی جاتی تب بھی مشکل تھا اس لئے کہ جو محبت دنیاوی اغراض پر مبنی ہوتی ہے وہ غیر حقیقی اور عارضی ہوتی ہے، ارشاد فرمایا:۔

لَوْاَنْفَقْتَ مَافِی الْاَرْضِ جَمِیْعًامَّا اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ

ترجمہ: اگر آپ وہ سب کچھ خرچ کر ڈالتے جو زمین میں ہے تو بھی ان کے دلوں میں الفت پیدا نہ کر سکتے۔

یہ صحابہ (مؤمنین) ایک دوسرے کے ساتھ دلی الفت اور محبت میں اس لئے منسلک ہیں کہ ان کے دلوں میں یہ محبت اور الفت اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائی۔

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ○

ترجمہ: اللہ نے الفت ڈال دی ان میں وہ غالب اور حکمت والا ہے۔

اس لئے امام الانبیاء سید دوعالم ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ:۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ

ترجمہ: اے نبی! تجھے اللہ کافی ہے اور جو آپ کے پیروکار ہیں مسلمانوں میں سے۔

بلکہ قرآن مجید میں کچھ تعداد بھی بتادی گئی ہے اور اس تعداد کی دفاعی قوت کا موازنہ بھی فرمادیا گیا۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صَابِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ○ اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ

وَاِنۡ يَّكُنۡ مِّنۡكُمۡ اَلۡفٌ يَّغۡلِبُوۡۤا اَلۡفَيۡنِ بِاِذۡنِ اللّٰهِ‌ؕ وَاللّٰهُ

مَعَ الصّٰبِرِيۡنَ ۝ (الانفال آیت نمبر ۶۵، نمبر ۶۶)

ترجمہ: اے نبی! مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دیتے رہیئے اگر تم میں سے بیس ثابت قدم ہوں گے تو دوسو پر غالب آ جائیں گے اور اگر تم میں سے ایک سو ہوں گے تو کافروں کے ہزار پر غالب آ جائیں گے اس لئے کہ وہ کچھ نہیں سمجھتے اب اللہ تعالیٰ نے تم سے ہلکا کر دیا وہ جانتا ہے کہ تم میں کمزوری ہے پس اگر تم میں سے ایک سو ثابت قدم ہوں گے تو وہ دوسو پر غالب آ جائیں گے اور اگر تم میں سے ایک ہزار ہوئے تو دو ہزار پر غالب آ جائیں گے اور اللہ تعالیٰ ثابت قدموں کے ساتھ ہے۔

آیات بالا میں جو کلمات جمع کے لئے آئے ہیں ان کا تجزیہ مندرجہ ذیل ہے۔

(۱) مؤمنین (ایمان والے) صابرین (صبر والے) قلوب (کئی دل)

(۲) اسمائے ضمیر:۔ قلوبھم (ان کے دل) بینھم (ان کے درمیان) منکم (تم میں سے) عنکم (تم سے) فیکم (تم میں)

(۳) اسماء اعداد جو آئے ہیں:۔ عشرون (بیس) مائة (ایک سو) الف (ایک ہزار) یہ آیات سورۃ الانفال کی ہیں جو غزوہ بدر کے متعلق ہیں اور غزوہ بدر میں مومنین کی تعداد تین سو تیرہ ایسی تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ جس کا انکار انصاف اور عقل دونوں کے خلاف ہے بدر میں شریک ہونے والوں کا تعلق اور اعتماد امام الانبیاء جناب رسول اللہ ﷺ کی نظر اشرف میں یہ ہے کہ:۔

وَاِذۡ غَدَوۡتَ مِنۡ اَهۡلِكَ تُبَوِّئُ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ مَقَاعِدَ

ترجمہ: اور جب آپ صبح اپنے گھر سے نکلے مسلمانوں کو مورچوں میں بٹھانے کے لئے اور اللہ سنتا جانتا ہے۔

الغرض ہی مومنین کے اخلاص اور تقویٰ، صداقت و فاداری، ثابت قدمی پر قرآن مجید کی شہادت ہے۔

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ○ (احزاب آیت نمبر ۲۲)

ترجمہ: ایمان والوں سے ایسے ہیں جنہوں نے اللہ کے ساتھ کئے ہوئے عہد کو سچا کر دکھایا (یوں کہ) کسی نے تو اپنا کام پورا کر دیا (شہید ہو گئے) اور کوئی ابھی اس کا منتظر ہے مگر عہد میں کوئی بھی تبدیلی نہیں کی۔

قرآن مجید نے صحابہ کرام کے بارے میں پانچ باتیں ارشاد فرمائیں۔

(۱) مؤمنین جمع کا صیغہ ہے جس کا اطلاق زیادہ پر آتا ہے۔

(۲) جس امر پر رسول کریم ﷺ کے ساتھ عہد فرمایا ہے اس میں ثابت قدم ہیں وہ عہد کیا ہے؟ اس کی تعبیر کرتے ہوئے فرمایا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ○ (الفتح نمبر ۱۰)

ترجمہ: جن لوگوں نے آپ کی بیعت کی انہوں نے اللہ تعالیٰ ہی کی بیعت فرمائی ہے۔

(۳) کچھ تو خوش بختی سے اپنا فرض منصبی پورا کر گئے بدر میں، احد میں موتہ میں اور دوسرے غزوات میں جام شہادت نوش کر گئے۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

(۴) اور کچھ ابھی اس انتظار میں ہیں کہ وہ وقت کب آئے گا کہ سید دو عالم ﷺ

کے دین پر جان نثار کردیں گے۔

(۵) انہوں نے جو عہد امام الانبیاء سید دو عالم ﷺ کے ساتھ بوقت بیعت کیا ہے اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کی۔

اب قرآن مجید کی اس عظیم تصدیق اور شہادت کے بعد لفظ مومنین کی تحدید کی گنجائش نہیں رہتی اور جب ''مفسر'' قرآن مجید کی تفسیر اس مطمح نظر سے کرے کہ تعظیم اور ادب تک کو بھی شرک سمجھ بیٹھے تو پھر حقوق نبوت، مقام رسالت تک میں تحریف معنوی کی جاتی ہے صرف چند مثالیں اس کتاب میں درج کی جاتی ہیں:۔

(۱) یہودی دربار نبوت بلکہ دربار الوہیت کے گستاخ ہیں، سید دو عالم ﷺ کی شان اقدس میں جو گستاخی انہوں نے کی اس میں ایک حصہ راعنا کا کلمہ بھی ہے جو راع نا سے مرکب ہے یعنی آپ ہماری رعایت فرمادیں، صحابہ کرامؓ یہ کلمہ اس لئے کہتے تھے کہ سید دو عالم ﷺ کی بات کو آسانی سے یکبارگی نہ سمجھ سکتے تھے تو درخواست کی کہ آپ ہماری رعایت فرمایا کریں، مگر یہودیوں نے اس کو حضور انور کی گستاخی اور بے ادبی کے مذموم ارادہ سے کہنا شروع کر دیا جیسا کہ قرآن مجید ہی میں موجود ہے۔

مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّيْنِ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَقْوَمَ ۙ وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝

(النساء نمبر ۴۶)

دیتے ہیں، اور کہتے ہیں ہم نے سنا اور نہ مانا اور کہتے ہیں کہ
سُن! نہ سنایا جائے تُو! اور کہتے ہیں راعنا اپنی زبان کو موڑ کر اور
دین میں طعن کرنے کے خیال سے، اور اگر کہتے کہ ہم نے سنا
اور ہم نے مانا اور سُن تُو! اور ہم پر نظر کر! تو ان کے حق میں بہتر
اور درست ہوتا لیکن ان کے کفر کے سبب سے اللہ نے ان پر
لعنت کی سو ان میں سے بہت کم لوگ ایمان لائیں گے۔

چونکہ اس لفظ سے انکی مراد توہین مقام رسالت کی توہین تھی اس طریقہ پر
کہ مسلمانوں کو پتہ بھی نہ چل سکے اور یہ قبیح ارادہ بھی عمل پذیر ہو جائے، اس لئے
خداوند قدوس نے منع کرتے ہوئے فرمایا:۔

يَآ يُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَاتَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوْا انْظُرْنَا
وَاسْمَعُوْا وَلِلْكَافِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ O (بقرہ نمبر ۱۰۴)

ترجمہ: اے ایمان والو! راعنا کا لفظ نہ کہو اور انظرنا کا لفظ کہو اور سنا کرو
اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی نے اس کی تفسیر میں فرمایا:۔

''عبرانی زبان میں اس کے معنی برے ہیں اور وہ اس نیت سے
کہتے ہیں اور عربی میں اس کے معنی بہت ہی اچھے ہیں کہ آپ
ہماری رعایت فرمائیے اس لئے عربی دان اس شرارت کو نہ سمجھ
سکتے حق تعالیٰ نے اس گنجائش کے قطع کرنے کو مسلمانوں کو حکم
دیا'' (بیان القرآن)

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:۔

راعنا می گفتند وایں لفظ راد و معنی است یکے آنکہ رعایت کنی مارا وشفقت کنی بر ما و دیگر رعونت دارندہ یعنی ابلہ وقصد ایشاں سب بود حق تعالیٰ سبحانہ، مسلماناں راازیں کلمہ منع فرمود برائے سد باب فساد اشارہ بہ ہمیں معنی است دریں آیت"

حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:۔

''یہود پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مجلس میں بیٹھتے اور حضرتؐ کلام فرماتے بعضے بات جو نہ سنی ہوتی چاہتے کہ پھر تحقیق کریں تو کہتے راعنا یعنی ہماری طرف بھی متوجہ ہوں ان سے مسلمان بھی سیکھ کر کسی وقت یہ کہتے، اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا کہ یہ لفظ نہ کہو اگر کہنا ہو تو انظرنا کہو اس کے بھی معنی یہی ہیں اور آگے سے سنتے رہو کہ پوچھنا ہی نہ پڑے۔ یہود کو اس لفظ کہنے میں دغا تھی اس کو زبان دبا کر کہتے تو راعینا ہو جاتا یعنی ہمارا چرواہا اور ان کی زبان میں راعنا احمق کو بھی کہتے تھے"

اتنی واضح مستند اور مدلل تفسیر و ترجمہ کے بعد بھی اس آیت کا ترجمہ یوں کر دیا گیا کہ:۔

''راعنا کا لفظ موہم شرک ہے معنی یہ تو ہمارا نگہبان ہے"

(بلغۃ الحیران ص ۱۰۱۴)

حالانکہ ان تراجم کے متعلق ان کا اپنا نظریہ بھی یہ ہے کہ:۔

''قرآن مجید کے تراجم میں سے دو ترجموں کا دیکھنا ضروری ہے فارسی میں شاہ ولی اللہ کا اور اردو میں شاہ عبدالقادر کا، ہردو

ادب اور لحاظ کرنے کا حکم فرمایا چنانچہ ملت اسلامیہ نے اس ارشاد قرآنی کو ادب اور تعظیم رحمت دو عالم ﷺ کے لئے اساس بنایا۔

اسی طرح تحویل قبلہ کا ذکر قرآن عزیز میں وضاحت کے ساتھ موجود ہے کہ کعبہ ابراہیمی سید دو عالم ﷺ کو پسند تھا تو اللہ تعالیٰ نے اسی کو قبلہ مقرر رکھنے کا فیصلہ صادر فرمایا، ارشاد قرآنی ہے:۔

قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِی السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّیَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَاO (بقرہ ۱۴۴)

ترجمہ: بیشک ہم آپ کا منہ آسمان کی طرف پھرنا دیکھ رہے ہیں سو ہم آپ کو اسی قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جس کو آپ پسند کریں گے۔

حضرت شاہ ولی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تفسیر اور اس کے شان نزول میں فرمایا:

''چوں حضرت ﷺ مدینہ ہجرت فرمودند شانزدہ ماہ یا ہفدہ بطرف بیت المقدس نماز میگزارند و آرزوئے کردند کہ حق تعالیٰ کعبہ را قبلہ وے سازد حق تعالیٰ نازل کرد'' (قدنری تقلب وجهك (الآیۃ)

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:۔

''حاصل اس حکمت کا یہ ہوا کہ ہم کو آپ کی خوشی منظور تھی اور آپ کی خوشی کعبہ کے قبلہ مقرر ہونے میں دیکھی اس لئے اس کو

علامت یہ بھی تھی کہ آپ کے قبلہ کی یہ جہت ہوگی اللہ تعالیٰ نے
آپ کے نورانی قلب میں اسی کے موافق خواہش پیدا کردی''

(بیان القرآن)

مگر اس تفسیر اور ترجمہ میں سید دو عالم ﷺ کی عظمت شان ظاہر ہوتی ہے کہ سید دو عالم ﷺ کے قلب منور پر تجلیات وحی کا نزول رہا کرتا تھا آپ کی خوشنودی کو رضائے خداوندی کا ذریعہ سمجھا جائے، چنانچہ اس قدر واضح اور صاف ترجمہ اور تفسیر کو نظر انداز کر کے یہ ترجمہ اور تفسیر کی گئی۔

قِبۡلَةً تَرۡضٰهَا (بقرہ نمبر ۱۴۴) جس قبلہ کو تو پسند کرے گا یہ معنی نہیں کہ تو اس کو پسند رکھتا ہے کیونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا خیال مبارک تھا کہ شاید اہل کتاب کے قبلہ کی طرف ہم منہ کریں گے تو ان کو الفت پیدا ہوگی قَدۡ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجۡهِكَ کی وجہ خوشی نہ تھی'' (بلغۃ الحیران)

گویا اس آیت[1] میں نبی کریم ﷺ کو متنبہ کیا گیا ہے کہ آپ کعبہ ابراہیمی کو پسند نہیں کرتے بلکہ آپ کی نظر میں بیت المقدس کا قبلہ رہنا ہی بہتر ہے اس لئے آپ کو وحی کا انتظار دل کی مسرت اور خوشی کی وجہ سے نہیں بلکہ آپ اس کے خلاف اللہ تعالیٰ کے حکم کے نازل ہونے کو پسند نہیں فرماتے، چنانچہ اس نظریہ کے پیش نظر قرآن مجید کی ان تمام آیتوں میں ایسا ترجمہ اور تفسیر کرنے کی کوشش کی جاتی ہے جس سے شان نبوت کو امتیازی مقام حاصل نہ ہو۔

اسی طرح جب ایک مفسر اور مترجم قرآن حکیم کو اپنے نظریات مثلاً علم غیب اور مسئلہ بشریت انبیاء علیہم السلام کے عنوان پر سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کرے تو اس سے بھی کئی واضح آیات کی تاویل باطل تک کرنی پڑتی ہے جیسا کہ

---

[1] یہ تاویل صحیح بھی نہیں اس لئے تحویل قبلہ کے متعلق تمام آیات میں یہ بات واضح ہے کہ آپ کعبہ ابراہیمی کو دل سے چاہتے تھے، تمام مفسرین قرآن نے یہی تفسیر فرمائی ہے کہ سید دو عالم ﷺ کو یہی قبلہ ابراہیمی پسند تھا مگر وحی کے منتظر رہے، حتیٰ کہ علامہ زمخشری نے بھی

بشریت انبیاء علیہم السلام کا مسئلہ قرآن مجید میں کئی آیات سے ثابت ہے۔
ارشاد فرمایا:۔

(۱) انبیاء علیہم السلام سب کے سب اللہ تعالیٰ کے بندے اور مرد تھے۔

وَمَا اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْ اِلَیْهِمْ O (الانبیاء نمبر ۷)

ترجمہ: اور ہم نے آپ سے پہلے صرف مردوں ہی کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔

(۲) انبیاء علیہم السلام نے جب اپنی اپنی امتوں کو دعوت الی اللہ دی تو انہوں نے اس دعوت سے پہلو تہی کرتے ہوئے جو شبہات اور الزامات پیش کئے ان میں سے یہ ہیں:۔

ا: ابشر یھدوننا O (تغابن آیت نمبر ۶)
کیا آدمی ہماری راہنمائی کرتے ہیں۔

ب: لَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ O
(المؤمنون آیت نمبر ۳۴)

ترجمہ: اگر تم اپنے جیسے آدمی کی پیروی کرو گے تو بیشک نقصان اور خسارے میں ہو جاؤ گے۔

انبیاء علیہم السلام نے اس بات سے انکار نہیں فرمایا بلکہ اقرار کرتے ہوئے رحمت خداوندی کا جو ان پر مخصوص رحمت تھی اس کا بھی اظہار فرمایا:۔

قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَمُنُّ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ (ابراھیم آیت نمبر ۱۱)

ترجمہ: ان میں سے ان کے رسولوں نے فرمایا کہ ہم بھی تمہارے جیسے آدمی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے

اور وہ احسان ہر نبی علیہ السلام پر جو ہوا وہ ان کے معجزات اور ان کا خصوصیات بشریہ [1] میں بھی امتیازی نشان ہے خصوصاً سید الانبیاء جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو فرمایا وَكَانَ فَضۡلُ اللّٰهِ عَلَيۡكَ عَظِيۡمًاO لیکن آپ ﷺ کو اور دوسرے انبیاء کو بشر نہ کہنا یا اس کو بے ادبی سمجھنا الفاظ قرآنی سے انحراف اور قرآنی ارشادات کی بے ادبی ہے اسی مکتب فکر کے مترجم نے ترجمہ کرتے ہوئے یہ لکھا:۔

قُلۡ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُكُمۡO (کہف آیت نمبر ۱۱۰)

ترجمہ: تم فرماؤ میں ظاہری بشری صورت میں تم جیسا ہوں۔

اسی آیت کی تفسیر اسی مترجم صاحب نے یوں کی:۔

"اس آیت کریمہ میں آپ کو اپنی ظاہری صورت بشریہ کے بیان کا اظہار تواضع کیلئے حکم فرمایا گیا"

گویا آپ درحقیقت بشر نہیں یہ حکم صرف اس لئے دیا گیا کہ آپ سے تواضع کرائی جائے حالانکہ منصب نبوت یہ ہے کہ جو بات منجانب اللہ القاء ہو اس کو کھول کر بیان کر دیا جائے ارشاد فرمایا:

فَاصۡدَعۡ بِمَا تُؤۡمَرُO (الحجر آیت نمبر ۹۴)

ترجمہ: جس بات کا آپ کو حکم دیا جاتا ہے اس کو کھول کر بیان کر دیجئے۔

چنانچہ آپ سے اس حقیقت کا اعلان بھی یوں کروایا:۔

قُلۡ سُبۡحَانَ رَبِّىۡ هَلۡ كُنۡتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوۡلًا

(بنی اسرائیل نمبر ۹۳)

---

[1] انبیاء علیہم السلام کی کئی خصوصیات بشریہ ہیں جیسا کہ (۱) کوئی نبی علیہ السلام ایسی بیماری میں مبتلا نہیں ہوا جو نفرت انگیز ہو (۲) کسی نبی علیہ السلام کا وضو نیند سے نہیں ٹوٹتا تھا (۳) کسی نبی علیہ السلام کو جمائی نہیں آئی (۴) ہر نبی علیہ السلام کا بدن سلامت

ترجمہ: آپ فرما دیجئے سبحان اللہ میں بجز اس کے کہ انسان ہوں اور رسول بھی ہوں اور کیا ہوں؟

اسی طرح نبی علیہ السلام کو غیب دان ثابت کرنے کیلئے نبی کا ترجمہ غیب دان کر دینا یہ بھی یک گونہ تحریفِ معنوی ہے، جیسا کہ اسی مکتب فکر کے مترجم قرآن مجید میں ہے یٰۤاَیُّهَاالنَّبِیُّ (ترجمہ) اے غیب بتانے والے۔

لفظ نبی نباء سے مشتق ہے جس کا معنی خبر دینے والا یا نبوۃ سے مشتق ہے جس کا معنی ہے بلندی، حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی نور اللہ مرقدہ نے فرمایا کہ چونکہ نبی علیہ السلام اپنی بشری صفات میں بھی دوسرے انسانوں سے بلند و بالا ہوتے ہیں اس لئے نبی فرمایا گیا۔

''پیداست کہ نبی را نبی ازاں گویند کہ از ہمہ غیر انبیاء قدر بلند دارد چرا کہ نبوۃ بلندی را گویند'' (امداد السالکین)

اگر نبی کا معنی یہ لیا جائے کہ غیب بتانے والا، تو اس سے لازم آتا ہے کہ نبی علیہ السلام نے جو ارشاد فرمایا ہے وہ غیب پر مشتمل ہو حالانکہ قرآن مجید میں بہت سی ایسی باتیں ہیں جن کا تعلق علم غیب سے نہیں بلکہ مشاہدہ کے ساتھ ہے بلکہ علماء قرآنیات نے فرمایا کہ جہاں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اَلَمْ تَرَ، اَلَمْ تَرَوْ، اَلَمْ تَعْلَمُوْا فرمایا ہے وہ واقعات اس قدر مشہور تھے جن کو اس زمانہ کے مخاطبین پہلے سے جانتے تھے قرآن مجید نے ان واقعات کو بطور شہادت کے پیش فرمایا، اس لئے علماء تفسیر نے فرمایا:۔

''قرآن سارے کا سارا صرف غیب کی خبروں پر مشتمل نہیں''

(کتاب الاشارہ ص ۳۴)

جب قرآن مجید کی تفسیر اور ترجمہ کرنے سے پہلے اپنے دل اور دماغ میں ایک نظریہ قائم کرلیا جائے تو پھر کس طرح صریح الفاظ میں تحریف معنوی، واقعات سے انحراف، اصول مسلمہ سے روگردانی کی جاتی ہے اور یہ غیر مناسب عمل اکثر مفسروں کے ہاں موجود ہے مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی نے فرمایا ہے۔

"قرآن شریف کی تفسیر بالرائے حرام ہے مانتے تو سب ہیں لیکن عمل کے وقت اس کی رعایت بہت کم لوگ رکھتے ہیں۔ نیچریوں، چکڑالویوں، بابیوں اور قادیانیوں کے کیا کہنے، ان کی تو بنیاد ہی اسی پر ہے لیکن افسوس تو یہ ہے کہ آجکل "اہلحدیث" کہلانے والے اور اتباع آثار کا دم بھرنے والے کثرت سے اس کا شکار ہو رہے ہیں، سب میں علت جامعہ یہی ہے کہ ہمارا بڑا کوئی نہیں اجتہاد کا دروازہ کھلا ہے جس طرح وطن کی آزادی حاصل کرنے کا سب کو حق ہے (قبل از تقسیم) اسی طرح اپنے علم وفہم سے خواہ ناقص ہو قرآن شریف کی تفسیر کرنا بلکہ بے بنیاد اجتہاد کرنا سب کا حق ہے" (مقدمہ تبصیر الرحمٰن)

اس لئے مفسر کو چاہیئے کہ وہ قرآن مجید کے ان مقاصد پر واقفیت حاصل کرے اور ایسی تفسیر کرے جس سے دینی امور کی افادیت عام ہو اور لوگ اللہ تعالیٰ کے مطیع اور فرمانبردار بنیں نہ کہ نافرمانی کا دروازہ کھل جائے...... حضرت علامہ انور شاہ کاشمیری قدس سرہ العزیز نے فرمایا:

"مقاصد قرآن حکیم کے وہ ہونے چاہئیں جن سے مبدء و معاش و معاد

مکی اور مدنی

قرآن حکیم جناب رسول کریم ﷺ پر چالیس سال کی عمر شریف میں نازل ہونا شروع ہوا اور پھر جب کہ آپ کی عمر مبارک تریسٹھ سال کی ہو چکی تھی قرآن مجید کا نزول ختم ہوا، سارا قرآن مجید سید دو عالم ﷺ پر تیئس سال میں نازل ہوا، بحمد اللہ تعالیٰ مسلمانوں نے جس طرح مجموعی طور پر قرآن مجید کو محفوظ رکھا ہے اسی طرح تفصیلی طور پر بھی اس کو محفوظ رکھا یعنی مسلمان یہ بتا سکتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ پر سردی میں کونسی آیات نازل ہوئیں اور موسم گرما میں کونسی؟ رات کو نازل ہونے والی کون سی آیات ہیں اور دن میں نازل ہونے والی کون سے آیات ہیں؟ اسی طرح مسلمان بتا سکتا ہے کہ جلالی سورۃ کون سی ہے مثلاً سورۃ القمر اور جمالی کون سی ہے؟ جیسا کہ سورۃ الرحمٰن۔ اسی طرح وقت نزول، موسم نزول، مقام نزول، شان نزول اور سید دو عالم ﷺ کی حالت مبارکہ بوقت نزول، یہ سب مسلمانوں کے پاس محفوظ ہیں، مثلاً مسلمان یہ بتا سکتا ہے کہ سورۃ توبہ کی آیت نمبر ۲۶ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا اور اسی سورۃ کی آیت ۴۲ لَوْ کَانَ عَرَضًا قَرِیْبًا گرمی کے موسم میں نازل ہوئیں، اسی طرح سورۃ انعام، سورۃ الفتح اور سورۃ المنافقون بھی، اور سورۃ المرسلٰت سورۃ الفلق اور سورۃ الناس رات کو نازل ہوئیں، آج تک منیٰ میں شارع والمرسلٰت موجود ہے۔

سورۃ نور میں حضرت عائشہؓ کی برأت حضرت صدیق اکبرؓ کے گھر اور میراث کی آیت کلالہ حضرت جریرؓ کے گھر جب آپ تشریف فرما تھے نازل ہوئیں۔ غزوہ تبوک سے واپسی پر جب آپ موضع ذی اوان میں پہنچے آپؐ پر منافقوں کی بنائی ہوئی مسجد ضرار

مَسْجِدًا ضِرَارًا نازل ہوئی، ہجرت کے سفر میں سورۃ القصص کی چند آیات از نمبر ۵۲ تا نمبر ۵۸ جحفہ کے مقام پر نازل ہوئیں، سورۃ نساء کی آیت نمبر ۵۸ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰی اَھْلِھَا فتح مکہ کے دن بیت اللہ شریف کے اندر آپؐ پر نازل ہوئی..... غرضیکہ یوں تو مسلمان قرآن مجید کی تمام تفصیلی حالت نزول بتا سکتا ہے مگر جس تقسیم کا سمجھنا نہایت ضروری ہے اور جس پر قرآنی تعلیمات کا سمجھنا زیادہ موقوف ہے وہ مکی اور مدنی سورتوں کا پہچاننا ہے اسی بات کا ہر دور میں خصوصی لحاظ رکھا گیا ہے کہ ہر مصحف شریف میں جس طرح سورتوں کے ناموں کا لکھا جانا ضروری سمجھا گیا ہے اسی طرح حضرت علی، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم نے اس امر کا التزام فرمایا جو آج تک جاری ہے کہ ہر سورۃ کے ساتھ اس کے مکی، مدنی ہونیکی بھی تصریح کر دی جائے، اس قاعدہ کا لحاظ کرنے سے بہت سی آیات کے ترجمے اور انکی تفسیر سمجھنے میں کافی آسانی ہو سکے گی، مثلاً سورۃ انبیاء کی آیت نمبر ۸۹ اِنَّکُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ حَصَبُ جَھَنَّمَ یہ سورۃ انبیاء مکی ہے یعنی ہجرت سے پہلے سید دو عالم ﷺ پر نازل ہوئی ہے، مکہ مکرمہ میں جو مشرک تھے یہ وہی تھے جو بت پرست تھے بتوں کو پوجتے تھے تو ظاہر ہے کہ کسی کا بھی بت بنا کر پوجا جائے اس بت کو بھی دوزخ میں ڈال دیا جائے گا تو اس پر یہ اشکال وارد نہ ہو سکے گا کہ بعض بے دین انبیاء کرام کو معبود سمجھتے ہیں تو کیا یہ انکے بنائے ہوئے معبود بھی اس آیت کے ضمن میں آسکتے ہیں، (اس کی تفصیل انشاء اللہ آگے آجائے گی) اسی طرح رسول کریم ﷺ کا مخالف بے دین گروہ منافق بھی تھا اس کا ذکر جن سورتوں میں آتا ہے وہ مدنی ہیں یعنی سورۂ بقرہ، سورۃ نساء، سورۃ توبہ، سورۃ احزاب، سورۃ محمد، سورۃ المنافقون یہ سب مدنی ہیں اور

مدینہ کے باشندے تھے یا قرب وجوار کے، مکہ مکرمہ سے آنے والے نہ تھے جیسا کہ فرمایا:۔

ا: وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ ○ (توبہ نمبر ۱۱۰)

ترجمہ: اور مدینہ کے کچھ لوگ نفاق کی کمال حد تک پہنچے ہوئے ہیں۔

ب: وَالْمُرْجِفُوْنَ فِى الْمَدِيْنَةِ ○ (احزاب نمبر ۶۰)

ترجمہ: اور بری خبر اڑانے والے مدینہ میں

ج: يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَا اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ○ (المنافقون نمبر ۸)

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ اگر اب ہم مدینہ کو لوٹ جائیں گے تو ضرور نکال دے گا عزت والا ذلت والے کو۔

علیٰ ہذا القیاس سورۃ مریم، سورۃ ابراہیم اور سورۃ الشعراء میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وہ دعا موجود ہے جو آپ نے اپنے والد کی مغفرت کے لئے کرتے ہوئے فرمائی:۔

رَبَّنَا اغْفِرْلِىْ وَلِوَالِدَىَّ ○ (ابراہیم نمبر ۴۱)

ترجمہ: اے ہمارے رب میری اور میرے ماں باپ کی مغفرت فرما۔

سَاَسْتَغْفِرُلَكَ رَبِّىْ (مریم نمبر ۱۷)

ترجمہ: میں تیرے لئے اپنے رب سے مغفرت مانگوں گا۔

وَاغْفِرْلِاَ بِىْ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّالِّيْنَ ○ (الشعرا نمبر ۸۶)

ترجمہ: اور میرے باپ کی مغفرت فرما بیشک وہ خطا کاروں میں سے تھا۔

لیکن جب آپ کو اس بات کا علم ہو گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے اس کا خاتمہ کفر پر ہوگا تو آپ نے باپ سے بیزاری اور لاتعلقی کا اعلان فرمایا جس کا ذکر

مدینہ کے باشندے تھے یا قرب وجوار کے، مکہ مکرمہ سے آنے والے نہ تھے جیسا
کہ فرمایا:۔

ا: وَمِنْ اَھْلِ الْمَدِیْنَةِ مَرَدُوْا عَلَی النِّفَاقِ ۝ (توبہ نمبر ۱۱۰)

ترجمہ: اور مدینہ کے کچھ لوگ نفاق کی کمال حد تک پہنچے ہوئے ہیں۔

ب: وَالْمُرْجِفُوْنَ فِی الْمَدِیْنَةِ ۝ (احزاب نمبر ۶۰)

ترجمہ: اور بری خبر اڑانے والے مدینہ میں

ج: یَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَا اِلَی الْمَدِیْنَةِ لَیُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ۝ (المنافقون نمبر ۸)

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ اگر اب ہم مدینہ کو لوٹ جائیں گے تو ضرور نکال دے گا عزت والا ذلت والے کو۔

علیٰ ہٰذا القیاس سورۃ مریم، سورۃ ابراہیم اور سورۃ الشعراء میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وہ دعا موجود ہے جو آپ نے اپنے والد کی مغفرت کے لئے کرتے ہوئے فرمائی:۔

رَبَّنَا اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ ۝ (ابراہیم نمبر ۴۱)

ترجمہ: اے ہمارے رب میری اور میرے ماں باپ کی مغفرت فرما۔

سَاَسْتَغْفِرُلَكَ رَبِّیْ (مریم نمبر ۱۷)

ترجمہ: میں تیرے لئے اپنے رب سے مغفرت مانگوں گا۔

وَاغْفِرْلِاَبِیْ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّیْنَ ۝ (الشعرا نمبر ۸۶)

ترجمہ: اور میرے باپ کی مغفرت فرما بیشک وہ خطا کاروں میں سے تھا۔

لیکن جب آپ کو اس بات کا علم ہو گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے اس کا خاتمہ کفر پر ہوگا تو آپ نے باپ سے بیزاری اور لاتعلقی کا اعلان فرمایا جس کا ذکر

سورۃ براۃ میں جو مدنی ہے فرمایا۔

وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرَاهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَ هَا اِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِلّٰهِ تَبَرَّأَمِنْهُ اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌO (نمبر۱۱۴)

ترجمہ: اور ابراہیم علیہ السلام کا اپنے باپ کیلئے بخشش مانگنا اس وعدہ سے تھا جو اس سے کیا گیا تھا مگر جب آپ پر یہ بات واضح ہو گئی کہ وہ (ان کا باپ) اللہ کا دشمن ہے (خاتمہ کفر پر ہے) تو آپ نے اس سے بیزاری کر لی بے شک ابراہیم دربار خداوندی میں جھکنے والا بردبار ہے۔

اس کو یوں سمجھ لیا جائے کہ مکی سورتوں میں عموماً اجمال ہوتا ہے اور مدنی سورتوں میں اس کی تشریح اور وضاحت کی جاتی ہے جیسا کہ حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا اولاد کیلئے سورۃ مریم میں موجود ہے جو کہ مکی ہے۔

فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّاO يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّاO (آیت نمبر۴،۵)

ترجمہ: پس عطا کر مجھ کو اپنی طرف سے ایک جانشین جو میرا اور آل یعقوب کا وارث ہو اور بنا دے اس کو میرے رب اپنے ہاں پسندیدہ۔

اس آیت سے یہ پایا جا سکتا ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا ایسے بیٹے کے لئے جو صاحب اولاد ہو اور اس کی نسل پھلے پھولے مگر سورۃ آل عمران جو کہ مدنی ہے اس میں فرمایا کہ لڑکا تو عطا ہوگا اس کا نام بھی مقرر کر دیا گیا ہے مگر وہ

اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ (نمبر ۳۹)

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ تجھے خوشخبری دیتا ہے یحییٰ کی جو گواہی دے گا اللہ کے حکم کی اور سزاوار ہوگا اور عورت کے پاس نہ جاوے گا (کنوارہ) اور نبی ہوگا نیک بختوں میں سے۔

اسی طرح مکی سورتوں کی آپس میں بھی ترتیب کا جاننا اور مدنی سورتوں کی بھی آپس میں ترتیب کا جاننا ضروری ہے، پچھلی سورۃ پہلی کی تشریح اور تفصیل بیان کرتی ہے جیسا کہ سورۃ الممتحنہ اور سورۃ توبہ دونوں مدنی ہیں دونوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر ہے مگر سورۃ الممتحنہ میں آیت نمبر ۴ میں آپ کا یہ ارشاد موجود ہے لاستغفرن لك سورۃ الممتحنہ کا نمبر ۹۱ ہے مگر سورۃ براۃ میں آپ کی بیزاری کا اعلان موجود ہے جو کہ اگرچہ مدنی ہے مگر نزول کے اعتبار سے اس سورۃ الممتحنہ سے پیچھے نازل ہوئی اس کا نمبر ۱۱۳ ہے اس میں تشریح فرمادی کہ آپ کا استغفار طلب کرنا اس بات کے علم سے پہلے تھا کہ آذر کا خاتمہ علی الکفر ہوگا، اس لئے ترجمہ اور تفسیر کی صحت کے لئے سورتوں کی ترتیب نزولی کا جاننا ضروری ہے۔

مکی اور مدنی سورتوں کی علامات

مکی اور مدنی سورتوں کی لفظی اور معنوی علامات درج کی جاتی ہیں۔

لفظی علامات:۔

جن سورتوں میں لفظ يَاَيُّهَا النَّاس زیادہ موجود ہو ان میں سے اکثر مکی ہیں اس لئے مکہ مکرمہ میں لوگ ہی مخاطب ہو سکتے تھے ابھی وہ دولت ایمان سے مشرف نہ ہوئے تھے، اسی طرح جن سورتوں میں كَلَّا کا کلمہ آیا ہے وہ بھی مکی سورتیں ہیں اس لئے کہ كَلَّا کا کلمہ [illegible]

میں تو لوگ مسلمان ہو رہے تھے جو سورتیں مدینہ منورہ میں نازل ہوئی ہیں ان میں یہ کلمہ تقریباً مذکور نہیں۔

اور جن سورتوں میں یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کا کلمہ زیادہ ہے ان میں سے اکثر مدنی ہیں کہ مدینہ منورہ میں ایمان والوں کی تعداد بڑھتی چلی جا رہی تھی۔

معنوی علامات :۔

ان سورتوں کی معنوی علامات یہ ہیں کہ جن سورتوں میں توحید، نبوت، قرآن کی صداقت، قیامت کا عقیدہ بیان کیا جا رہا ہے وہ مکی ہیں کہ اہل مکہ کی اصلاحِ عقائد پہلے کی گئی اور جن سورتوں میں احکام نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرھا بیان فرمائے ان میں سے اکثر مدنی ہیں کہ مدینہ میں مسلمان دن بدن بڑھ رہے تھے اور ان کو وہاں عبادات کی ادائیگی کے لئے بہ نسبت مکہ مکرمہ کے داخلی طور پر اطمینان تھا، اسی طرح جن سورتوں میں غزوات نبوی کا ذکر ہے وہ بھی مدنی ہیں۔

نزول مکانی کے لحاظ سے تقسیم

بعض علماء نے فرمایا ہے کہ مکی سورت وہ ہے جو مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اور مدنی وہ ہے جو مدینہ منورہ میں نازل ہوئی مگر بہتر تعریف یہ ہے جو اس طرح کی گئی کہ جو سورتیں ہجرت سے پہلے نازل ہوئی ہیں وہ مکی ہیں اور جو ہجرت سے بعد نازل ہوئی ہیں وہ مدنی ہیں خواہ نزول کے وقت آپ مکہ مکرمہ میں تھے جیسا کہ سورۃ المائدہ مدنی ہے حالانکہ اس کے نزول کے وقت آپ میدان عرفات میں تھے، اور یہی قول زیادہ صحیح اور مستند ہے۔

فائدہ: جناب رسول کریم ﷺ نے جو ترتیب دی ہے اس میں بعض مکی سورتوں میں کچھ مدنی آیات بھی ہیں اور بعض مدنی سورتوں میں کچھ مکی آیات بھی ہیں جن کی

مکی سورتوں میں مدنی آیات

نام سورۃ	آیات مدنیہ	نام سورۃ	آیات مدنیہ
القلم	۱۷ تا ۳۳ اور ۴۸ تا ۵۰	الشعراء	۱۹۷، از ۲۲۴ تا آخر
المزمل	۱۰، ۱۱، ۱۲	القصص	۵۲ تا ۵۵ مدینہ میں اور آیت نمبر ۸۵ جحفہ میں نازل ہوئی
الماعون	۱، ۲، ۳		
النجم	۳۲	اسراء	۲۶، ۳۲، ۳۳، ۵۷، از ۷۳ تا ۸۰
المرسلات	۴۸		
قٓ	۳۸	یونس	۴۰، از ۹۴ تا ۹۶
القمر	۴۴ تا ۴۶	ھود	۱۲، ۱۷، ۱۱۴
الاعراف	۱۶۳ تا ۱۷۰	یوسف	۱ تا ۳، ۷
یونس	۴۵	الشوریٰ	۲۳ تا ۲۵ و ۲۷
الفرقان	۶۸ تا ۷۰	الزخرف	۵۴
مریم	۵۸، ۷۱	الجاثیۃ	۱۴
طٰہٰ	۱۳۰، ۱۳۱	الاحقاف	۱۰، ۱۵، ۳۵
الواقعہ	۸۱، ۸۲	الکھف	۲۸، از ۸۳ تا ۱۱۰
لقمٰن	۲۷ تا ۲۹	الحجر	۸۷
سباء	۶	الانعام	۲۰، ۲۳، ۹۱، ۹۳، ۱۱۴، ۱۴۱، ۱۵۱ تا ۱۵۳
الزمر	۵۲ تا ۵۴		
المومن	۵۶، ۵۷	ابراہیم	۲۸، ۲۹
النحل	آخری تین آیات	السجدہ	۱۶ تا ۲۰

مدنی سورتوں میں مکی آیات

نام سورة	آیات مکیہ	نام سورة	آیات مکیہ
بقرہ	۲۸۱ حجۃ الوداع کے موقع پر منی میں نازل ہوئی	الفتح	حدیبیہ سے واپسی پر نازل ہوئی
		محمد	۱۳
الانفال	۳۰ تا ۳۶	توبہ	آخری دو آیات
المائدہ	نمبر ۳ عرفات میں مکہ اور	الحج	۵۲ تا ۵۵ مدینہ کے راہ میں نازل ہوئیں
	نازل ہوئی		
النصر	منی میں نازل ہوئیں		

(واللہ اعلم)

اگرچہ نزول کے اعتبار سے قرآن کریم کی سورتوں کی وہی ترتیب ہے جو پہلے گذر چکی مگر جس طرح امام الانبیاء سید دو عالم جناب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے قرآن مجید کی سورتوں کو جمع کرتے وقت ترتیب دیا ہے ترجمہ کرتے وقت اس ترتیب کا لحاظ ضروری ہے اس لئے نمبروار اس ترتیب کو درج کیا جاتا ہے۔

نمبر شمار باعتبار ترتیب جمعی	سورتوں کے نام	تعارف مکی یا مدنی	نمبر شمار باعتبار ترتیب جمعی	سورتوں کے نام	تعارف مکی یا مدنی
۱	سورۃ الفاتحہ	مکی	۱۸	سورۃ الکہف	مکی
۲	سورۃ بقرہ	مدنی	۱۹	سورۃ مریم	مکی
۳	سورۃ آل عمران	مدنی	۲۰	سورۃ طہٰ	مکی
۴	سورۃ النساء	مدنی	۲۱	سورۃ الانبیاء	مکی
۵	سورۃ المائدہ	مدنی	۲۲	سورۃ الحج	مدنی
۶	سورۃ الانعام	مکی	۲۳	سورۃ المؤمنون	مکی
۷	سورۃ الاعراف	مکی	۲۴	سورۃ النور	مدنی
۸	سورۃ الانفال	مدنی	۲۵	سورۃ الفرقان	مکی
۹	سورۃ توبہ	مدنی	۲۶	سورۃ الشعراء	مکی
۱۰	سورۃ یونس	مکی	۲۷	سورۃ النمل	مکی
۱۱	سورۃ ہود	مکی	۲۸	سورۃ القصص	مکی
۱۲	سورۃ یوسف	مکی	۲۹	سورۃ العنکبوت	مکی
۱۳	سورۃ رعد	مدنی	۳۰	سورۃ الروم	مکی
۱۴	سورۃ ابراہیم	مکی	۳۱	سورۃ لقمان	مکی
۱۵	سورۃ الحجر	مکی	۳۲	سورۃ السجدہ	مکی

۳۵	سورۃ فاطر	مکی	۶۰	سورۃ الممتحنہ	مدنی
۳۶	سورۃ یٰس	مکی	۶۱	سورۃ الصف	مدنی
۳۷	سورۃ الصفت	مکی	۶۲	سورۃ الجمعہ	مدنی
۳۸	سورۃ ص	مکی	۶۳	سورۃ المنافقون	مدنی
۳۹	سورۃ الزمر	مکی	۶۴	سورۃ التغابن	مدنی
۴۰	سورۃ المومن	مکی	۶۵	سورۃ الطلاق	مدنی
۴۱	سورۃ حم السجدہ	مکی	۶۶	سورۃ التحریم	مدنی
۴۲	سورۃ الشوریٰ	مکی	۶۷	سورۃ الملک	مکی
۴۳	سورۃ الزخرف	مکی	۶۸	سورۃ القلم	مکی
۴۴	سورۃ الدخان	مکی	۶۹	سورۃ الحاقہ	مکی
۴۵	سورۃ الجاثیہ	مکی	۷۰	سورۃ المعارج	مکی
۴۶	سورۃ الاحقاف	مکی	۷۱	سورۃ نوح	مکی
۴۷	سورۃ محمد ﷺ	مدنی	۷۲	سورۃ الجن	مکی
۴۸	سورۃ الفتح	مکی	۷۳	سورۃ المزمل	مکی
۴۹	سورۃ الحجرات	مدنی	۷۴	سورۃ المدثر	مکی
۵۰	سورۃ قٓ	مکی	۷۵	سورۃ القیامۃ	مکی
۵۱	سورۃ الذاریت	مکی	۷۶	سورۃ الدھر	مدنی
۵۲	سورۃ الطور	مکی	۷۷	سورۃ المرسلٰت	مکی
۵۳	سورۃ النجم	مکی	۷۸	سورۃ النباء	مکی
۵۴	سورۃ القمر	مکی	۷۹	سورۃ النٰزعٰت	مکی
۵۵	سورۃ الرحمٰن	مدنی	۸۰	سورۃ عبس	مکی
۵۶	سورۃ الواقعہ	مکی	۸۱	سورۃ التکویر	مکی
۵۷	سورۃ الحدید	مدنی	۸۲	سورۃ الانفطار	مکی
۵۸	سورۃ المجادلۃ	مدنی	۸۳	سورۃ المطففین	مکی
۵۹	سورۃ الحشر	مدنی	۸۴	سورۃ الانشقاق	مکی

نمبر	سورۃ	مکی/مدنی	نمبر	سورۃ	مکی/مدنی
۸۵	سورۃ البروج	مکی	۱۰۰	سورۃ العٰدیٰت	مکی
۸۶	سورۃ الطارق	مکی	۱۰۱	سورۃ القارعہ	مکی
۸۷	سورۃ الاعلیٰ	مکی	۱۰۲	سورۃ التکاثر	مکی
۸۸	سورۃ الغاشیہ	مکی	۱۰۳	سورۃ العصر	مکی
۸۹	سورۃ الفجر	مکی	۱۰۴	سورۃ الھمزہ	مکی
۹۰	سورۃ البلد	مکی	۱۰۵	سورۃ الفیل	مکی
۹۱	سورۃ الشمس	مکی	۱۰۶	سورۃ قریش	مکی
۹۲	سورۃ الیل	مکی	۱۰۷	سورۃ الماعون	مکی
۹۳	سورۃ الضحیٰ	مکی	۱۰۸	سورۃ الکوثر	مکی
۹۴	سورۃ الم نشرح	مکی	۱۰۹	سورۃ الکافرون	مکی
۹۵	سورۃ التین	مکی	۱۱۰	سورۃ النصر	مدنی
۹۶	سورۃ العلق	مکی	۱۱۱	سورۃ اللھب	مکی
۹۷	سورۃ القدر	مکی	۱۱۲	سورۃ الاخلاص	مکی
۹۸	سورۃ البینہ	مدنی	۱۱۳	سورۃ الفلق	مکی
۹۹	سورۃ الزلزال	مکی	۱۱۴	سورۃ الناس	مکی

فائدہ: یہ ترتیب اسلام کے دور اول سے لے کر آج تک باتفاق جمیع اہل اسلام منقول ہے اس میں ردو بدل کرنے کا کوئی مجاز نہیں۔

فہرست ترتیب سورتہائے قرآن مجید باعتبار نزول

چونکہ ترجمۃ القرآن اور اس کی صحیح تفسیر کے لئے جس طرح مکی مدنی کا جاننا ضروری ہے اسی طرح ترتیب نزول کا جاننا بھی ضروری ہے اس قاعدہ کی تشریح

مکہ مکرمہ میں نازل ہونے والی سورتیں مندرجہ ذیل ہیں۔

نمبر شمار	نام سورۃ	نمبر شمار	نام سورۃ
۱	سورۃ العلق	۲۱	سورۃ الناس
۲	سورۃ ن والقلم	۲۲	سورۃ اخلاص
۳	سورۃ المزمل	۲۳	سورۃ والنجم
۴	سورۃ المدثر	۲۴	سورۃ عبس
۵	سورۃ الفاتحہ	۲۵	سورۃ القدر
۶	سورۃ اللہب	۲۶	سورۃ الشمس
۷	سورۃ لتکویر	۲۷	سورۃ البروج
۸	سورۃ الاعلیٰ	۲۸	سورۃ والتین
۹	سورۃ اللیل	۲۹	سورۃ القریش
۱۰	سورۃ والفجر	۳۰	سورۃ القارعہ
۱۱	سورۃ والضحیٰ	۳۱	سورۃ القیامۃ
۱۲	سورۃ الم نشرح	۳۲	سورۃ الھمزہ
۱۳	سورۃ والعصر	۳۳	سورۃ المرسلات
۱۴	سورۃ والعادیت	۳۴	سورۃ ق
۱۵	سورۃ الکوثر	۳۵	سورۃ البلد
۱۶	سورۃ التکاثر	۳۶	سورۃ الطارق
۱۷	سورۃ الماعون	۳۷	سورۃ القمر
۱۸	سورۃ الکافرون	۳۸	سورۃ صٓ
۱۹	سورۃ الفیل	۳۹	سورۃ الاعراف

۴۱	سورۃ یٰسین	۶۴	سورۃ الدخان
۴۲	سورۃ الفرقان	۶۵	سورۃ الجاثیہ
۴۳	سورۃ فاطر	۶۶	سورۃ الاحقاف
۴۴	سورۃ مریم	۶۷	سورۃ الذاریات
۴۵	سورۃ طٰہٰ	۶۸	سورۃ الغاشیہ
۴۶	سورۃ الواقعہ	۶۹	سورۃ الکہف
۴۷	سورۃ الشعراء	۷۰	سورۃ سورۃ النحل
۴۸	سورۃ النمل	۷۱	سورۃ النوح
۴۹	سورۃ القصص	۷۲	سورۃ ابراہیم
۵۰	سورۃ بنی اسرائیل	۷۳	سورۃ الانبیاء
۵۱	سورۃ یونس	۷۴	سورۃ المؤمنون
۵۲	سورۃ ہود	۷۵	سورۃ تنزیل السجدہ
۵۳	سورۃ یوسف	۷۶	سورۃ الطّور
۵۴	سورۃ الحجر	۷۷	سورۃ الملک
۵۵	سورۃ الانعام	۷۸	سورۃ الحاقہ
۵۶	سورۃ والصافات	۷۹	سورۃ المعارج
۵۷	سورۃ لقمان	۸۰	سورۃ النباء
۵۸	سورۃ سباء	۸۱	سورۃ النازعات
۵۹	سورۃ الزمر	۸۲	سورۃ الانفطار
۶۰	سورۃ المومن	۸۳	سورۃ الانشقاق
۶۱	سورۃ السجدہ	۸۴	سورۃ الروم
۶۲	سورۃ شوریٰ	۸۵	سورۃ العنکبوت
[illegible]	[illegible]	[illegible]	سورۃ المطفّفین

مدینہ منورہ میں نازل ہونے والی سورتیں مندرجہ ذیل ہیں

نمبر شمار	نزول	نام سورة	نمبر شمار	نزول	نام سورة
۱	۸۷	سورة البقره	۱۵	۱۰۱	سورة الحشر
۲	۸۸	سورة الانفال	۱۶	۱۰۲	سورة النور
۳	۸۹	سورة آل عمران	۱۷	۱۰۳	سورة الحج
۴	۹۰	سورة الاحزاب	۱۸	۱۰۴	سورة المنافقون
۵	۹۱	سورة الممتحنه	۱۹	۱۰۵	سورة المجادله
۶	۹۲	سورة النساء	۲۰	۱۰۶	سورة الحجرات
۷	۹۳	سورة الزلزال	۲۱	۱۰۷	سورة التحريم
۸	۹۴	سورة الحديد	۲۲	۱۰۸	سورة التغابن
۹	۹۵	سورة محمد صلى الله عليه وسلم	۲۳	۱۰۹	سورة الصّف
۱۰	۹۶	سورة الرعد	۲۴	۱۱۰	سورة الجمعه
۱۱	۹۷	سورة الرحمٰن	۲۵	۱۱۱	سورة الفتح
۱۲	۹۸	سورة الدهر	۲۶	۱۱۲	سورة المائده
۱۳	۹۹	سورة الطلاق	۲۷	۱۱۳	سورة التوبه
۱۴	۱۰۰	سورة البينه	۲۸	۱۱۴	سورة النصر

فائده (۱)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مکہ مکرمہ میں سب سے آخری جو سورة نازل ہوئی ہے وہ سورة العنکبوت ہے، اور عطاء اور ضحاک کا قول ہے

فائدہ (۲)

مفسر القرآن ابوبکر غرناطی ابن عطیہ (م ۵۴۳ھ) نے کہا ہے ابوسہل مفسر کا قول ہے کہ میرے ہاں ان احادیث کی بڑی کثرت ہے جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی سب سے پہلے جو سورۃ نازل ہوئی وہ فاتحہ ہے، اسی لئے اس کا نام فاتحہ اورام الکتٰب مشہور چلا آتا ہے۔ (مقدمتان فی علوم القرآن ص ۱۳)

مفسر القرآن علامہ نسفی (۷۰۱ھ) نے فرمایا ہے زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ سورۃ فاتحہ کا نزول دو دفعہ ہوا ایک دفعہ تو مکہ میں جب نماز فرض ہوئی اور دوسری بار مدینہ منورہ میں جب کہ قبلہ کی تحویل ہوئی۔ (تفسیر مدارک)

فائدہ: بعض علماء کا قول ہے کہ المائدہ الشوریٰ سے پہلے نازل ہوئی اور بعض کا یہ قول ہے کہ المائدہ سب سے آخر میں مدینہ منورہ میں نازل ہوئی اور یہ اکثر علماء تفسیر کا قول ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے۔ (مقدمہ خازن)

ان کے سوا باقی سب سورتیں مکی ہیں۔

واللہ اعلم بالصواب

الفاظ قرآنی کی تقسیم باعتبار معنی ومراد

کلمات قرآنی کے اقسام کا سمجھنا مفسر اور مترجم کے لئے ضروری ہے اس اعتبار سے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جس میں کسی قسم کی ترمیم یا تحریف کا حق کسی کو حاصل نہیں، الفاظ اور معانی کی تمام خوبیاں باحسن وجوہ صرف قرآن مجید ہی میں موجود ہیں، سارا قرآن محکم ہے، جیسا کہ ارشاد فرمایا

كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ (ھود نمبر ۱)

ترجمہ: یہ ایسی کتاب ہے جس کی آئتیں ثابت کی گئیں پھر جدا کی گئی ہیں علم وحکمت والے کی طرف سے۔

اسی طرح سارے قرآن عزیز کو کِتَاباً مُّتَشَابِهًا (الزمر نمبر ۲۳) فرمایا، یعنی روحانی تاثیر اور اعجاز و بلاغت کے لحاظ سے سارے کا سارا قرآن عزیز آپس میں ملتا جلتا ہے اس اثر میں فرق نہیں لیکن معنٰی اور مراد کے متعین کرنے میں کلمات قرآنی کی تین قسمیں کی گئی ہیں محکمات، متشابہات، حروف مقطعات، اسی کو یوں ارشاد فرمایا:۔

هُوَ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰت هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ ۝ (آل عمران نمبر ۷)

ترجمہ: وہی اللہ ہے جس نے اتاری آپ پر کتاب اس کی بعض آئتیں محکم ہیں جو جڑ ہیں کتاب کی اور کچھ متشابہات ہیں۔

(ا) محکمات کی تعریف اور تشریح یوں سمجھ لی جائے کہ وہ ارشادات قرآنیہ جن کے معانی اور مراد کو بلا کسی اشتباہ کے سمجھ لیا جا سکے، جیسا کہ ارشاد فرمایا:۔

وَلَاتَقْرَبُوا الزِّنَا (بنی اسرائیل آیت نمبر ۳۲)

اور زنا کے قریب بھی نہ جاؤ۔

اس ارشاد قرآنی میں ایک خاص جرم سے روکا گیا جس کو زنا کہا جاتا ہے اس کو ہر ایک انسان سمجھ سکتا ہے کہ اس کا معنٰی اور مراد کیا ہے اسی طرح فرمایا

اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی (المائدہ نمبر ۸)

ترجمہ: عدل کرو یہ تقوٰی کے زیادہ قریب ہے۔

اس ارشاد میں عدل کا حکم دیا گیا، عدل وانصاف کا معنٰی اور تشریح کسی قسم کا

مراد پر کامل طریقہ سے ایمان لانا ضروری ہے کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ان الفاظ کے معانی کسی اور طرز اور طریقہ پر کرے۔

(۲) متشابہات

یہ کلمہ اشتباہ سے مشتق ہے یعنی وہ چند چیزیں جن کا چہرہ مہرہ اس قدر ملتا جلتا ہو کہ ان میں تمیز کرنا مشکل ہو جائے۔ اسی طرح جن آیات کے معانی ظاہری طور پر واقع ہوں کہ معانی تو سمجھ میں آ جائیں مگر مراد کا تعین نہ ہو سکے جیسا کہ فرمایا:۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَا یِعُوْنَ اللّٰهَ یَدُاللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ (الفتح نمبر ۱۰)

ترجمہ: بے شک جو آپ کی بیعت کرتے ہیں وہ اللہ ہی کی بیعت کرتے ہیں اللہ کا ہاتھ ہے ان کے ہاتھوں پر۔

اس ارشاد عالی میں یداللہ کا معنیٰ تو سمجھ میں آتا ہے کہ اس کا معنیٰ اللہ کا ہاتھ ہے مگر اس کی صحیح تعبیر کیا ہے؟ کیا واقعی اللہ تعالیٰ کا ہاتھ موجود ہے اور وہ کیسا ہے وغیرہ سوالات پیدا ہو سکتے ہیں مگر اس کی تفصیل اور تشریح دنیا کا کوئی انسان اس لئے نہیں کر سکتا کہ اللہ تعالیٰ کا اپنا ارشاد گرامی ہے۔

لَیْسَ کَمِثْلِه شَیْءٌ (الشوریٰ آیت نمبر ۱۱)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی مثل کوئی بھی شے نہیں۔

جس ذات کی مثل ہی نہ ہو اس کے بارے میں سوائے ایمان بالغیب کے اور کیا کہا جا سکتا ہے؟ اس لئے راسخ فی العلم مسلمانوں کا یہ عقیدہ قرآن مجید نے قرار دیا کہ وہ صرف اعلان ایمان اور اظہار تصدیق کرتے ہیں متشابہات کا کوئی معنیٰ و مراد متعین نہیں کرتے، ارشاد فرمایا:

رَبِّنَا ۔ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّا اُولُو الْاَلْبَابِ ○ (آل عمران نمبر ۷)

ترجمہ: اور علم میں پختہ لوگ یہ کہتے ہیں ہم اس پر بھی ایمان لائے یہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہے اور نصیحت تو عقلمند ہی حاصل کرتے ہیں۔

لیکن جو لوگ امت میں فتنہ اندازی کرتے ہیں وہ محکمات پر تو عمل نہیں کرتے البتہ متشابہات کی تشریح کرتے ہیں اور اس سے بھی انکا مقصد قرآن مجید کا سمجھنا نہیں ہوتا بلکہ حسب ارشاد قرآنی۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَاتَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ ۔ (آل عمران نمبر ۷)

ترجمہ: لیکن وہ جن کے دلوں میں کجی ہے تو وہ پیروی کرتے ہیں آیتوں کی جو اس سے متشابہ ہیں فتنہ تلاش کرنے کیلئے اور اس کی تاویل تلاش کرنے کیلئے۔

اور ایسے فتنہ پرداز ہر زمانے میں گذرے ہیں۔ حضرت عمر فاروق کے زمانہ میں ایک شخص عبداللہ بن اصبیغ مدینہ منورہ آیا اور لوگوں کو متشابہات کے چکر میں ڈالنا شروع کر دیا، لوگوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اس فتنہ انگیز کی شکایت کی، تو آپ نے اس کو بلایا اور آتے ہی اس کے سر سے صافہ اتروا کر کھجور کی خار دار ٹہنیوں سے اس کی مرمت کر دی، اس نے اعتراف جرم کرتے ہوئے کہا کہ بس میرے دماغ سے وہ کیڑے نکل گئے۔ آپ نے فرمایا کہ ہم نے اپنی جانوں کی قربانیاں دے کر لوگوں کو کفر سے نکالا اور اسلام میں داخل کیا اور تم اپنی شرارتوں سے ان کو اسلام سے بدظن کر رہے ہو خبردار میں تم کو پھر یہاں نہ دیکھوں۔ (قرطبی)

اس لئے جمہور علماء کا یہی فیصلہ ہے کہ متشابہات کا معنیٰ تو کر دیا جائے مگر

مراد اور مصداق کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے یہی فیصلہ علماء سلف اور علماء خلف کا ہے۔
اگر چہ بعض علماء تفسیر نے متشابہات کو محکمات کی روشنی میں حل کرنے کی کوشش کی اور اس طرز فکر پر بعض نے مستقل طور پر لکھا بھی ہے۔ محمد بن احمد بن لبان مصری (م ۷۴۹ھ) نے اس پر مختصر مگر جامع رسالہ لکھا ہے مگر تاہم سلف کا قول ہی زیادہ بہتر اور صحیح ہے آخر جن امور کی تشریح اور تفصیل انسانی ذہن اور فکر سے بعید ہے اس میں بحث سے کیا فائدہ؟

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (بقرہ آیت نمبر ۲۸۶)

ترجمہ: اللہ کسی بھی جی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔

خواہ مخواہ تاویلات رکیکہ اور بعید از ایمان و یقین معانی کو پیدا کرنا کونسی عقلمندی ہے جیسا کہ صفات باری تعالیٰ کی تحقیق اور تشریح سے روکتے ہوئے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے

انت لاتعرف اياك ولم تدر — من انت وكيف الوصول
اين منك الروح فى جوهرها — هل تراها اوترىٰ كيف تجول
وكذا الانفاس هل تحصرها — لا ولا تدرى متى عنك تزول
اين منك العقل والفهم اذا — غلب النوم فقل لى يا جهول
انت اكل الخبز لاتعرفه — كيف يجرى منك ام كيف تبول
جل ذاتا وصفاتا و على — وتعالىٰ ربنا عما نقول

(مشارق الانوار ص ۳۷)

خلاصہ مطلب اشعار بالا

جبکہ انسان کو اپنے روح کا علم نہیں حالانکہ وہ رات دن بدن کے ساتھ چمٹا اور رگ و ریشہ میں گھسا ہوا ہے انسان کو اپنے سانس پر اقتدار اور اختیار نہیں وہ نیند

میں تمام جہاں سے بے خبر ہو جاتا ہے وہ خود اپنے ہاتھ سے ایک چیز کھاتا پیتا ہے مگر اس کے انجام سے بے خبر ہے تو ایسا مفلس اور معذور انسان بھلا کس طرح ذات؛ صفات خداوندی میں بحث کر سکتا ہے؟

(۳) حروف مقطعات

یہ وہ حروف ہیں جو بعض سورتوں کے شروع میں آتے ہیں ان کو علیحدہ علیحدہ کر کے پڑھا جاتا ہے، الف، لام، میم کر کے پڑھا جاتا ہے، اسی کو جناب رسول اللہ ﷺ نے یوں ارشاد فرمایا۔ الف حرف، لام حرف، میم حرف، ان حروف کے متعلق علماء امت کا فیصلہ ہے کہ ان پر ایمان لانا تو ضروری ہے مگر ان میں بحث کرنا کہ ان کا معنیٰ کیا ہے اور ان کی مراد کیا ہے؟ یہ درست نہیں، یہ چودہ کلمات ہیں جن میں سے تین تو ایک ایک حرف پر مشتمل ہیں اور باقی مرکبات ہیں: آلم ، آلر، آلمر، آلمص، حٰم، کھیعص، حٰم عسق، طٰہٰ، یٰس، ص، ق، ن ،طسم۔

فائدہ: طٰہٰ کا معنیٰ بعض علماء نے یارجل اور یٰس کا معنیٰ یا سید بھی کیا ہے۔

بعض علماء تفسیر نے بطور تاویل کے مندرجہ ذیل معانی بھی فرمائے ہیں:۔

(۱) سبیویہ اور خلیل نحوی اور اکثر متکلمین کا قول ہے کہ یہ حروف سورتوں کے نام ہیں جیسا کہ یٰس نام ہے۔

(۲) مفسر قتادہ اور کلبی نے کہا ہے کہ یہ قرآن مجید کے نام ہیں۔

(۳) مفسر سعید بن جبیر نے کہا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء ہیں جیسا کہ الر حم ن سے الرحمن بن گیا۔

(۴) ابن عباس نے فرمایا ہے کہ یہ حروف اسماء الٰہیہ کے اشارات ہیں جیسا کہ الم میں الف سے مراد اللہ، لام سے مراد لطیف اور میم سے مراد مالک ہے۔

انا اللہ اعلم ہے۔

(٦) اللہ تعالیٰ کے افعال کے لئے اشارات ہیں۔

(٧) یہ پورے جملے کے اشارات ہیں جیسا کہ الم سے مراد اللہ تعالیٰ نے بواسطہ جبریل محمد ﷺ پر قرآن مجید نازل فرمایا۔

(٨) ان میں ہر ایک حرف اقوام عالم کی مقررہ عمر کی طرف اشارہ ہے۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت سے اقوال ہیں، ابن سینا (م ۴۲۷ھ) نے حروف مقطعات کی تفصیل اور معنی مراد پر مستقل علیحدہ رسالہ لکھاس ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ متشابہات کے معارف اور معانی سید دو عالم ﷺ اور آپ کی امت میں سے اولیاء کرام سمجھ سکتے ہیں۔ مولانا عبید اللہ سندھیؒ نے اسی موضوع پر ایک رسالہ لکھا ہے مگر مشہور قول یہی ہے کہ ان کے معانی مراد کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔

سوال:۔

جب ان کے معانی اور مراد انسانوں کی سمجھ سے بالا تر ہیں تو پھر قرآن مجید میں ان کے نازل کرنے کی حکمت کیا ہے قرآن مجید تو ہدایت ہے اور جس کلمہ کا معنیٰ مراد سمجھ میں نہ آئے اس سے کیا ہدایت حاصل ہو سکے گی؟

جواب:۔

(١) مشہور مفسر اور عالم عربیت مبرد نحوی اور اکثر محققین نے فرمایا کہ یہ حروف عربوں کے لئے بطور صداقت ایک اعلان ہیں کہ اگر تمہارے خیال کے مطابق قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں تو تم ان حروف کے معانی بتا دو یا اسی طرح کے حروف بنا کر پیش کر دو۔

(٢) اطاعت اور تصدیق اسی کا نام ہے کہ جن کلمات کے معانی مراد سمجھ میں نہیں

نے فرمایا کہ یہ حروف اور کلمات بھی کلام اللہ ہیں یہ تو عین اطاعت اور کمال فرمانبرداری ہے۔ (شیخ زادہ ج ا ص ۶۴)

(۳) یہ جواب زیادہ صحیح اور قابل فہم ہے اس کو سمجھنے سے پہلے یہ بات ذہن نشین کر لی جائے کہ حروف مقطعات جس سورۃ میں آئے ہیں وہ سورتوں کی ابتداء ہی میں ہیں وسط یا انتہا میں نہیں، ان سے ایک خاص اشارہ فرمایا وہ یہ ہے کہ جن سورتوں میں کچھ ایسے ارشادات، واقعات، احکام اور عقائد کا ذکر ہے جو انسانی فہم سے بالاتر ہیں ان کے شروع میں حروف مقطعات لا کر اشارہ فرما دیا کہ جس طرح ان حروف کے معانی مراد نہ جاننے کے باوجود تمہارا ان پر ایمان ہے کہ یہ حروف کلام اللہ کا حصہ ہیں، اسی طرح ان سورتوں میں آنے والی بعض باتیں تمہاری ناقص فہم میں شاید نہ آ سکیں لیکن پھر بھی ان پر یقین اور ایمان لانا ضروری ہوگا جیسا کہ سورۃ بقرہ کے شروع میں الم آیا اور دوسری ہی آیت میں یومنون بالغیب کا ارشاد فرمایا، سورۃ بقرہ میں حیات بعد الموت اور دوسرے عقائد اور بعض واقعات کا ذکر ہے جن کا تعلق یقین کے ساتھ ہے۔ سورۃ آل عمران کو بھی الم سے شروع فرمایا اور پھر اسی سورۃ میں حضرت مسیح علیہ السلام کا بن باپ کے پیدا کرنا، آسمان پر اٹھایا جانا بیان فرمایا علیٰ ہذا القیاس حروف مقطعات سے شروع ہونے والی سورتوں میں یہی طرز تفسیر زیادہ قابل فہم ہے، آسانی کے لئے ایک نقشہ دیا جاتا ہے۔

جن سورتوں کی ابتداء حروف مقطعات سے ہوتی ہے ان کے اور ان میں نازل

نام سورۃ	ابتدائی کلمہ	کیفیت	خلاصہ مضامین
بقرہ	الم	مدنی	ایمان بالغیب، عقیدہ بعث، واقعہ ذبح بقرہ واحیاء موتٰی واحیاء مقتول۔
آل عمران	الم	" "	ولادت حضرت مسیح علیہ السلام بلا باپ کے، رفع آسمانی
الاعراف	المص	مکی	عالم آخرت کا بیان خصوصاً اعراف کا
یونس	الر	" "	عذاب دنیاوی کا آنا اور ایمان کی برکت سے اٹھ جانا، اشارہ بطرف ایمان لانے اہل مکہ کا۔
ھود	الر	" "	انبیاء سابقین کا بلا اسباب ظاہریہ کامیاب ہو جانا۔
یوسف	الر	" "	یوسف علیہ السلام کا کئی مرتبہ مصائب سے اور موت کے منہ سے بچنا اور مصر کا بادشاہ ہو جانا، بھائیوں کا محتاج ہو کر پیش خدمت ہونا۔
رعد	المر	" "	کائنات کی تخلیق، جنت کی کچھ کیفیت، رعد کا تسبیح پڑھنا۔
ابراھیم	الر	" "	اللہ تعالیٰ پر اعتماد کا نتیجہ، حضرت ابراہیمؑ کے واقعہ کو بطور شہادت پیش فرمانا

١٠	مریم	کھیعص	کی	حضرت مریم، حضرت یحییٰ، حضرت مسیح علیہم السلام کے واقعات
١١	طه	طه	" "	حضرت موسیٰ کا بے سروسامانی میں فرعون سے مقابلہ اور کامیابی۔
١٢	الشعراء	طسم	" "	شیطان کے پیروکاروں کی تباہی اور آسمانی ہادیوں کیس کامیابی۔
١٣	النمل	طس	" "	کائنات کا انبیاء علیہم السلام کے لئے مسخر ہونا واقعہ حضرت سلیمان علیہ السلام
١٤	القصص	طسم	" "	فرعون، ہامان، قارون کی تباہی، اہل ایمان کی نجات۔
١٥	العنکبوت	الم	" "	انسانی محنت کی غیر پائیداری اور ہلاکت
١٦	الروم	الم	" "	دنیاوی عذاب کی اطلاع اور مسلمانوں کی فتح کی بشارت۔
١٧	لقمان	الم	" "	انسانی علوم کا نقص اور علوم آسمانی کا کمال
١٨	الم السجدہ	الم	" "	عقیدۂ قیامت، نماز تہجد کا اجر اخروی
١٩	یٰس	یٰس	" "	سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر شہادت اور عقیدۂ قیامت
٢٠	صٓ	صٓ	" "	تعلیمات قرآنی کی صداقت اور باطل کی شکست فاش، حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعض

۲۱	المؤمن	حم	مکی	نزول وحی اور اس کی تعلیمات کا یقینی ہونا۔
۲۲	حم السجده	حم	" "	فرمانبرداروں کی اخروی جزاء عظیم کا ذکر
۲۳	الشوری	حم عسق	" "	اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا بیان اور اس کا ایک نمونہ، تخلیق مذکر و مؤنث
۲۴	الزخرف	حم	" "	دنیاوی ساز و سامان آرائش اور زیبائش کی بے ثباتی۔
۲۵	الدخان	حم	" "	نزول ہدایت، منکروں پر دنیاوی عذاب کا اعلان اور قیامت کا کچھ بیان۔
۲۶	الجاثیه	حم	" "	پلصراط سے گذرنے کی کیفیت، نامہ اعمال کا بولنا۔
۲۷	الاحقاف	حم	" "	قدرت خداوندی کا ایک کرشمہ انسانی حمل صداقت قرآنی، جنات کا ایمان لانا۔
۲۸	ق	ق	" "	حیات قبر کا بیان۔
۲۹	القلم	ن	" "	اعمال کا لکھا جانا۔

فائده: ان تمام سورتوں میں سے صرف دو سورتیں مدنی ہیں باقی سب مکی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن عزیز کے اولین مخاطبین (اہل مکہ) کے عقیدہ کو درست فرمانے پر زیادہ توجہ کی گئی ہے۔ واللہ اعلم

فائده: جو کلمات اور ارشادات محکمات ہیں ان کے معانی مراد تین قسم پر ہیں۔

ایک قسم ان کلمات کی ہے جن کے معانی شریعت نے مقرر فرمائے ان میں

نے بتایا اس میں لغت کا کوئی اعتبار نہ ہوگا اور یہی حکم سب عبادات کا ہے۔

دوسری قسم ان کلمات کی ہے جن کا معنی لغت پر موقوف ہے۔ عرف اور شرع کا اس سے کوئی تعلق نہیں جیسا کہ لفظ الشّمس کا معنی سورج یہ باعتبار لغت لیا گیا اور یہی معتبر ہے۔

تیسری قسم وہ کلمات ہیں جن کا تعلق عرف کے ساتھ ہے جیسا کہ لفظ معروف سے مراد ہر وہ کام ہوگا جس کو عرف شرع میں معروف سمجھا جائے گا۔

(واللہ اعلم بالصواب)

ربط و مناسبت

جب ہر متکلم کے کلام میں ایک ربط اور ایک مناسبت ہوتی ہے، ربط اور مناسبت کے بغیر کلام ادھورا اور بے فائدہ رہتا ہے تو پھر اس علیم اور خبیر خداوند قدوس کا کلام کس طرح بے ربط ہوسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب قرآن مجید نے پہلے مخاطبوں کیلئے صداقت قرآنی کی دلیل پیش فرمائی تو اس میں یہی فرمایا کہ اس قرآن مجید کی سورتوں جیسی ایک سورۃ بنا کر لے آؤ مگر وہ نہ تو بنا سکے اور نہ ہی کوئی لفظی و معنوی اعتراض کر سکے بلکہ سید دو عالم ﷺ کی زبان نور افشاں سے قرآن مجید کے اثر انگیز کلمات کو جادو کے ساتھ تعبیر کیا، اس لئے اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے کہ قرآن مجید کی جمع اور ترتیب بامر خداوندی امام الانبیاء جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمائی ہے جیسا کہ ارشاد قرآنی ہے۔

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ۝ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۝ (القیامۃ نمبر ۱۶، ۱۷)

ترجمہ: آپ نہ ہلائیں اپنی زبان اس کے ساتھ جلدی کرتے ہوئے بیشک ہم پر ہے اس کا اکٹھا کرنا اور اس کا پڑھنا

جمع کرنا تو ترتیب ہی سے ہو سکتا ہے اور ترتیب میں ربط اور مناسبت کا لحاظ ضروری ہے یہی وجہ ہے کہ بعض مکی سورتوں میں کچھ آیات مدنی بھی ہیں اور بعض مدنی سورتوں میں کچھ آیات مکی بھی ہیں، آنحضرت ﷺ آیات کو اپنے اپنے مقام پر لکھوا دیا کرتے تھے، اب امت میں سے کسی کو یہ اختیار نہیں کہ وہ اس ترتیب میں ردو بدل کرے، ارشاد فرمایا:۔

وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنَاهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ٥ وَقُرْاٰنًا فَرَقْنَاهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّ نَزَّلْنَاهُ تَنْزِيْلًا ٥ (الاسراء ۱۰۵، ۱۰۶)

ترجمہ: اور صحیح صحیح ہم نے اس (قرآن) کو اتارا اور صحیح دین لے کر اترا ہم نے آپ کو خوشی سنانے اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا اور اس قرآن کو ہم نے تھوڑا تھوڑا نازل کیا تا کہ آپ لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کر پڑیں اور ہم نے اس کو خاص طریقہ پر اتارا۔

علماء تفسیر نے ربط و مناسبت پر اپنی اپنی مُرتّبہ تفاسیر میں اور علیحدہ بھی اسی موضوع پر کتابیں تصنیف فرمائی ہیں جن میں سے زیادہ جامع اور مفید تفسیر ''بقاعی'' ہے جو تیس جلدوں میں ہے اور مطبوعہ ہے اگر چہ نایاب ہے، ویسے دوسرے علماء تفسیر نے بھی ادھر توجہ فرمائی ہے، تفسیر بیضاوی کی شرح شیخ زادہ بھی اس موضوع میں اچھی راہنما ہے۔

ربط و مناسبت کی مندرجہ ذیل صورتیں ہیں جن کا ترجمہ اور تفسیر میں لحاظ کرنا ضروری ہے۔

(۱) ہر سورت کی ابتداء اور اس کی انتہاء میں مناسبت

جیسا کہ سورۃ بقرہ کے شروع میں بھی فرمایا یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ اس سے

مراد وہ عقائد ہیں جو انسانی فہم وادراک سے بالاتر ہیں اور سورۃ بقرہ کے آخر میں بھی اسلامی عقائد کُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَمَلٰئِکَتِہٖ (الآیۃ) فرمایا۔ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے فرشتوں اور رسولوں پر، ایمان تو ایمان بالغیب ہی ہے۔

(۲) پہلی سورت کے خاتمہ اور دوسری سورۃ کے شروع میں مناسبت ہوگی

سورۃ بقرہ کے آخر میں مطیع اور فرمانبرداروں کی نشانی بیان فرمائی کہ وہ کہتے ہیں سَمِعْنَا وَاَطَعْنَاسورۃ آل عمران کے شروع میں فرمایا کچھ لوگ آیات خداوندی کے منکر ہیں فرمایااِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْابِاٰیٰتِ اللّٰہِ لَھُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ ذُوْانْتِقَام۔

علیٰ ہذا لقیاس تمام سورتوں کی آخری آیات کا ربط دوسری سورتوں کی ابتدائی آیات سے ہے۔ اسی طرح ہر دو آیات میں بلکہ ہر آیت کے پہلے اور دوسرے کلمے میں، علیٰ ہذاالقیاس جملہ حروف اور کلمات میں ربط ومناسبت موجود ہے جس کا ترجمہ تفسیر میں سمجھنا نہایت ضروری ہے البتہ یہ بات بھی درست ہے کہ کچھ ربط ومناسبت ایسی ہے کہ آسانی سے ہر انسان سمجھ لیتا ہے اور کچھ ایسی ہے کہ ذرا غور وفکر کی ضرورت ہے اور بعض دفعہ زیادہ غور وفکر کی ضرورت رہتی ہے، اس لئے علماء تفسیر نے ربط اور مناسبت کی تین قسمیں بیان فرمائی ہیں ربط جلی، ربط خفی، ربط اخفیٰ، ان تینوں کی تشریح امثلہ قرآنی کے ساتھ کردی جاتی ہے تاکہ فہم قرآن مجید کی راہیں کھل جائیں۔

ربط جلی

یعنی واضح اور روشن ربط وہ ہوتا ہے کہ واضح طور پر انسان کو اس کا علم ہو

جائے، جیسا کہ فرمایا يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ ۝ (اعراف نمبر ۱۵۷) یہ ارشاد قرآنی سید دوعالم ﷺ کی شان میں وارد ہے، ظاہر ہے کہ امر بالمعروف اسی وقت مفید ہوسکتا ہے جبکہ نہی عن المنکر بھی ہو ان دونوں حصوں میں ربط کو ''ربط جلی'' کہا جا سکتا ہے۔

ربط خفی

وہ ربط اور مناسبت جو غور وفکر کرنے پر معلوم ہو سکے جس کے لئے سیاق و سباق اور حکم کی حکمت پر غور کرنا ضروری ہو جیسا کہ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ میں دو حکم ہیں ایک نماز کا اور دوسرا زکوٰۃ کا، بظاہر نماز اور زکوٰۃ میں کوئی خاص نسبت نہیں وہ بدنی عبادت اور یہ مالی عبادت لیکن غور وفکر اور نماز کی حکمت سمجھنے کے بعد بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ دراصل نماز میں جہاں اور حکمتیں اور برکتیں ہیں وہاں اللہ تعالیٰ پر کامل اعتقاد اور اعتماد اس بات کا ہے کہ وہی پالنے والا ہے وہی رب ہے اگر غور کیا جائے تو ایک نمازی صرف فرض اور سنت نماز میں دن میں کم از کم تین سو بیس دفعہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کرتا ہے تو ایک ماہ میں پھر ایک سال میں کئی ہزار مرتبہ اقرار ربوبیت کرنے والے مسلمان کو بطور ابتلاء اور امتحان یہ حکم دیا جاتا ہے کہ اب سال میں صرف ایک دفعہ اپنے مال سے جبکہ وہ نصاب تک پہنچ جائے ۴۰/۱ حصہ اسی اللہ کے نام پر دے جس کو سارے سال میں رب رب کہہ کر اقرار ربوبیت کرتا رہا ہے، گویا کہ نماز کی مصدق زکوٰۃ ہے اگر زکوٰۃ دی تو معلوم ہوگا اور عام طور پر سب کو پتہ چل جائے گا کہ واقعی یہ نمازی اللہ تعالیٰ کو رب کہنے میں سچا ہے ورنہ اس کی بات کا کوئی وزن نہ ہوگا، جیسا کہ ایک روایت میں بہ سند صحیح آیا ہے۔

مَنْ اَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَلَمْ یُؤَدِّ الزَّکٰوۃَ فَلَا صَلٰوۃَ لَہٗ۔

جس نے نماز کو قائم کیا مگر زکوٰۃ نہ دی تو اس کی نماز بھی نہ ہوئی۔

اس روایت کو محدث طبرانی اور ابن ابی شیبہ نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (کتاب الاموال لابی عبید ص ۳۵۴)

ربط اخفیٰ

وہ ربط جو بہت زیادہ گہرا ہو اس کو سمجھنے کے لئے کافی غور و فکر کی ضرورت ہو جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد ہے:۔

وَعَلَامَاتٍ وَّ بِالنَّجمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ ○ (النحل نمبر ۱۶) اس آیت میں پہاڑوں کے متعلق فرمایا کہ وہ نشانیاں ہیں اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ ستاروں سے یہ راہ پاتے ہیں ان دونوں باتوں میں بظاہر کوئی مناسبت غور و فکر پر بھی سمجھ میں نہیں آتی مگر زیادہ فکر اور تدبر سے کام لیا جائے تو پتہ یہ چلتا ہے کہ ان میں ربط و مناسبت موجود ہے۔ جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے ''فتح الخبیر'' میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ یہاں اپنی اس نعمت کو بیان فرماتے ہیں جو انسانوں کو دور دراز کے سفر میں ان کی سہولت کیلئے عطا فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ دن کے وقت دوسرے شہروں اور دوسرے ملکوں کی طرف راہنمائی کرنے والے تو پہاڑ ہیں کہ یہ بلند و بالا ہوتے ہیں، دن کے مسافر کو اپنی منزل مقصود کا پتہ لگ جاتا ہے اور وہ اسی سمت چلتا ہے اور رات کے وقت سفر کرنے والے کو خصوصاً ریگستانی اور بحری مسافروں کو اپنی منزل مقصود کا تعین کرنا ستاروں ہی کی مدد سے ہوتا ہے اب ستاروں اور پہاڑوں میں ربط و مناسبت معلوم ہوگئی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں چند مثالیں اور بھی پیش کر دی جائیں جن سے ''تدبر فی القرآن'' کا ملکہ پیدا ہو جائے۔

(۱) ارشاد قرآنی ہے کہ عبادالرحمٰن کی ایک صفت یہ بھی ہے وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِىْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ (الفرقان نمبر ۶۸) اور سورۃ بنی اسرائیل آیت نمبر ۳۲، ۳۳ ...... اگرچہ قتل نفس اور زنا گناہ ہونے کے اعتبار سے تو

دونوں ایک نوع کے افراد ہیں مگر ''قتل اور زنا'' دونوں کو اکٹھا فرمانے میں کیا حکمت ہے؟ تدبر فی القرآن کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ زنا بھی قتل نفس ہے، ''زانی'' اپنا نطفہ غیر محل میں ڈال کر اس نفس کو قتل کرتا ہے جو اس نطفہ سے پیدا ہونے والا ہے اور ''زانیہ'' نے بھی اگر استقرار حمل نہ ہونے دیا یا اسقاط حمل کا ارتکاب کرلیا تو وہ بھی قاتلہ بن گئی شاید اسی لئے شادی شدہ زانی کی سزا اسلام میں سنگساری رکھی گئی ہے۔

(۲) ارشاد قرآنی ہے:۔

وَهُوَ الَّذِىْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا ○ وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا ؕ وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيْرًا ○ (الفرقان نمبر ۵۳،۵۴)

ترجمہ: اور اللہ وہ ہے جس نے ملائے دو دریا یہ میٹھا ہے پیاس بجھانے والا اور یہ کھاری ہے چھاتی جلانے والا اور کیا دونوں کے درمیان پردہ اور بند بندھا ہوا اور اسی نے پیدا کیا انسان پس کیا اس کے واسطے رشتہ اور سسرال اور تیرا رب قدرت والا ہے۔

مندرجہ بالا آیات میں سے پہلی آیت میں دو دریاؤں کی روانی اور علیحدہ علیحدہ بہنے کا ذکر فرمایا کہ ایک کا پانی میٹھا اور ایک کا کھاری، دریاؤں کا اس قدر کثیر پانی جو اس قدر لطیف بھی ہے نہ ملنے دے تو اسی اللہ تعالیٰ کا اختیار اور قدرت ہے لیکن دوسری آیت میں فرمایا کہ اسی اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے نسب اور سسرال کا رشتہ قائم کردیا بظاہر ان دونوں باتوں میں کوئی ربط اور مناسبت معلوم نہیں ہوتی لیکن غور کیا جائے اور اسم الٰہی قدیرا پر تدبر کیا جائے تو ربط سمجھ میں آجائے گا کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ اور اختیار و تصرف کو بیان فرماتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ نہ ملنے دے تو

دو دریاؤں کے ہزار ہا بلکہ پدمہاٹن پانی کو نہ ملنے دے اور جب ملانا چاہے تو دو مختلف پانیوں کے قطرات کو (جن کو نطفہ کہا جاتا ہے) ملا دے اور ان سے اولاد اور سسرال کا رشتہ قائم کر دے انسان بھی تو پانی ہی سے پیدا ہوتا ہے فرمایا:۔

فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ۝ خُلِقَ مِنْ مَّاءٍ دَافِقٍ يَّخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَائِبِ ۝ (الطارق نمبر ۵،۶،۷)

ترجمہ: پس چاہیئے کہ دیکھے آدمی کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے، پیدا کیا گیا ہے پانی اچھلنے والے سے نکلتا ہے (باپ کی) پیٹھ اور (ماں کی) چھاتیوں سے۔

(۳) ارشاد فرمایا:۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُوالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝

(الرحمٰن آیت نمبر ۲۶، ۲۷، ۲۸)

ترجمہ: جو کوئی اس زمین پر ہے اس نے فنا ہونا ہے تیرے رب کی ذات ہی باقی رہے گی جو عظمت اور عزت والا ہے پس تم دونوں (اے انسانوں اور جنوں) اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

بظاہر کائنات کا فنا ہو جانا یہ کوئی نعمت نہیں لیکن جب کافی تدبر اور غور و فکر کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ہر ایک کا فنا ہونا یہ بھی ایک نعمت ہے اگر دنیا میں کسی کو بقا ہوتی تو اس سے اس کے غرور و تکبر میں اسقدر اضافہ رہتا کہ وہ زیر دستوں کو چین اور سکھ سے نہ رہنے دیتا اسلئے فرمایا کہ تم کو فنا کرنا یہ بھی میری ایک نعمت ہے کہ مظلوم اور مقہور دل کو اطمینان دے سکتا ہے کہ آخر یہ ظالم ...

ہے کہ موت بھی ایک نعمت ہے اگر موت نہ ہوتی تو یہ کائنات ارضی انسانوں سے بھرپور ہو کر انسانیت کیلئے وبال جان بن جاتی یا انسان کے قویٰ اس قدر مضمحل ہو جاتے کہ نہ تو وہ زندگی کو نبھا سکتے اور نہ ہی ختم ہو سکتے۔ (واللہ اعلم)

(۴) اسی طرح دو سورتوں میں بھی کبھی ربط اخفیٰ ہوتا ہے جیسا کہ سورۃ الزلزال کے بعد سورۃ وَالْعٰدِیٰت آتی ہے سورۃ الزلزال میں فرمایا کہ ذرے جتنا عمل بھی خیر وشر کا انسان کے خزانہ اعمال میں شمار ہوگا اس کی مثال العدیت میں دی کہ جیسا مجاھدین کے وہ گھوڑے جن پر وہ سوار ہو کر اعلاء کلمۃ اللہ کرتے ہیں وہ گھوڑے بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں اس قدر پسندیدہ ہیں کہ خداوند قدوس نے ان کی قسم کھائی ہے۔

قرآن مجید کی تمام سورتوں کے ربط کا خلاصہ

اگر چہ یہ عنوان کئی بڑی بڑی ضخیم مجلدات کا طالب ہے مگر قرآنیات کے طالبعلم کے ذوق کو مدنظر رکھتے ہوئے نہایت ہی اختصار سے اس کو پیش کیا جاتا ہے۔ اس ربط کے سمجھنے اور سمجھانے میں قرآنی تدبر، سیاق وسباق کو مدنظر رکھا گیا ہے، اگر عنداللہ صحیح ہے تو اللہ تعالیٰ قبول فرماوے اور اگر اس میں کچھ سقم اور کمزوری ہے تو اللہ تعالیٰ صحیح سمجھ عطا فرمادے۔ آمین

قرآن مجید کی موجودہ ترتیب جو تمام مسلمانوں کے ہاں مسلم ہے اس میں سورۃ فاتحہ کو شروع میں جگہ دی گئی اور اس سورۃ کا نام ام القرآن، ام الکتب بھی ہے اس سورۃ شریفہ میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو حکم دیا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ہدایت کا طلبگار ہو اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ میں اسی ہدایت کاملہ کی درخواست کرنے کا حکم دیا تو سورۃ بقرہ میں جو قرآن مجید کی بڑی سورت ہے اس کا جواب یوں ارشاد فرمایا ذٰلِكَ الۡكِتٰبُ لَا رَيۡبَ فِيۡهِ هُدًى لِّلۡمُتَّقِيۡنَ کہ جس ہدایت کے تم طالب ہو وہ ہدایت اسی کتاب میں تم کو ملے گی جس کے ہادی ہونے میں کسی قسم کا شک اور شبہ نہیں، اب یہ ربط سورہ فاتحہ اور سارے قرآن مجید کے درمیان ہے، یہ صراط مستقیم اگر چہ قرآن کے نزول سے پہلے بھی ہر نبی علیہ السلام نے اپنے اپنے زمانہ میں اپنی قوموں کو بتایا تھا مگر دو قومیں آپؐ سے پہلے صراط مستقیم دیکھ کر بھی گمراہ ہوگئی تھیں یعنی یہود ونصاریٰ۔ تو سورۃ بقرہ میں یہودیوں کے غلط عقیدے اور ان کی مختصر سی تاریخ ذکر فرمادی اور سورۃ آل عمران میں عیسائیوں کے غلط عقیدے الوہیت مسیح (علیہ السلام) کی تردید کیلئے حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ کی ولادت کا ذکر فرمایا، حضرت مریم کے ذکر پر سورۃ النساء میں عورتوں کے وہ حقوق بیان فرمائے جو انسانوں نے ان سے چھین رکھے تھے [illegible]

حق مہر وغیرہ کیساتھ نکاح کیلئے حلال اور حرام عورتوں کا ذکر فرمایا، نکاح کا تعلق خانگی زندگی سے بہت ہی اہم اور پختہ ہے، امور خانہ داری میں سے حرام اور حلال چیزوں کا ذکر ضروری ہے اس کو سورۃ المائدہ میں بیان فرمانے کے بعد سورۃ الانعام میں مشرکوں کے اس طرز عمل اور عقیدہ کی تردید فرمائی جو انہوں نے اس عطیہ خداوندی کو غیر اللہ کیلئے بطور نذر کے دینا اور بعض حلال جانوروں کو حرام اور حرام جانوروں کو حلال بنانے میں اختیار کر رکھا تھا، تحریم ما احل اللہ اور تحلیل ما حرم اللہ شیطانی خطرات اور اتباع سے پیدا ہوتی ہے اس لئے انسانوں کو متنبہ کرتے ہوئے سورۃ الاعراف میں تخلیق آدم اور شیطانی وساوس کا ذکر کرتے ہوئے قیامت میں مرتب ہونے والی جزاوسزا (جنت، دوزخ، اعراف) کو بھی ذکر فرمایا، مطیع اور فرمانبردار بندے صدق دل سے اللہ تعالیٰ کی بات سنتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں خواہ ان کو جان تک بھی نثار کرنی پڑے، سورۃ الانفال میں اللہ تعالیٰ کے ذکر ہی سے دل کا لرز جانا اور آیات خداوندی کا سن کر عمل پیرا ہو جانا بیان فرمایا، اللہ تعالیٰ کے ساتھ یقین اور اعتماد کا کامل تعلق استوار کرنے پر غیر اللہ سے بے نیازی بلکہ غیر اللہ کے پرستاروں کے سامنے اپنے اعتماد اور توکل علی اللہ پر یقین کا اعلان کرنے اور ان سے بیزاری کا اعلان کرنے کا حکم سورۃ توبہ میں فرمایا۔ یہی اعتماد علی اللہ اور توکل علی اللہ انجام کار کامیاب کر دیتا ہے اس کے حکم کے بغیر قدم نہ اٹھایا جائے، اس کو سورۃ یونس میں ذکر فرمایا اور یہ بات ہمیشہ رہی ہے کہ حزب اللہ اور حزب الشیطان کی ٹکر میں انجام کار اللہ والے کامیاب ہوئے اس کیلئے انبیاء سابقین اور ان کے مخالفین کا باہمی تقابل کرتے ہوئے ان قوموں کی تباہی اور بربادی کو سورۃ ہود میں ارشاد فرمایا، اس راہ حق میں تکالیف اور مصائب کا آنا مگر ان کو برداشت کرتے ہوئے بھی، ءَ اَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَیْرٌ اَمِ اللّٰہُ الْوَاحِدُ الْقَھَّارُ کا اعلان کرنا سورۃ یوسف میں بیان

فرمایا، انبیاء علیہم السلام کی ظاہری بے سروسامانی کے باوجود اس یقین کامل کے ساتھ
ان قوموں کا تمسخر اور استہزاء سورۃ الرعد میں بیان فرمایا وَلَقَدِ اسۡتُهۡزِئَ بِرُسُلٍ
مِّنۡ قَبۡلِكَ اگرچہ ساری ظاہری قوتیں مخالف ہوں حتیٰ کہ ماں باپ سے بھی بیزاری
کی نوبت آجائے جیسا کہ سورۃ ابراہیم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کو
پیش فرمایا اسی کے ساتھ ساتھ ایک بدکردار اور گستاخ قوم، قوم لوط کی تباہی پر ان
کھنڈرات کو وَاِنَّهَا لَبِسَبِيۡلٍ مُّقِيۡمٍ بطور تاریخی اور روشن شہادت کے سورۃ الحجر
میں بیان فرمایا آخری نبی جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو صبر و تحمل کی تلقین کرتے ہوئے
بشارت دی کہ مسلمانوں کو بھی کامیابی ہوگی سورۃ النحل اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيۡنَ اتَّقَوا۔
الآیۃ میں فرمایا اور ساتھ ہی یہ بھی تمثیل دی کہ کسی کی تعداد کا کم ہونا یا اس کا چھوٹا
ہونا کامیابی کے منافی نہیں، آخر شہد کی مکھی جسم میں چھوٹی ہے مگر اللہ تعالیٰ کے حکم کا
امتثال کرتے ہوئے۔ سارے دکھوں کا علاج نہیں بلکہ شفا ہے۔ سورہ بنی اسرائیل
میں نبی کریم ﷺ کی عظمت اور روحانی جسمانی تمام امراض کے لئے عطیہ
خداوندی شفاء کاملہ وَنُنَزِّلُ مِنَ الۡقُرۡاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ کا ذکر اسی سورہ بنی
اسرائیل میں فرمایا، جس تنذیر پر مشرکوں نے استہزاء کرتے ہوئے بطور استبعاد کے
اذا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا کہا اس کا اس دنیا میں تاریخی شہادت کے ساتھ جواب
دیتے ہوئے سورۃ الکہف میں اصحاب کہف کا تین سو نو سال بعد زندہ ہو جانا پیش
فرمایا، سورہ مریم میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کو بیان فرمایا کہ وہ بلا اسباب بھی جو
چاہے کرسکتا ہے، حضرت زکریا علیہ السلام بوڑھے، بیوی بانجھ مگر لڑکا عنایت فرمایا،
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بن باپ پیدا فرمایا اس لئے یقین رکھا جائے کہ یہی قدیر
خدا دوبارہ زندہ فرمادے گا، سورہ طٰہٰ میں صاف فرما دیا مِنۡهَا خَلَقۡنٰكُمۡ وَفِيۡهَا

نُعِیْدُ کُمْ وَ مِنْھَا نُخْرِجُکُمْ تَارَۃً اُخْرٰی اور وہ دن دو رمت سمجھو موت قیامت کا پہلا زینہ اور پہلی سیڑھی ہے اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُھُمْ وَھُمْ فِی غَفْلَۃٍ مُّعْرِضُوْنَ کو سورۃ الانبیاء میں فرمایا اور ساتھ ہی اس عقیدہ کی عظمت اور اہمیت بیان فرمادی کہ جملہ انبیاء علیہم السلام نے اس بنیادی مسئلہ کو بیان فرمایا مگر قوم نے تمسخر اور استہزاء کیا نتیجہ کے طور پر حَتّٰی جَعَلْنٰھُمْ حَصِیْدًا خٰمِدِیْنَ فرمایا، اس لئے لوگوں کو اس زلزلۃ الساعۃ سے سورۃ الحج میں ڈرایا اور ساتھ ہی مطیع اور فرمانبرداروں کو حج کا حکم دیا کہ وہ ارکان حج احرام اور وقوف عرفات وغیرہ کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں، حج کے علاوہ مسلمانوں پر دوسری عبادتیں بھی فرض ہیں اور ان ہی کے ادا کرنے سے فلاح اور نجات کا مسئلہ سورۃ المومنون میں فرمایا، فرمانبردار کو شرک جیسے گندے عقیدے سے کامل احتراز ضروری ہے جو سراسر بہتان اور افتراء ہے جس کو اسی سورۃ کی آیت نمبر ۱۱۷ میں بیان فرمایا جس طرح حقوق اللہ کا ادا کرنا ضروری ہے اسی طرح مسلمان کے لئے حقوق العباد کا ادا کرنا بھی ضروری ہے جس میں کسی پاکدامن پر بہتان اور افتراء اتنا بڑا جرم ہے کہ وہ مسلمان اب کامل بااعتماد نہیں رہا وَلَا تَقْبَلُوْا لَھُمْ شَھَادَۃً اَبَدًا اگر وہ صحیح مجرم ہو تو اس کی سزا بھی اسی ''سورۃ النور'' میں بیان فرمادی، ایسے بداخلاق اور بدکردار لوگوں کا انجام اس دنیا میں بدترین ہوا کرتا ہے۔ سورۃ الفرقان میں مطیع اور فرمانبرداروں کی فرمانبرداری اور نافرمانوں کی نافرمانی سے پیدا شدہ نتائج کو بیان فرمایا، مطیع اور فرمانبرداروں کے لئے رحمت خداوندی اور نافرمانوں کے لئے عذاب خداوندی کو سورہ الشعراء میں یکجا بیان فرماتے ہوئے بار بار اِنَّ رَبَّکَ لَھُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ کا ارشاد فرمایا اگرچہ شیطان بندے کو مغرور اور سرکش بنائے رکھتا ہے اور اسے دھوکہ کا شکار رکھتا ہے مگر حقیقت ہمیشہ غالب آتی ہے آخر ملکہ سبا کو سلیمان علیہ السلام کے سامنے کس نے

ذلیل کر کے پیش فرمایا، سورۃ النمل میں اسی حقیقت کا بیان، فرعون کا نعرہ انا ربکم
الاعلی کس طرح خاک آلود ہوا، سورۃ القصص میں اس کی تشریح فرمائی ہے۔ کفر
وشرک، عصیان اور نافرمانی کے قلعے کتنے ہی حسین اور دلفریب کیوں نہ ہوں ان کی
حقیقت مکڑی کے جالے سے زیادہ نہیں، انَّ اَوھن البُیُوتِ لَبَیتِ العنکبُوت
کو سورہ عنکبوت میں فرمایا جو قومیں ہلاک ہوئیں وہ دنیاوی طور پر عقلمند اور صاحب
بصیرت تھیں مگر آسمانی ہدایت کا مقابلہ کیا تو مٹ گئیں اب بھی تم دیکھ لو گے کہ
سلطنت روم کی شکست پھر فتح اور پھر اس پر اسلام کا غلبہ یہی بتائے گا کہ علم ودانش
وہی محبوب اور معتبر ہے جو اپنے رب اور خالق کا مطیع بنائے نہ کہ سرکش بنائے۔
لقمان حکیم اس قدر علم وحکمت کے باوجود اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار رہا اور یہی بات اس
نے اپنے بیٹے کو بھی فرمائی، سورۃ لقمان میں اس کو ذکر فرمایا، یہ فکر آخرت اور خشیت
الہٰی ہر وقت سورہ الم السجدہ میں مطیع اور فرمانبرداروں کی علامت بتائی کہ ان کی
رات کا آرام اور سکون اطاعت خداوندی اور اس کے حضور میں سربسجود ہونے میں
ہوتا ہے جس قدر زیادہ قرب خداوندی ہو اسی قدر زیادہ انابت اور رجوع الی اللہ ہونا
ضروری ہے، سورۃ الاحزاب میں سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی ازواج مطہرات سے دو
ٹوک خطاب یا دنیاوی عیش کو اختیار کرو یا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو
پسند کرو، لیکن یاد رہے دنیاوی عیش ومعاش انسان کی عاقبت تو برباد کرتا ہی ہے اس
دنیا میں بھی وہ تماشا گاہ عالم بن جاتا ہے، قوم سباء کا حال معلوم کرنے کے لئے
سورۃ سباء کو پڑھ لیا جائے کہ کس قدر آسودہ اور عیاش قوم تھی مگر آج کھنڈرات
مرثیہ خوانی کر رہے ہیں، اس لئے دنیاوی جاہ وجلال، عیش وعشرت پر بھروسہ نہ رکھا
جائے ہر حال میں سب سے بے نیاز غنی اور تمام تعریفوں کا مستحق اور ابدی موصوف تو
صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے، یہ عقیدہ ہر امت کو اپنے اپنے انبیاء نے سمجھایا اس کو سورۃ

الفاطر میں بیان فرمایا، اب سب سے آخری نبی جو سب نبیوں کے سردار یسٓ کے مخاطب ہیں اس بات کو سمجھا رہے ہیں اور یہ سب سے آخری اور کامل الھام ربانی ہے خوب غور سے سن لو تم کو ایک دن اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہونا ہوگا جس اللہ تعالیٰ نے شجر اخضر سے آگ نکالی وہ تم کو دوبارہ زندہ کرے گا اور تمہارے سب اعضاء خود تمہارے اعمال کے گواہ ہوں گے آخر تم حشر اجساد سے کیوں منکر ہو؟ کیا تم یہ نہیں جانتے کہ تم کو کس نے مٹی سے پیدا کیا؟ کیا تم خود پیدا ہوئے یا تمہارا پیدا کرنے والا خداوند قدوس ہے۔ سورۃ والصافات میں حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور دیگر انبیاء علیہم السلام، کی اقوام کا حشر دنیاوی طور پر بیان فرمایا اور سب نبیوں کی دارین کی نجات اور کامیابی کا اعلان سَلامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْن کے ذکر اقدس سے فرمایا، انبیاء علیہم السلام کا کردار اور ان کی اطاعت خداوندی اور رب کریم کے سامنے مطیع اور فرمانبردار رہنا ہر حال میں رہتا ہے، ظاہری شان وشوکت اور وجاہت ملے تب بھی جیسا کہ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہم السلام تھے اور اگر تکلیف اور دکھ ملے تب بھی دربار خداوندی کے پرستار جیسا کہ حضرت ایوب علیہ السلام تھے، سورہ صٓ ان پاکیزہ اور برگزیدہ انسانوں کے حالات پر مشتمل ہے۔ ساتھ ہی صٓ میں ایسے لوگوں کا بھی ذکر فرمایا جو اپنے مالک اور خالق کے مقابلے میں آجاتے ہیں مگر قیامت کے دن ان انبیاء علیہم السلام اور داعیان برحق کی آمد کا اقرار کرنے کے باوجود جہنم میں داخل کر دیئے جائیں گے، جیسا کہ سورہ زمر میں فرمایا اگرچہ قوموں نے انبیاء علیہم السلام کی بات قبول نہ کی اور ان کے مقابل رہے مگر اللہ تعالیٰ کے نبی اور رسول علیہم السلام اپنے عقیدے اور اعتماد پر مستقل مزاجی سے قائم رہے ان منکروں کو قیامت کی سزا کے علاوہ دنیاوی سزا بھی ملی جیسا کہ سورۃ حم السجدہ میں قوم عاد وقوم ثمود کی دنیاوی تباہی اور بربادی کا ذکر فرمایا اور سورۃ الشوریٰ

میں مکہ مکرمہ اور قرب و جوار کے کافروں کو متنبہ فرمایا کہ عذاب دنیاوی کو جلدی نہ مانگو بلکہ عذاب خداوندی سے ڈرو، اس سورۃ میں ایمان بالغیب کو تفصیل سے بیان فرمایا، سورۃ الزخرف میں اس دنیا کی بے ثباتی کو بیان فرمایا جس کے نشے میں قیامت کے فکر سے غافل بن جاتا ہے اسی سورۃ میں قیامت کی علامت یعنی آمد عیسیٰ علیہ السلام کو بیان فرمایا اور سورۃ الدخان میں قیامت کی دوسری علامات میں سے بھی بعض کا ذکر فرما کر جنتیوں کی کچھ نعمتوں کا ذکر فرمایا اور دوزخیوں کے عذاب کو بیان فرمایا سورۃ الجاثیہ میں کافروں کے ایک شبہ کا جواب فرمایا کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ اگر واقعی انبیاء علیہم السلام جو فرماتے ہیں وہ سچ ہے تو ہمارے مرے ہوئے باپ دادوں کو زندہ کر کے دکھا دیں، سورۃ الاحقاف میں فرمایا کہ یہ سب کچھ ہو جائے گا ذرا صبر اور ہوش سے کام لو، عذاب کا لانا اور فوراً دوٹوک فیصلہ کر دینا یہ نبیوں کا کام نہیں بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے جب وہ چاہے کر ڈالے، لیکن غور و فکر کرنے سے اس پیغام حق (قرآن مجید) کی صداقت ذہن نشین ہو سکتی ہے آخر جنات جیسی سرکش مخلوق نے بھی جب غور و فکر سے کام لیا تو فوراً جناب رسول اللہ ﷺ پر ایمان لے آئے، سورۃ محمد میں جس کا دوسرا نام القتال بھی ہے واضح طور پر سید دو عالم ﷺ پر ایمان لانے کا حکم اور اس دین اسلام کے کامل اور کامیاب ہونے کا اعلان فرمایا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اگر تم نے اس دین سے منہ موڑ لیا تو یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ نے اس دین کو تو باقی رکھنا ہے اس کے لئے دوسری قوم کو کھڑا کر دے گا جو ظاہر اور باطن میں دین کے سچے خادم ہوں گے سورۃ الفتح میں اس فتح کامل کا اعلان بھی فرما دیا کہ وہ تو فتح مبین ہے جس کا ساری دنیا اقرار کرے گی، اس لئے سب لوگ آخری نبی محمد رسول اللہ ﷺ پر صدق دل سے ایمان لاؤ اور ان کی ہر بات کو بلا چون و چرا تسلیم اور تنقید و ترمیم قبول کرو اس اطاعت اور فرماں برداری کے

آداب سورۃ الحجرات میں بیان فرمائے کہ یہ تو ہو سکتا ہے کہ تمہاری ظاہر بین آنکھیں ایک بات کو نہ دیکھ سکیں لیکن کمال ادب اور انقیاد و اطاعت تو یہ ہے کہ بن دیکھی باتوں پر یقین لاؤ اسی کا نام ایمان بالغیب ہے اس انکار اور اس کے جواب کو سورۃ قٓ میں بیان فرمایا اور انبیاء علیہم السلام کے ساتھ استہزاء کرنے والوں کا انجام بد اور انبیاء علیہم السلام کے کمال ایمان اور یقین کو سورۃ الذاریات میں بیان فرمایا کہ قوم لوط کس طرح تباہ ہوئی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے باوجود کبر سنی کے کس طرح اعطاء اولاد کی بشارت پر یقین کامل فرمایا۔ دنیاوی عذاب تو چند روزہ ہے مگر اخروی عذاب ابدی ہے اور وہ ضرور آ کر رہے گا۔ دنیا کی کوئی طاقت اس کو روک نہیں سکتی اس کو سورۃ والطور میں بیان فرمایا۔ عذاب و ثواب جزاء و سزا یہ سب باتیں اسی وقت قابل تسلیم ہو سکتی ہیں۔ جب کہ ان باتوں کے بیان فرمانے والے آقا اور مولیٰ ﷺ کی بات کو منجانب اللہ مصدقہ سمجھا جائے اس صفت رسالت اور فضیلت نبوت کو سورۃ النجم میں بیان فرمایا۔ سید دو عالم ﷺ کی صداقت پر حسی دلائل بھی اس قدر کثرت سے ہیں کہ ان کا شمار ناممکن ہے۔ البتہ چند دلائل اور منجزات ایسے ہیں کہ جن تک انسانی رسائی ناممکن ہے ایک معجزہ عظیم شق القمر کو سورۃ القمر میں ذکر فرمایا۔ سورۃ الرحمٰن میں آپ کی نبوت کاملہ اور شاملہ جن و انس کو بیان فرماتے ہوئے انسانوں پر اپنی بیکراں نعمتوں کو بیان فرمایا کہ انسان کو چاہئے ایسے عظیم رب (پالنے والے) پر ایمان لائے جب اتنے بڑے محسن اور مربی کی ایک دو نعمت کا انکار بھی خلاف حکمت اور عبدیت کے خلاف ہے تو اس قدر انعامات کرنے والے رب کی نعمتوں کا انکار کس طرح صحیح سمجھا جا سکتا ہے؟ سورۃ الواقعہ میں انسان کی بے بسی اور عجز حقیقی کو بیان فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنے نظام ربوبیت سے کرم نوازی نہ فرمائے تو انسان آگ، ہوا پانی تک کو اپنے لئے میسر نہیں کر سکتا یہ

ساری کائنات اور انسانی ضروریات اسی اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائی ہیں۔ انسان کو چاہیئے کہ اپنے عظیم پروردگار کی عبادت میں سرشار رہے۔ خود بھی اللہ تعالیٰ کا مطیع فرماں بردار رہے اور دوسروں کو بھی اسی طرح صراطِ مستقیم پر چلانے کی کوشش کرے۔ انبیاء علیہم السلام نے اسی مقصد عظیم کو لے کر اور صبر وتحمل سے کام لیا لیکن جب باطل ان کے مقابلہ میں حد سے بڑھنے لگا تو انہوں نے طاقت کا استعمال بھی کیا جیسا کہ سورۃ الحدید میں بیان فرمایا۔ جب پہلی امتوں نے انبیاء علیہم السلام کی تلقین فرمودہ تعلیم سے منہ موڑ لیا اور خود اپنی طرف سے مسائل گھڑنے شروع کر دیئے تو وہ امتیں، ہلاک ہوگئیں اس لئے قرآن نے رہبانیت سے روکتے ہوئے سورۃ المجادلہ میں مسئلہ ظہار کی تردید کرتے ہوئے انبیاء اور رسل علیہم السلام کے اختیارہ کردہ راہ حق کی کامیابی کو بیان فرمایا۔ اللہ تعالیٰ سے کامل تعلق اور اسی کی ذات پر پورا یقین اور اعتماد کفار اور مشرکین اور دوسرے دینی معاندوں اور مقابلوں پر غالب کر دیتا ہے سورۃ الحشر میں یہودیوں کی بزدلی اور ان کی شکست اور مسلمانوں کی فتح اور کامرانی کو بیان فرمایا۔ غیر مسلموں سے جہاد کے کچھ شروط اور قواعد ہیں اور کچھ اس کی حدود ہیں۔ ان حدود کو سورۃ الممتحنہ میں بیان فرمایا اور سورۃ الصّٰفّٰت میں جہاد کی فضیلت اور اس امت محمدیہ (صلی اللہ علی صاحبہا السلام والتحیہ) کامرانی کو بیان فرماتے ہوئے حضرت مسیح ابن مریم علیہما السلام کی اس بشارت کو ذکر فرمایا جو آپ نے سید دو عالم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے متعلق ارشاد فرمائی ہے۔ سورۃ الجمعہ میں آپ کے فضائل اور آپ کی نبوت کاملہ۔ ختم نبوت کو بیان فرماتے ہوئے مسلمانوں کو حکم فرمایا کہ دین کی اشاعت جہاد پر موقوف ہے اور مجاہد وہی بن سکتا ہے جو موت سے نہ ڈرے دنیاوی مال ومنال کا خواہش مند ان بندشوں میں پڑ کر حقیقی مقصد سے غافل اور بے خبر ہو جاتا ہے۔ سورہ تغابن میں مال اور اولاد کو فتنہ سے تعبیر کرتے

ہوئے قیامت کے نقصان عظیم سے بچنے کی تلقین فرمائی۔ لیکن ہر اولاد اور ہر مال اور ہر بیوی فتنہ نہیں ہے بلکہ ان کو صحیح راستے پر چلانے سے یہ رحمت اور برکت بن جاتے ہیں سورۃ الطلاق میں عورتوں کے حقوق کو بیان فرمایا حسن معاشرت کے ساتھ اگر نبھانہ ہوسکے اور نوبت طلاق تک آپہنچے تو پھر تمہارا اخلاقی فریضہ یہ ہے کہ طلاق بھی شریفانہ طریقہ پر دو۔ مردوں کو بالادستی اور فوقیت تو حاصل ہے مگر اس کا یہ مطلب نہ لیا جائے کہ وہ عورتوں کو مقبول بارگاہ خداوندی نہ سمجھیں بلکہ جس طرح مردوں میں نیک و بد موجود ہیں اسی طرح عورتوں میں بھی ہیں بلکہ بعض اوقات تو عورتیں راہ حق کے لئے بڑی سے بڑی قربانی بھی دے ڈالتی ہیں آخر امرأۃ فرعون بھی تو ایک عورت ہی تھی مگر کس طرح راہ حق میں ثابت قدم رہی کہ قرآن نے ان کو مؤمنوں کے لئے معیار حقانیت کے طور پر پیش فرمایا یہ بات سورۃ التحریم میں ارشاد فرمائی سورۂ تحریم میں فرعون کی بیوی کا ایمان لانا اور فرعون کی ناکامی کو بیان فرمایا۔ سورۃ الملک میں فرمایا یہ سب بتانِ آذری ہیں۔ حقیقی بادشاہ اور ہر چیز پر قادر تو صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور اس کی شہنشاہی اور حقیقی بادشاہی کی ایک بڑی علامت یہ ہے کہ وہ موت اور حیات کا مالک ہے جسے چاہے زندگی بخشے اور جسے چاہے موت سے دوچار کر ڈالے یہ طاقت کسی میں بھی نہیں اسی مسئلہ پر آسیہ خاتون نے عقیدہ کے طور پر یقین کر لیا تھا اور مجازی شہنشاہی کے تمام ڈراوے اور رعب روندتے ہوئے صابر رہی اور چند روزہ زندگی کو حقیقی دائمی زندگی پر نثار کر دیا آج کے سب متکبر اور مغرور خود بزبان حال بزبان قال قیامت کے دن اقرار کریں گے کہ ہم گنہ گار اور سرکش تھے مگر اس وقت کے اقرار سے کیا فائدہ؟ قیامت کا عذاب تو ہوگا ہی ہم تو دنیا میں بھی عذاب لانے پر قادر ہیں اور کبھی کبھی عبرت کے طور پر یہ عذاب لے آتے ہیں جیسا کہ ''سورۃ القلم'' میں فرمایا کہ انسانوں کے سب اعمال ہمارے علم میں ہیں اور

ہم دنیا میں کبھی کبھی عذاب دے ڈالتے ہیں جیسا کہ اصحٰب الجنۃ باغ والوں کا قصہ مشہور ہے۔ اسی طرح قوم ثمود اور عاد جیسی زبردست جابر اور وقتی طور پر ترقی یافتہ قوم کو تہ وبالا کر کے رکھ دیا کہ آج ان کا ایک فرد بھی باقی نہیں جیسا کہ سورۃ الحاقہ میں فرمایا۔ اگرچہ منکر اس عقیدہ پر ایمان اور یقین نہیں رکھتے اسی لئے وہ اس عذاب کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کرتے ہیں مگر انبیاء علیہم السلام اسی یقین پر ثابت اور جازم رہے آپ کو بھی اسی کی تلقین کی گئی کہ یہ بات ضروری ہے اس کو سورۃ معارج میں بیان فرمایا۔ اور ان کو سمجھا دیجئے کہ عذاب الٰہی کو کوئی طاقت روک نہیں سکتی اور نہ ہی عذاب الٰہی کو کوئی قوم برداشت کر سکتی ہے نوح علیہ السلام نے کس قدر صبر اور برداشت سے کام لیا مگر جب اس سرکش قوم پر عذاب آیا تو اس نے بھی ساری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اس لئے دنیا والوں کو چاہیے کہ وہ عقل و دانش اور تدبر سے کام لیں اور دل کے کان لگا کر اللہ تعالیٰ کی بات سنیں تو سمجھ میں آجائے گی اور دل قبول کرے گا آخر جنوں جیسی سرکش قوم نے بھی ایمان لائے بغیر چارہ کار نہ سمجھا اور وہ بھی فَاٰمَنَّا بِهٖ پکار اٹھے اس کو سورۃ الجن میں بیان فرمایا۔ جس حبیب خدا ﷺ سے ان کی مخالفت ہے انہی پر جنات جان نثار کرنا فخر سمجھتے تھے۔ اس لئے سید دو عالم ﷺ کو سورۃ المزمل میں ارشاد فرمایا کہ آپ صبر وتحمل سے کام میں لگے رہیں اللہ تعالیٰ آپ کا حامی اور ناصر ہے۔ رات کو خلوتوں میں زیادہ رجوع الی اللہ کریں میری بات کو ان تک پہنچاتے رہیں۔ ان کی سرزنش اور سزا یہ میرا کام ہے یہی بات سورۃ المدثر میں بیان فرماتے ہوئے سورۃ الدھر میں حشر اجساد اور انسانی طاقت کی بے ثباتی کو بیان فرمایا۔ کہ پانی کی بوند سے سمیع اور بصیر بنانے والا کیا اس کے دوبارہ پیدا کرنے پر قادر نہیں؟ یقیناً قادر ہے۔ اس لئے جو لوگ خداوند

نافرمان ہیں وہ قیامت کے دن عذاب جہنم کے مستوجب ہوں گے اور اس وقت اپنی بدبختی کا ماتم کریں گے۔ مگر اس وقت کیا فائدہ؟ سورۃ المرسلات میں اس کو بیان فرماتے ہوئے سورۃ النباء میں قیامت کی ہولنا کی اور مطیع فرماں بردار بندوں پر الطاف الٰہی کا نزول بیان فرمایا سورۃ والنازعات میں دوسری چند عبرت آموز باتیں کرنے کے ساتھ ہی دنیا کی بے ثباتی کو بیان فرمایا کہ جس دنیاوی عیش وعشرت کے لئے یہ قیامت کے منکر ہیں۔ یہ ساری عیش ولذت قیامت کے دن صرف تھوڑی سی دیر کا منظر اور جلوہ نظر آئے گی سورہ عبس میں آپ کو خطاب فرمایا کہ جو لوگ قیامت سے ڈرنے والے ہیں ان کی طرف زیادہ توجہ دینی چاہئے۔ اور وہی اس تذکرہ (قرآن عظیم) سے فائدہ حاصل کریں گے۔ انسان کی نافرمانی اور ناقدری کو بیان فرمایا کہ یہ بھی عجیب مخلوق ہے اگر سوچ اور سمجھ سے کام لے اور وہ اپنی روزانہ زندگی کے لیل و نہار کو مشاہدہ کرے تو اس کے ذہن میں بات آسکتی ہے سورہ التکویر، الانفطار، التطفیف، الانشقاق میں علامات قیامت کو بیان فرمایا۔ سورۃ البروج میں مکذبین کا دنیاوی انجام بد اصحاب الاخدود کی ہلاکت کی شکل میں بیان فرمایا۔ سورۃ الطارق، الاعلیٰ، الغاشیہ میں قیامت کی ہولنا کی اور ہلاکت اور شدۃ عذاب کو بیان فرمایا۔ سورۃ الفجر میں دنیاوی عذاب برائے منکرین، اعمال مفیدہ برائے حسن خاتمہ اعمال بد برائے سوءِ خاتمہ کو بیان فرماتے ہوئے راہ جنت کی نشاندہی فرمادی۔ سورۃ البلد میں عباد اللہ کی کچھ علامات (غلاموں کا آزاد کرنا، مسکینوں کو کھانا کھلانا، اقربا پروری) بیان فرمائیں سورۃ الشمس، اللیل میں قیامت ہی کے حالات کو بیان فرمایا۔ ان سب باتوں پر ایمان اور عقیدہ تب پیدا ہوسکتا ہے کہ سید دو عالم ﷺ کی شان عظیم کا اعتراف یقین ہو سورۃ والضحیٰ اور انشراح میں مقام رسالت کو بیان فرمایا اور سورۃ والتین میں اس امر کا اعادہ فرمایا کہ انسانی

شرافت عطیہ خداوندی ہے مگر اسی وقت تک ہے جب تک وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کا پابند رہے سورۃ العلق میں آپ کو اپنے فرض منصبی اداء رسالت اور پیغامات خداوندی کا حکم دیتے ہوئے آپ کو بشارت دی کہ ان مجرموں اور منکروں کو ہمارے حوالہ کر دیجئے۔ ان کا ہم انتظام کرلیں گے۔ سورۃ القدر میں اس پیغام کی عظمت کا بیان ہے جو سید دوعالم ﷺ پر نازل ہوا اس کی عظمت کا کیا ٹھکانہ؟ جس رات یہ پیغام اترا وہ رات ایک ہزار مہینوں سے بہتر اور باعظمت اور باوقار ہے۔ سورۃ البینہ میں سید دوعالم ﷺ کی شان رفیع اور اس کلام کی شان عظیم کو بیان فرمایا۔ اس کلام کا ایک بڑا اثر یہ ہے کہ اس کے پڑھنے، سننے، عمل سے خشیت خداوندی پیدا ہوتی ہے۔ اور خشیت الٰہی ہی سے قیامت کا یقین پیدا ہوتا ہے جس میں ہر عمل قلیل اور عمل کثیر کو بندہ دیکھ لے گا اور اس کو اسی کی سزا اور جزاء دی جائے گی۔ عمل خیر میں مجاہدوں کے گھوڑوں کی ٹاپیں تک شمار ہوگی جیسا کہ سورۃ والعدیت میں بیان فرمایا عمل خیر اور عمل شر کے محاسبہ کے بعد یا تو جنت ملے گی اور یا جہنم رسید ہوگا۔ جس عذاب قیامت اور عذاب قبر کے ساتھ نافرمان اور گستاخ آج ٹھٹھا کرتے ہیں۔ آنکھیں بند ہونے کی دیر ہے اس عذاب کو اپنی ان آنکھوں سے دیکھ لیں گے اس کو سورۃ التکاثر میں بیان فرمایا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ انسان کی نافرمانی اور سرکشی کی سب سے بڑی وجہ مال کی حرص اور اس کو جمع کرنے کی خواہش ہے حالانکہ زمانہ اس بات پر گواہ ہے کہ انسانی خواہشات کی پیروی کرنے والے دنیا سے مٹ گئے نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم۔ سورۃ العصر میں تاریخی حقیقت کو بطور ناقابل انکار تردید شہادت کے پیش فرمایا۔ اور سورۃ الھمزہ میں ایسے دنیا پرست خدا کے باغی اور نافرمان انسان کی دنیاوی اور اُخروی سزا کا ذکر فرمایا۔ دنیاوی سزا میں اصحٰب الفیل کا وہ واقعہ ذکر فرمایا جس کو قرآن مجید کے اولین مخاطب اہل مکہ جانتے تھے اگر خدا نخواستہ ...

اس پر قابض ہو جاتا تو قریش کی عزت بھی جاتی رہتی اور معاشی طور پر بھی وہ قلاش ہو جاتے اس لئے ان کو تو بجائے مخالفت کے سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور پیروی کرنی چاہئے شرک پر لات مار کر توحید کے غلام بن جانا چاہیئے۔ اس کو سورۃ قریش میں بیان فرمایا۔ بھوک سے پیٹ بھر جائے تو اس منعم حقیقی کا شکریہ ادا کرو اور اس کی مخلوق کے ساتھ حسن سلوک کرو، سورۃ الماعون میں اس کو بیان فرمایا۔ ہر طرح کی قربانی (مالی۔ بدنی) ہی سے انسان کو خیر کثیر ملتی ہے۔ جس میں دنیاوی بہتری۔ قرآن مجید کا عطیہ گرامی، حوض کوثر سب شامل ہیں اس کو سورۃ الکوثر میں ارشاد فرمایا اس لئے آپ اپنے ذکر وفکر میں مصروف رہئے ان کافروں سے فرما دیجئے میں تم سے اور تمہارے معبودوں سے ہمیشہ بیزار اور متنفر ہوں گا لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَلِیَ دِیْنِ ○ مگر یاد رکھو عنقریب یہی شہر مکہ مکرمہ فتح ہو جائے گا اور جس شہر میں تم ٹھہرنے نہیں دیتے اسی شہر میں میرے رحم وکرم کے محتاج ہو کر میرے دامن رحمت میں پناہ ڈھونڈو گے اور امن پاؤ گے، اسی کو سورۃ النصر میں ارشاد فرمایا، اور اب جو مجھے پتھر مارتے ہیں میری بدخواہی کو اپنی کامیابی سمجھتے ہیں یہ ابولہب اور اس کی صلاح کار بیوی دنیا ہی میں واصل جہنم ہوں گے ان کی یہ کثیر اولاد اور مال و دولت عذاب الٰہی سے نہ بچا سکے گا اب واضح طور پر اعلان فرما دیجئے کہ جس معبود برحق کی طرف میں بلاتا ہوں اور جس پر میرا ایمان اور ایقان ہے نہ تو اس کی ذات میں کوئی شریک اور نہ ہی اس کی صفات میں بلکہ وہ تو اپنی ذات وصفات میں اَحَدٌ ہے یہ نامراد دشمن اب بزدلوں کی طرح چھپ چھپ کر حملہ کریں گے جادو اور جنتر منتر سے کام لیں گے مگر ان کی یہ شرارتیں بھی ناکام رہیں گی سورۃ الفلق پڑھا کیجئے اور باطنی وسوسوں سے محفوظ رہنے کے لئے سورۃ الناس کی تلاوت کرتے رہیئے۔ الحمد للہ والشکر للہ۔

اس پر قابض ہو جاتا تو قریش کی عزت بھی جاتی رہتی اور معاشی طور پر بھی وہ قلاش ہو جاتے اس لئے ان کو تو بجائے مخالفت کے سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور پیروی کرنی چاہئے شرک پر لات مار کر توحید کے غلام بن جانا چاہیئے ۔ اس کو سورۃ قریش میں بیان فرمایا۔ بھوک سے پیٹ بھر جائے تو اس منعم حقیقی کا شکریہ ادا کرو اور اس کی مخلوق کے ساتھ حسن سلوک کرو، سورۃ الماعون میں اس کو بیان فرمایا۔ ہر طرح کی قربانی (مالی۔ بدنی) ہی سے انسان کو خیر کثیر ملتی ہے۔ جس میں دنیاوی بہتری۔ قرآن مجید کا عطیہ گرامی، حوض کوثر سب شامل ہیں اس کو سورۃ الکوثر میں ارشاد فرمایا اس لئے آپ اپنے ذکر وفکر میں مصروف رہئے ان کافروں سے فرما دیجئے میں تم سے اور تمہارے معبودوں سے ہمیشہ بیزار اور متنفر ہوں گا لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ۞ مگر یاد رکھو عنقریب یہی شہر مکہ مکرمہ فتح ہو جائے گا اور جس شہر میں تم ٹھہرنے نہیں دیتے اسی شہر میں میرے رحم وکرم کے محتاج ہو کر میرے دامن رحمت میں پناہ ڈھونڈو گے اور امن پاؤ گے، اسی کو سورۃ النصر میں ارشاد فرمایا، اور اب جو مجھے پتھر مارتے ہیں میری بدخواہی کو اپنی کامیابی سمجھتے ہیں یہ ابولہب اور اس کی صلاح کار بیوی دنیا ہی میں واصل جہنم ہوں گے ان کی یہ کثیر اولاد اور مال و دولت عذاب الٰہی سے نہ بچا سکے گا اب واضح طور پر اعلان فرما دیجئے کہ جس معبود برحق کی طرف میں بلاتا ہوں اور جس پر میرا ایمان اور ایقان ہے نہ تو اس کی ذات میں کوئی شریک اور نہ ہی اس کی صفات میں بلکہ وہ تو اپنی ذات وصفات میں اَحَدٌ ہے یہ نامراد دشمن اب بزدلوں کی طرح چھپ چھپ کر حملہ کریں گے جادو اور جنتر منتر سے کام لیں گے مگر ان کی یہ شرارتیں بھی ناکام رہیں گی سورۃ الفلق پڑھا کیجئے اور باطنی وسوسوں سے محفوظ رہنے کے لئے سورۃ الناس کی تلاوت کرتے رہیئے۔ الحمد للہ والشکر للہ۔

”قرآن کریم کی ابتداء اور انتہاء میں مناسبت“

سورۃ فاتحہ میں صراط مستقیم کی طرف راہ نمائی کی دعا سکھائی گئی اور سورۃ بقرہ کے شروع میں بطور جواب کے فرمایا کہ وہ ہدایت ذالک الکتب ہے۔ مگر اس کتاب حکیم میں کچھ حقیقتیں ایسی بھی ہوں گی جو انسانی عقول میں آسانی سے سمجھ میں نہ آسکیں اس لئے قرآن مجید سے راہ نمائی حاصل کرنے کی اولین شرط یہ ہے کہ ایمان بالغیب ہو۔ مگر جو لوگ اس نور حق کے مخالف ہوں گے وہ آپس میں گٹھ جوڑ کر کے وساوس اور خطرات پیدا کرتے رہیں گے۔ دین کے دشمن کھل کر تو دین کی مخالفت کم کرتے ہیں ان کی سعی مذموم یہ ہوتی ہے کہ خناسیت کو اختیار کرتے ہیں جس کی صورت یہ ہے کہ بظاہر تو اتباع کا اعلان کرتے ہیں مگر دراصل کمین گاہ سے حملہ آور ہوتے ہیں ایسے دشمن سے بچنے کے لئے خداوند قدوس کی پناہ میں آجانا چاہیئے شاید اسی مناسبت سے سید دوعالم ﷺ نے سورۃ الناس کو آخر میں رکھا۔ واللہ اعلم

فائدہ: یہ ربط جو سارے قرآن مجید کا پیش کیا گیا ہے یہ الفاظ قرآنی اور معانی پر غور وفکر کے بعد مرتب کیا گیا ہے یہ اس تدبر فی القرآن کا نتیجہ ہے جو اس طالب کو اللہ تعالیٰ نے بخشا ہے اگر درست ہے تو اللہ تعالیٰ قبول فرماویں اور اگر اس میں کچھ خامی ہے تو اللہ تعالیٰ معاف فرما کر صحیح سمجھ عطا فرمادے۔ آمین

آیات قرآنیہ کا باہمی ربط

قران کریم کی سورتوں میں ربط کی مختصر سی بحث گذر چکی اسی طرح آیات قرآنیہ کا بھی باہمی ربط موجود ہے غور وفکر اور تدبر سے کام لیا جائے تو آیات کا ربط بالکل واضح طور پر سمجھ آجاتا ہے ذیل میں چند مثالیں دی جاتی ہیں۔

۱۔ سورۃ بقرہ میں آیت نمبر ۶ ۷ ا تا آیت نمبر ۲۱۰ بظاہر آپس میں بے ربط

معلوم ہوتی ہیں کہیں تحویل قبلہ کا حکم پھر روزے کا اور ساتھ ہی قصاص وحج کا یہ سب احکام علیحدہ علیحدہ نوعیت کے ہیں لیکن اگر تدبر کیا جائے تو ان میں ربط موجود ہے۔
پہلی آیت میں تقویٰ کا اجمالی تعارف کراتے ہوئے فرمایا اُولٰئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْن۔ اب اس تقویٰ کے مختلف شعبے ہیں کچھ حقوق العباد ہیں اور کچھ حقوق اللہ ہیں چنانچہ ان سب کے آخر میں تقویٰ کی نشاندہی فرمائی قصاص کے متعلق فرمایا لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْن اور روزہ کے متعلق بھی یہی فرمایا۔ وصیت کے بارے میں فرمایا حقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْن اور حج کے بارے میں فرمایا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى گھروں کو سیدھے راستے سے آنے کے متعلق فرمایا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى خلاصہ یہ کہ جب تقویٰ کو موضوع سمجھا جائے تو اب ساری کی ساری آیات اس موضوع پر بالکل صحیح ربط کے ساتھ منطبق ہو جائیں گی۔

۲۔ سورۃ بقرہ آیت نمبر ۱۵۳ میں صبر کا حکم دیتے ہوئے فرمایا اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْن ۝ اس کے فوراً بعد صفا اور مروہ کو شعائر اللہ سے قرار دیتے ہوئے حج اور عمرہ میں ان کے درمیان سعی کا حکم فرمایا پھر اس کے بعد مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ کو چھپانے والوں کی سزا اور ان کے عذاب کو بیان فرمایا۔ بظاہر یہ سب آیات غیر مربوط ہیں۔ مگر تدبر فی القرآن کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ ان کا باہمی ربط کامل طریقہ پر موجود ہے صابر کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی معیت کس طرح ہوتی ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ کس طرح رفیع مقام عطاء فرماتے ہیں اس کی مثال حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے صبر سے بیان فرمادی کہ کس طرح اللہ تعالیٰ کے ایک مخلص بندے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ارشاد خداوند کریم کی تعمیل میں صبر اختیار کیا دودھ پیتے بچے کو، جوان سال بیوی کو گھر سے دور وادی غیر ذی زرع میں لا کر چھوڑ دیا۔ پھر بیوی نے

کس قدر صبر کیا کہ جو بات اللہ کی طرف سے پہنچی اس پہ بصدق دل عمل کیا۔ اس تمام تکلیف اور ابتلاء پر ثابت قدمی کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کا یہ عمل اللہ تعالیٰ کے شعائر میں سے بن گیا۔

فائدہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا حاجیوں کو صفا مروہ کے درمیان جو سعی کا حکم دیا گیا ہے یہ حضرت ہاجرہ کی اس عبادت کے بعد دیا گیا ہے''

(۳) سورۃ آل عمران کی آیت نمبر ۱۵۵ میں فرمایا کہ غزوہ احد میں کچھ لوگوں کو شیطان نے بہکایا تھا اب اس کی چند صورتیں بیان فرمائیں۔

ا: وہ شہداء کے وارثوں کے دلوں میں یہ شبہ ڈالتے ہیں کہ اگر جہاد کو نہ نکلتے تو نہ مرتے آیت نمبر ۱۵۶۔

ب: نبی علیہ السلام کے متعلق بعض کے دلوں میں غلول کا شبہ ڈال دیا آیت نمبر ۱۶۷

ج: ان کا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں۔ آیت نمبر ۱۸۱

علیٰ ہذا القیاس کافی آیات میں قدرے مشترک یہ پائی جاتی ہے کہ شیطان کس طرح مسلمانوں کو راہ اطاعت سے بہکانے کی تجویز پیش کرتا ہے۔

(۴) سورہ طٰہٰ میں فرمایا الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى اس سے یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ رحمن عرش پر اسی طرح جلوہ افروز ہے جس طرح ایک جسم کسی جگہ جلوہ نما ہوتا ہے حالانکہ یہ عقیدہ تو بالکل غلط ہے اس سے خداوند قدوس کا محدود ہونا لازم آجاتا ہے جو محدود ہو تو خدا کیسا؟ بلکہ وہ ہر جگہ موجود وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطٌ ہے اس کے فوراً بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس تجلی کو بیان فرمایا جو آپ کو کوہ طور پر نظر آئی۔ اور اس آگ میں سے یہ آواز آئی اِنِّیْ اَنَا اللّٰهُ تو جس طرح وہاں آگ میں خداوند قدیر محدود نہیں اسی طرح عرش عظیم پر بھی محدود ہو کر متمکن نہیں۔

(۵) سورۃ المائدہ کی آیت نمبر ۵۷ میں مسلمانوں کو متنبہ فرمایا کہ جو لوگ دین

اسلام کے ساتھ تمسخر کرتے ہیں ان کو اپنا رفیق نہ بناؤ۔ اس تمسخر کی ایک مثال تو آیت نمبر ۵۸ میں دی مگر دوسری مثال آیت نمبر ۶۷ میں دی کہ یہودیوں نے اللہ تعالیٰ کے نام پر صدقہ دینے کے ساتھ ٹھٹھا کیا۔

خلاصہ یہ کہ آیات کا باہمی ربط کامل وجہ سے موجود ہے اس میں غور و تدبر سے کام لینے کی ضرورت ہے۔

دوسرے قواعد کا بیان

(۱) ہر سورت کی ابتدائی چند آیات سورۃ کے مضامین کی طرف اشارہ کرتی ہیں ابتدائی آیات میں تدبر کرنے سے آنے والے مضامین کا خلاصہ اور اس کی جھلک مترجم اور مفسر کے ذہن میں آسکتی ہے جیسا کہ سورۃ آل عمران کی ابتدائی آیات میں فرمایا۔

الٓمٓ ۝ اَللّٰہُ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ...... تا...... ھُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُکُمْ فِی الْاَرْحَامِ کَیْفَ یَشَآءُ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا ھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ

حروف مقطعات کی بحث میں گذر چکا ہے کہ یہ عموماً ان سورتوں کے شروع میں آئے ہیں جن میں ایسے واقعات بیان فرمائے جو ناقص عقول تعجب کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ یہاں بھی یہ کلمات اس امر کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ اس سورۃ میں آنے والے واقعات شاید تمہاری سمجھ میں نہ آسکیں مگر جس طرح تم ان حروف مقطعات کا معنی نہ سمجھنے کے باوجود ان کو کلام الٰہی سمجھتے ہو۔ اسی طرح ان واقعات کو بھی صحیح سمجھو جو تمہاری ناقص سمجھ اور ناقص فہم سے بالاتر ہیں دوسری آیت میں اسم الٰہی الحی القیوم فرمایا۔ اس میں بھی یہ حکمت معلوم ہوتی ہے کہ ہمیشہ زندہ رہنا کائنات کو تھامنا یہ صرف اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے کوئی مخلوق جو پہلے نہ ہو پھر پیدا کی جائے اور وہ اپنے وجود کی بھی حفاظت نہ کر سکے جب تک کہ اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت نہ کرے وہ کس

طرح معبود یا شریک معبود ہو سکتی ہے؟ اسی طرح اللہ تعالیٰ الحی ہے پیدا کرنا اسی کی صفت اور اسی کے اختیار میں ہے وہ چاہے تو بلا باپ کے بھی پیدا کرے جیسا کہ مسیح ابن مریم علیہما السلام کو پیدا فرمایا۔ آگے چل کر اللہ تعالیٰ کی صفت مصور کو بیان فرمایا کہ شکلیں بنانے والا تو وہی ہے ماں کے رحم میں بھی اس کا تصرف چلتا ہے اگر حضرت مسیح علیہ السلام کو رحم مادر میں بلا باپ کے پیدا فرما دیا تو تمہیں اس پر ایمان لانا چاہیئے .... اسی طرح سورۃ النساء کی پہلی آیت میں فرمایا:

يَآ يُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَ لُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ○

اس آیت میں تدبر کرنے سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ آنے والی آیات انسان کی دونوں قسموں مرد اور عورت کے حقوق بیان کرتی ہیں، اللہ سے ڈرنے کا حکم فرماتے ہوئے فرمایا کہ وہی تمہارا رب ہے تمہیں وہی اللہ تعالیٰ پالتا ہے مال اور دولت تمہارا رب نہیں کہ تم غیروں کا مال کھاتے رہو، پھر یہ فرمایا کہ اسی اللہ تعالیٰ نے تم سب کو نفس واحدۃ سے پیدا کیا جس طرح مرد اولاد آدم ہونے کیوجہ سے آدمی کہلاتے ہیں اسی طرح عورت بھی اولاد آدم ہونے کیوجہ سے آدمی ہے، پھر دونوں کے حقوق میں اس قدر فرق کہ ایک کا سب کچھ اور ایک کا کچھ بھی نہیں، اسی طرح حضرت آدم کی بیوی حوا علیہا السلام بھی انسانی معاشرہ اور انسانی آبادی کا رکن عظیم ہے تو چاہیئے کہ عورتوں کے حقوق بھی ادا کئے جائیں، اسی طرح ناتے اور رشتے کا لحاظ جب دوسرے دنیاوی امور میں رکھا جاتا ہے تو انکو وراثت میں سے بھی حصہ دیا جائے یتامیٰ کے اموال کو نہ کھایا جائے۔

اسی طرح سورۃ یونس کی ابتداء تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِیْمِ سے فرمائی جس سے اشارہ ہوسکتا ہے کہ یونس علیہ السلام کا شہر سے نکل جانا یہ بھی ایک حکمت تھی کہ عذاب سے ڈر کر قوم ایمان لے آئی۔ (واللہ اعلم)

اسی طرح قرآن مجید کی ہر سورت کے شروع میں غور و تدبر سے بحمدہٖ تعالیٰ وتوفیقہ سورۃ میں آنے والا مضمون سمجھ میں آ سکتا ہے۔

(۲) سیاق وسباق کا لحاظ رکھنا

ہر کلام کا آگا پیچھا دیکھ کر ہی اس کا معنیٰ مراد متعین کیا جا سکتا ہے، کسی بھی کلام کے مقدم اور مؤخر کو خیال نہ کر کے ترجمہ یا معنیٰ مراد متعین کر لینا قواعد کلام کے سراسر خلاف ہے، مشہور بات ہے کہ قرآن مجید کی آیت لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ سے اگر بے نماز استدلال کر لیں کہ اس میں نماز پڑھنے سے روک دیا گیا اور وَاَنْتُمْ سُكٰرٰی (النساء نمبر ۴۳) کا لحاظ نہ رکھیں تو یہ ارشاد قرآنی کے سراسر خلاف ہوگا، قرآن مجید سیاق وسباق میں معنیٰ مراد کو خود صاف اور واضح فرما دیتا ہے کسی خارجی تاویل یا تحقیق کی ضرورت ہی نہیں رہتی یہاں چند مثالیں درج کی جاتی ہیں۔

(۱) سورۃ بقرہ آیت نمبر ۲۵۷ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِیٰٓـؤُهُمُ الطَّاغُوْتُ لفظ طاغوت کا معنیٰ بعض مفسرین نے یہ کیا ہے کلما عبد من دون اللہ فھو الطاغوت اور اس سے نتیجہ یہ نکالا اس معنی بموجب طاغوت جن اور ملائکہ اور رسول کو بولنا جائز ہوگا۔

حالانکہ اس معنیٰ پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ عبادت تو حضرت مسیح علیہ السلام کی بھی کی گئی تو کیا (نعوذ باللہ) ان کو بھی طاغوت کے زمرہ میں شریک کیا جائے گا حالانکہ قرآن مجید نے اسی آیت میں اسی کلمہ کیساتھ طاغوت کا کام بھی بتا

دیا یُخرِجُونَهُم مِنَ النُّورِ اِلَی الظُّلُمٰتِ اُولٰئِکَ اَصحٰبُ النَّارِ هُم فِیهَا خٰلِدُونَ کیا انبیاء علیہم السلام اور اولیاء امت اور علماء راسخ العقیدہ لوگوں کو ظلمات کی طرف لیجاتے ہیں یا ظلمات سے نکالتے ہیں؟ ظاہر ہے کہ علماء کرام اور صلحاء امت، انبیاء علیہم السلام ظلمت سے نکال کر نور کی طرف لانے کی سعی بلیغ فرماتے ہیں اسلئے ان پر اس کلمے کا اطلاق ہرگز نہیں ہوسکتا طاغوت کا کلمہ قرآنی زبان میں شیطان کے مترادف ہے جیسا کہ سورۃ نساء آیت نمبر ۷۶ میں فرمایا:

وَالَّذِینَ کَفَرُوا یُقَاتِلُونَ فِی سَبِیلِ الطَّاغُوتِ فَقَاتِلُوا اَولِیَاءَ الشَّیطٰنِ اِنَّ کَیدَ الشَّیطٰنِ کَانَ ضَعِیفًا○

اس آیت میں لفظ طاغوت کی تعبیر شیطان کے لفظ سے کر دی، شیطان کی دو قسمیں قرآن مجید میں ذکر فرمائی ہیں شیاطین الانس والجن (الانعام نمبر ۱۱۲) یہ ظاہر ہے کہ جو کوئی اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں لے آئے وہ شیطان بھی ہے اور طاغوت بھی۔ مگر اس میں اس کی اپنی رضا اور خوشنودی شرط ہے اس لئے علماء محققین نے طاغوت کی تشریح میں فرمایا:

ماعبد من دون اللہ وهو راض

ترجمہ: جس کی اللہ کے مقابلے میں عبادت کی جائے اور وہ اسے پسند بھی کرے۔

(۲) سورۃ الحاقہ میں فرمایا:۔

وَلَو تَقَوَّلَ عَلَینَا بَعضَ الاَقَاوِیلِ لَاَخَذنَا مِنهُ بِالیَمِینِ ثُمَّ لَقَطَعنَا مِنهُ الوَتِینَ○ (نمبر ۴۴،۴۵)

ترجمہ: اگر وہ (نبی) کوئی بناوٹی بات ہمارے ذمے لگاتا تو ہم اس کا داہنا ہاتھ پکڑ لیتے پھر ہم اس کی رگ گردن کاٹ ڈالتے۔

نبوت کاذبہ کے پیرو اس آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ اگر ہمارا متنبی

جھوٹا ہوتا تو اس آیت کی روشنی میں وہ ہلاک کر دیا جاتا، حالانکہ اس آیت کے مقدم اور مؤخر کو ملایا جائے تو یہ آیت سید دو عالم ﷺ کی صداقت پر دلیل پیش کرتی ہے، پورا ارشاد قرآنی یہ ہے:۔

فَلَا أُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ۝ وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ ۝ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۝ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ۭ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ۝ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ۝ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ۝ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ۝ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ ۝ (آیت نمبر ۳۸ تا نمبر ۴۷)

ترجمہ: پس میں قسم کھاتا ہوں ان چیزوں کی جن کو تم دیکھتے ہو اور ان کی بھی جن کو تم نہیں دیکھتے کہ قرآن کلام ہے ایک معزز فرشتہ کا لایا ہوا اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں تم بہت کم ایمان لاتے ہو اور نہ کسی کاہن کا کلام ہے تم بہت کم سمجھتے ہو رب العلمین کی طرف سے بھیجا ہوا کلام ہے اور اگر یہ پیغمبر (محمد ﷺ) ہمارے ذمے کچھ جھوٹی بات لگاتا تو ہم اس کا داہنا ہاتھ پکڑتے پھر اس کے دل کی رگ کاٹ ڈالتے پھر تم میں سے کوئی بھی اس کو اس سزا سے بچانے والا نہ ہوتا۔

ان آیات میں سارا ذکر جناب محمد رسول اللہ ﷺ کا ہے جن پر کفار نے یہ الزام لگایا تھا کہ یہ اپنی طرف سے عبارت بنا کر لاتے ہیں اور اس کو کلام اللہ کہہ دیتے ہیں جیسا کہ سورۃ الطور آیت نمبر ۳۳ میں بعینہٖ یہ اعتراض نقل کرتے ہوئے فرمایا:

اَمْ يَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ بَلْ لَّا يُؤْمِنُوْنَ O

ترجمہ: ہاں کیا یہ بھی کہتے ہیں کہ انہوں نے قرآن خود گھڑ لیا ہے بلکہ یہ تصدیق نہیں کرتے۔

اس لئے قرآن مجید نے ان کے لئے یہ اعلان فرمایا:

فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖۤ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ O (نمبر ۳۴)

ترجمہ: اگر وہ سچے ہیں تو اس جیسی کلام بنا کر لے آئیں۔

(۳) سورۃ نساء آیت نمبر ۹ میں فرمایا:

وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا O

ترجمہ: اور ایسے لوگوں کو ڈرنا چاہیے اگر اپنے بعد چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑ جائیں جن کی انہیں فکر ہو اس لئے ان کو چاہیے کہ خدا سے ڈریں اور سیدھی بات کہیں۔

اس آیت میں قبیلہ کے سرکردہ لوگوں اور حاکمان وقت کو نفسیاتی طور پر سمجھایا گیا ہے کہ میت کے مال کو ضائع نہ کرو اور نہ ہی اس کی تقسیم میں چھوٹے بڑے کی تمیز رکھو بلکہ وارثوں کو پورا پورا حق پہنچاؤ اگر بعض ورثاء چھوٹے ہیں اور بعض بڑے ہیں تو تم بڑوں کی پاسداری کرتے ہوئے تقسیم وراثت میں گڑ بڑ نہ کر دو یا بعض طاقتور ہیں بعض کمزور ہیں جیسا کہ عورتیں، تو تم خدا ترسی کو ملحوظ رکھو اور یہ تصور کر لو کہ اگر تم مر جاتے اور تمہاری اولاد کمزور، ناتواں یا چھوٹی رہ جاتی اور تمہارے ورثاء مال کو غلط طریقہ پر تقسیم کرتے تو یہ کس قدر حسرتناک منظر ہوتا، انسان کی فطرت ہے کہ کسی چیز کا جب اپنے متعلق تصور کرتا ہے تو بات کو سمجھ جاتا ہے، اس لئے قوم کے بااختیار لوگوں اور دوسرے متصرف لوگوں کو حکم دیا کہ وہ کسی مرنے والے کی غلط

وصیت کی اصلاح کر سکتے ہیں اس میں ان پر شرعاً کوئی گرفت نہیں جیسا کہ سورۃ بقرہ آیت نمبر ۱۸۲ میں فرمایا:

فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَیْنَهُمْ فَلَا اِثْمَ عَلَیْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝

ترجمہ: پس جو وصیت کرنے والے سے طرفداری یا گناہ کا خوف کرے پھر ان وارثوں کے درمیان اصلاح کر دے تو اس پر کوئی گناہ نہیں اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

اس سیدھے سادے ترجمے اور تفسیر کو چھوڑ کر اس آیت سے زندگی کے بیمہ کا جواز نکالنا کس قدر ظلم اور قرآن عظیم کے ساتھ استہزاء ہے جیسا کہ موسیٰ جار اللہ نے اس آیت کا عربی اصطلاحی ترجمہ یوں کیا: الذی لوترك ذرية ضعافا خاف عليها ليخش ان يتر كها ضعافا:۔ اور اس کا اردو میں ترجمہ یوں کیا گیا۔ ''جو لوگ اپنے چھوٹے بچوں کو فاقہ کشی کی حالت میں چھوڑ کر مریں گے وہ خدا کے خوف کے زیادہ مستحق ہیں''۔ کیا عجیب ترجمہ اور استدلال ہے موضوع تو زندگی کے بیمہ کا جواز اور آیت سے وجوب ثابت کیا جا رہا ہے، کیا ساری دنیا میں کوئی باپ ایسا ہے جو اولاد کو دیدہ دانستہ فاقہ کش چھوڑنا چاہتا ہو؟ بلکہ یہ خواہش تو ہر باپ کی ہے کہ اولاد محتاج اور مفلس نہ ہو۔

اس آیت میں زندگی کے بیمہ کا کوئی ذکر نہیں اور نہ ہی اشارۃً یہ مضمون موجود ہے بلکہ قرآنی ارشادات تو اولاد اور اس کی تربیت کو بھی رب العلمین کے حوالے کرنے کی تلقین کرتے ہیں، سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا طرز عمل اور انکی دعا قرآن مجید میں موجود ہے کہ انہوں نے اپنی اہلیہ محترمہ اور دودھ پیتے بچے کو حوالہ رب العلین کرتے ہوئے یہ دعا کی۔

رَبَّنَا اِنِّی اَسۡکَنۡتُ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ بِوَادٍ غَیۡرِ ذِیۡ زَرۡعٍ عِنۡدَ بَیۡتِكَ الۡمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِیُقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ فَاجۡعَلۡ اَفۡئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَهۡوِیۡۤ اِلَیۡهِمۡ وَارۡزُقۡهُمۡ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمۡ یَشۡکُرُوۡنَ ○ (ابراھیم نمبر ۳۷)

ترجمہ: اے ہمارے پالنے والے میں نے اپنی کچھ اولاد ایسے میدان میں بسائی ہے جہاں کھیتی نہیں تیرے عزت والے گھر کے پاس اے ہمارے پالنے والے تاکہ نماز کو قائم رکھیں پھر کچھ لوگوں کے دل انکی طرف پھیر دے اور انہیں پھلوں کی روزی دے تاکہ وہ شکر کریں۔

البتہ یہ ضرور ہے کہ انسان کو اسراف اور تبذیر سے دست کش رہ کر اپنے اور اپنی اولاد کیلئے مال و دولت کا محفوظ رکھنا از روئے تعلیمات قرآنی درست ہے، جیسا کہ اصحاب کہف جیسے اولیاء وقت کے قصے میں موجود ہے کہ وہ بھی ہجرت کرتے وقت ساتھ کچھ رقم لے گئے تھے تب ہی تو دوبارہ شعور آنے پر یہ کہا۔

فَابۡعَثُوۡۤا اَحَدَکُمۡ بِوَرِقِکُمۡ هٰذِهٖۤ اِلَی الۡمَدِیۡنَةِ (الکھف نمبر ۱۹)

ترجمہ: اب اپنے میں سے ایک کو اپنا یہ روپیہ دے کر بھیجو اس شہر میں۔

یا جیسا کہ حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کو ان یتیم بچوں کی دیوار بنانے کا حکم دیا گیا تھا جن کے صالح باپ نے ان کی ضروریات کے لئے دیوار کی بنیاد میں خزانہ دفن کر دیا تھا، فرمایا:

وَاَمَّا الۡجِدَارُ فَکَانَ لِغُلٰمَیۡنِ یَتِیۡمَیۡنِ فِی الۡمَدِیۡنَةِ وَکَانَ تَحۡتَهٗ کَنۡزٌ لَّهُمَا وَکَانَ اَبُوۡهُمَا صَالِحًا ○ (نمبر ۸۲)

ترجمہ: اور جو دیوار تھی سو وہ اس شہر کے دو یتیم بچوں کی تھی اور اس کے

نیچے ان کا خزانہ تھا اور ان کا باپ نیک آدمی تھا۔

لیکن قرآن وسنت کی مخالفت کرتے ہوئے اپنے اموال کو سود کی ملاوٹ سے زیادہ کرنا کسی طرح بھی اولاد کے لئے عند اللہ نافع نہیں ہے، قرآن مجید نے تو فرمایا یمحق اللہ الربوا ○ (بقرہ نمبر ۲۷۶) ربٰو کے مٹانے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اولاد ہی ختم ہو جائے، جیسا کہ حدیث میں ہے:

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سید دو عالم ﷺ نے فرمایا سود اگر چہ بڑھتا ہوا نظر آئے اس کا انجام کمی ہے''۔

اور اس کمی اکا اطلاق اولاد کی کمی پر بھی ہو سکتا ہے۔ جار اللہ زمخشریؒ اور دوسرے مفسرین نے فرمایا۔

والمراد بهم الاوصياء امروبان يخشوا الله فيخافوا خوفهم على ذريتهم لوتركوهم ضعافا (کشاف)

(۴) سورۃ النحل کی آیت نمبر ۶۷ میں فرمایا:۔

وَمِنْ ثَمَرَاتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ○

ترجمہ: اور کھجور اور انگور کے پھلوں سے تم بناتے ہو کچھ تو نشہ اور کچھ بہتر پاکیزہ رزق بھی، اس میں بے شک عقلمندوں کے لئے ایک بڑی نشانی ہے۔

اگر اس آیت کے سیاق اور سباق کو تدبر سے ملاحظہ کیا جائے تو اس سے نشہ کی اباحت نہیں بلکہ نشہ کی حرمت بوجہ بلیغ معلوم ہو رہی ہے، ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کو بھی بیان فرمایا اور ساتھ ہی ان کو عبرت کے طور پر بھی پیش فرمایا، اس آیت سے پہلی اور اس سے پچھلی آیت کو ملا کر پڑھا جائے، فرمایا:۔

وَاِنَّ لَکُمۡ فِی الۡاَنۡعَامِ لَعِبۡرَۃً ؕ نُسۡقِیۡکُمۡ مِّمَّا فِیۡ بُطُوۡنِہٖ مِنۡۢ بَیۡنِ فَرۡثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِیۡنَ ۝ وَمِنۡ ثَمَرٰتِ النَّخِیۡلِ وَالۡاَعۡنَابِ تَتَّخِذُوۡنَ مِنۡہُ سَکَرًا وَّرِزۡقًا حَسَنًا ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ ۝ وَاَوۡحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحۡلِ اَنِ اتَّخِذِیۡ مِنَ الۡجِبَالِ بُیُوۡتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا یَعۡرِشُوۡنَ ۝ ثُمَّ کُلِیۡ مِنۡ کُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسۡلُکِیۡ سُبُلَ رَبِّکِ ذُلُلًا ؕ یَخۡرُجُ مِنۡۢ بُطُوۡنِہَا شَرَابٌ مُّخۡتَلِفٌ اَلۡوَانُہٗ فِیۡہِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّقَوۡمٍ یَّتَفَکَّرُوۡنَ ۝ (آیت نمبر ٦٦ تا نمبر ٦٩)

ترجمہ: اور بے شک تمہارے لئے چار پایوں میں سوچنے کی جگہ ہے ہم ان کے جسم سے خون اور گوبر کے درمیان سے خالص دودھ پیدا کر دیتے ہیں جو پینے والوں کے لئے خوشگوار ہے اور کھجور اور انگور کے پھلوں سے نشہ اور اچھی غذا بھی بناتے ہو اس میں عقل والوں کے لئے نشانی ہے اور تیرے رب نے شہد کی مکھی کو حکم دیا کہ پہاڑوں میں اور درختوں میں اور ان چھتوں میں گھر بنائے جو اس کے لئے بناتے ہیں پھر ہر قسم کے میووں سے کھا پھر اپنے رب کی تجویز کردہ آسان راہوں پر چل۔ ان کے پیٹ سے پینے کی چیز نکلتی ہے جس کے رنگ مختلف ہیں اس میں لوگوں کے لئے شفاء ہے اس میں بھی ''سوچنے والوں کے لئے نشانی ہے''۔

ان سب آیات کو یک جا مطالعہ کرنے سے مندرجہ ذیل امور واضح ہو جاتے ہیں۔

ا: چار پایوں میں بھی عبرت انسانی کے اسباب موجود ہیں کہ وہ ایک ہی قسم کا چارہ کھاتے ہیں مگر اس سے کچھ تو گوبر بن جاتا ہے اور کچھ خون اور کچھ خالص لذیذ دودھ۔

ب: شہد کی مکھی پھلوں اور پھولوں کا رس چوستی ہے جس کے نتیجے میں اس کے پیٹ سے ایک مشروب بھی نکلتا ہے لوگ اس کو کھاتے ہیں جس میں شفاء ہے۔

ج: درمیانی آیت میں فرمایا کہ اے عقل مندو! تم عقل سے کام نہیں لیتے اگر تم عقل سے کام لیتے تو نشہ آور چیزیں اور مسکرات ان پھلوں سے نہ بناتے۔ کسی چیز سے نتیجہ کے طور پر پیدا ہونے والی ہر چیز حلال اور قابل خوراک نہیں کیا گھاس اور بھوسہ سے پیدا ہونے والا گوبر اور خون بھی خوراک بن سکتا ہے اور کیا شہد کی مکھی سے پیدا ہونے والا موم بھی خوراک بن سکتا ہے جب تم ان میں سے خوراک کی وہی چیزیں استخراج کرتے ہو جو کھانے کے قابل اور مناسب ہیں تو انگور اور کھجور سے پھر نشہ آور چیزیں کیوں بناتے ہو ان میں سے تم کو رزق حسن کھانا چاہئے نہ کہ نشہ جو عذاب خداوندی کا مظہر ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید ہی نے یوم حشر میں لوگوں کے عذاب خداوندی میں مبتلا ہونے کی کیفیت کو نشہ کے ساتھ تعبیر فرمایا۔

وَتَرَى النَّاسَ سُكَارٰى وَمَا هُمْ بِسُكَارٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ○ (الحج نمبر۲)

ترجمہ: اور تجھے لوگ نشہ میں نظر آئیں گے حالانکہ وہ نشہ میں نہ ہوں گے لیکن اللہ کا عذاب سخت ہوگا۔

اس طریقہ تفسیر اور تفہیم پر بہت سے اشکالات از خود دور ہو جاتے ہیں۔

(واللہ اعلم)

(۵) سورۃ یونس آیت نمبر ۹۴ میں فرمایا:

فَاِنۡ کُنۡتَ فِیۡ شَكٍّ مِّمَّا اَنۡزَلۡنَا اِلَیۡكَ

ترجمہ: پس اگر تو شک میں ہے اس سے جو ہم نے اتارا تیری طرف

اس آیت کا خطاب اگرچہ آپ کو ہے مگر اس سے مراد آپ کی ذات مبارکہ نہیں۔ اس لئے کہ نبی ﷺ کو یا کسی بھی نبی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والی ہدایت میں شک ہرگز نہیں ہوسکتا بلکہ انبیاء علیہم السلام تو یقین کی بہت بلند سطح پر فائز ہوتے ہیں۔ چنانچہ جب اس کے بعد آنے والی آیت نمبر ۱۰۴ کو ملا کر تفسیر اور ترجمہ کر دیا جائے تو بات بالکل واضح ہو جاتی ہے فرمایا:

قُلۡ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنۡ کُنۡتُمۡ فِیۡ شَكٍّ مِّنۡ دِیۡنِیۡ فَلَاۤ اَعۡبُدُ الَّذِیۡنَ تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَلٰکِنۡ اَعۡبُدُ اللّٰهَ الَّذِیۡ یَتَوَفّٰٮکُمۡ ۚۖ وَاُمِرۡتُ اَنۡ اَکُوۡنَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ۝

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے اے لوگو! اگر تم شک میں ہو میرے دین سے تو (یاد رکھو) میں نہ پوجوں گا ان کو جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو لیکن میں تو اسی اللہ کی عبادت کروں گا جو تمہیں موت دیتا ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ایمان داروں میں رہوں۔

معلوم ہوا کہ آپ کا یہ خطاب قوم کو ہے نہ کہ خود سید دو عالم ﷺ اس خطاب میں مراد ہیں اس قاعدہ کا لحاظ کرنے سے تکرار کا شبہ بھی باقی نہ رہے گا۔ امام غزالی نے فرمایا کہ اگر بعض آیات میں تکرار نظر آئے تو سیاق وسباق کو دیکھ کر ترجمہ کیا جائے تکرار خود بخود رفع ہو جائے گا اور صحیح معنیٰ مراد متعین ہو جائے گا۔ (جواہر القرآن غزالی ص ۵۲)

(۳) خاتمہ آیات کا لحاظ کرنا

کسی ارشاد قرآنی کا صحیح مطلب اور اس کی تفسیر و حکم سمجھنے کے لئے آیات کے آخری الفاظ پر غور و تدبر سے کافی راہ نمائی حاصل ہو سکتی ہے اس کی بھی چند مثالیں درج کی جاتی ہیں۔

(۱) سورہ بقرہ آیت نمبر ۱۰۴ میں مسلمانوں کو وہ الفاظ کہنے سے روک دیا جن کے کہنے سے توہین نبی کریم ﷺ کا خدشہ ہو۔ ارشاد فرمایا۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا وَلِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ○

ترجمہ: اے ایمان والو راعنا کا کلمہ نہ کہو بلکہ انظرنا کا کلمہ کہو اور بات کو سنو اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے۔

اس آیت مقدسہ کو شروع تو اے ایمان والو کے خطاب سے فرمایا لیکن خاتمہ اس پر فرمایا کہ اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے۔ اس سے واضح طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ سید دو عالم ﷺ کی شان اقدس میں ایسے الفاظ کہہ دینا جن سے گستاخی کا ارادہ بھی نہ ہو اس سے انسان کافر ہو جاتا ہے اور وہ عذاب الیم کا مستحق قرار دیا جاتا ہے اس لئے قرآن کریم نے مسلمانوں کو نہایت ہی محتاط رہنے کا حکم فرمایا سورۃ الحجرات آیت نمبر ۲ میں فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ○

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی ؐ کی آواز سے بلند نہ کرو اور نہ

بلند آواز سے رسولؐ سے بات کرو جیسا کہ تم ایک دوسرے سے
کیا کرتے ہو کہیں تمہارے اعمال برباد نہ ہو جائیں اور تمہیں
خبر بھی نہ ہو۔

معلوم ہوا کہ سید دو عالم ﷺ کی آواز پر اپنی آواز بلند کرنے والے مسلمان کے سب اعمال باطل ہو جاتے ہیں آواز کا مطلب یہی ہے کہ جو بات سید دو عالم ﷺ نے تمہارے لئے فرمائی اب تم اس کے مقابلے میں اپنی بات کو اس طرح نہ پیش کرو جس طرح آپس میں ایک دوسرے کے سامنے پیش کرتے ہو ورنہ اس طرز عمل سے تمہاری سب نیکیاں اور اعمال صالحہ برباد ہو جائیں گے۔ اور جب سب عمل برباد ہو گئے تو پھر کیا رہا؟

(۲) حج کا حکم دیتے ہوئے سورۃ آل عمران آیت نمبر ۹۷ میں فرمایا

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ
سَبِيْلًا ط وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ○

ترجمہ: اور اللہ کا حق ہے لوگوں پر اس گھر کا حج کرنا جو شخص اس تک
پہنچنے کی طاقت رکھتا ہو اور جو کفر کرے تو اللہ سب جہان والوں
سے بے نیاز ہے۔

جس کی استطاعت بدنی اور مالی ہو اس پر حج کو فرض قرار دیا اور اس کی فرضیت کو اس قدر محکم فرمایا کہ اس کے ترک کو کفر کا کام قرار دیا اور ساتھ ہی فرمایا کہ مجھے ان کی عبادت کی کوئی ضرورت ہے اور نہ ہی ان کی کوئی ضرورت ہے۔ یہ ارشاد ترک حج کی شدید ترین مذمت فرماتا ہے اس کی تفسیر میں سید دو عالم ﷺ کا یہ ارشاد ملاحظہ کرنے کے بعد یہ مسئلہ بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ آپ کا ارشاد ہے۔

''حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ

نے فرمایا جس آدمی کے پاس آنے جانے کا خرچ ہو اور اس کے پاس سفر کے لئے سواری بھی ہو (کوئی رکاوٹ نہ ہو) اور پھر وہ حج نہ کرے تو اس بات میں کوئی فرق نہ ہو گا کہ وہ یہودی ہو کر مرے یا عیسائی ہو کر مرے اور یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اللہ کے لئے لوگوں پر بیت اللہ کا حج لازم ہے جو جانے کی استطاعت رکھتا ہو''
(ترمذی)

(۳) سورۃ النساء میں وارثوں کے حقوق بیان کرتے ہوئے اور نکاح کے لئے حلال اور حرام عورتوں کی فہرست بیان کرتے ہوئے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا (آیت نمبر ۱۱ و نمبر ۲۴)

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ کامل علم والا اور کامل حکمت والا ہے۔

بلکہ اسی طرح قرآن مجید میں جہاں جہاں احکام ارشاد فرمائے وہاں تقریباً ہر جگہ علیمًا حکیماً علیم حکیم فرمایا، یہ کلمات مبارکہ قرآن مجید میں تقریباً ''۱۳۳'' دفعہ آئے ہیں اور ان میں سے اکثر کا تعلق کسی نہ کسی حکم کے ساتھ ہے جس کا فائدہ یہ نکلتا ہے کہ احکام خداوندی کی مخالفت کرنے کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں یا تو کوئی ذات اللہ تعالیٰ سے زیادہ علم والی ہو اس کا علم اللہ تعالیٰ سے زیادہ ہو تو اس کا بنایا ہوا نظام معاشرت اللہ تعالیٰ کے ارشاد فرمودہ نظام سے بہتر ہو سکتا ہے یا حکمت اور کسی حکم کے نفع اور ضرر کو خداوند تعالیٰ سے زیادہ جاننے والا کوئی دوسرا ہو تو پھر بھی اس کی بات کا کچھ وزن ہو سکتا ہے لیکن جب ساری کائنات میں کوئی بھی ایسی ذات نہ ہو جو علم میں اور نہ ہی حکمت میں خداوند قدوس کا ہم پلہ تو کیا کچھ نسبت ہی نہ رکھتی ہو اس کے دماغی اختراع پر اللہ تعالیٰ کے حراموں کو حلال یا حلال کو حرام قرار دیا جائے یہ کسی طرح بھی درست نہیں۔

(۴) سورۃ توبہ آیت ۷۴ میں کفر کا کلمہ کہنے والوں کے متعلق فرمایا

وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ فِى الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝

ترجمہ: اور بے شک انہوں نے کفر کا کلمہ کہا ہے اور مسلمان ہونے کے بعد کافر ہو گئے اور انہوں نے قصد کیا تھا ایسی چیز کا جو نہیں پا سکے اور یہ سب کچھ اسی کا بدلہ تھا کہ انہیں اللہ نے اور اس کے رسول نے اپنے فضل سے دولت مند کر دیا ہے پس اگر وہ توبہ کریں تو ان کے لئے بہتر ہے اور اگر وہ منہ پھیر لیں تو اللہ انہیں دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب دے گا اور ان کا روئے زمین پر کوئی دوست اور کوئی مددگار نہ ہو گا۔

اس آیت کے آخری کلمات پر غور کیا جائے تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ اسلام کے بعد کفر اختیار کرنے والا اب اپنے آپ کو اس کرۂ ارضی پر بے یار و مددگار سمجھے اب اس کے لئے کوئی دوست اور مددگار نہیں اب کوئی طاقت اس کو سزا اور عذاب سے نہیں بچا سکتی یہ کلمات اس آیت کے سوا اور کسی آیت میں نہیں آئے جس سے صاف ظاہر ہے کہ اب زمین میں اس کے لئے دو راستے ہیں یا تو توبہ کرے اور یا اپنے آپ کو اس مہیب سزا کے لئے تیار رکھے۔

(۵) قرآن عزیز کی سورہ الانعام آیت نمبر ۸۹ میں فرمایا

ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِىْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

ترجمہ: یہ انبیاء کرام کا اختیار کردہ راستہ ہی اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے اس پر چلاتا ہے اللہ تعالیٰ جس کو چاہے اپنے بندوں میں سے اور اگر یہ (بندے) شرک کرتے تو برباد ہو جاتا ان سے جو عمل وہ کرتے تھے۔

بعض مفسرین نے اس کا ترجمہ اور تشریح یوں بیان کی ہے کہ اگر بالفرض یہ انبیاء علیہم السلام بھی شرک کرتے تو ان کے سارے عمل برباد ہو جاتے''۔ مگر یہ ترجمہ قابل غور اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس سعادت مند کو نبی بنایا اس کے متعلق اپنے ازلی ابدی علم کی روشنی میں یہ سمجھا کہ وہ سعادت مند شرک تو بجائے خود کوئی بھی نافرمانی نہ کرے گا ورنہ اللہ تعالیٰ کے انتخاب پر اعتراض آئے گا۔ لیکن جب اس آیت کے آخری کلمہ کو غور سے دیکھا جائے تو نہ اس پر شبہ پیدا ہوتا ہے نہ جواب کی ضرورت پڑتی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے شرک کی یہ سزا مقرر فرمائی ہے کہ مشرک کے سارے اعمال برباد ہو جاتے ہیں یہ تو بات ظاہر ہے کہ نبوت اور رسالت نبی کا عمل نہیں بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے نبوت کسبی نہیں وہبی ہے۔ اس لئے یعملون کا فاعل عباد ہیں۔ یعنی جو بندے (غیر از انبیاء علیہم السلام) لاکھ نیک کام کریں مگر ساتھ ہی شرک بھی کریں تو ''سب عمل برباد ہو جائیں گے''۔

(۶) سورۃ النساء آیت نمبر ۱۱۳ میں ارشاد فرمایا

وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۭ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا اس آیت کا عام اور مشہور ترجمہ تو یہ کیا جاتا ہے اور سکھایا آپ کو وہ جو آپ نہ جانتے تھے اور آپ پر اللہ تعالیٰ کا فضل بہت بڑا ہے۔'' خداوند قدوس نے اپنی اسی نعمت کو بیان فرماتے ہوئے عام مسلمانوں کو خطاب فرمایا عَلَّمَكُمْ مَّالَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ (بقرہ نمبر ۲۳۹) ترجمہ: اور اس اللہ تعالیٰ نے سکھایا تم کو وہ جو تم نہ جانتے تھے۔ اس

آیت کے آخر میں یہ نہیں فرمایا کہ تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل بہت بڑا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو علم سید دو عالم ﷺ کو دیا گیا ہے اس کی نوعیت اس علم سے برتر اور افضل ہے جو عام لوگوں کو دیا گیا ہے اور وہ علم علم وحی ہے یعنی یہ دوسرے انسانی علوم تو کسبی ہیں جن میں انسان کی محنت اور کسب کا دخل ہے لیکن سید دو عالم ﷺ کو جو علم دیا گیا ہے وہ محض فضل خداوندی ہے اور اس فضل میں کوئی بھی آپ کے ساتھ شریک نہیں یہ علم وہبی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ آپ کو یہ علم نہ دیتا تو آپ ہرگز اسے حاصل نہ کر سکتے چنانچہ قرآنی تفسیر اور ترجمہ کے امام شاہ عبدالقادر قدس سرہ العزیز نے اس آیت کا ترجمہ یہ فرمایا:۔

اور تجھ کو سکھایا جو تو نہ جان سکتا اور اللہ کا فضل تجھ پر بڑا ہے۔
(ترجمہ شائع کردہ انجمن خدام الدین لاہور ۱۹۳۸ء)

(۴) اسماء حسنیٰ

قرآن مجید میں اسماء حسنیٰ جہاں کہیں آئے ہیں ان کا ترجمہ اور تشریح کے ساتھ خاص تعلق ہے مثلاً جس آیت میں عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ فرمایا وہاں بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ لانے سے ترجمہ اور تفسیر کا صحیح مفہوم فوت ہو جائے گا اسی طرح جہاں بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فرمایا رَحِیْم السَّمٰوٰتِ یا خَالِق السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لانے سے مفہوم مراد ادا نہ ہو سکے گا۔ اس لئے ایک مترجم اور مفسر کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان مواضع اور آیات کا ترجمہ کرتے ہوئے اسماء حسنیٰ کے مفہوم اور معنیٰ مراد کا پورا پورا لحاظ رکھے۔ اس قاعدہ کی وضاحت چند آیات قرآنی سے کی جاتی ہے۔

(۱) سورۃ بقرہ آیت نمبر ۲۰۹ میں ارشاد فرمایا:

فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَیِّنٰتُ

فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ o

ترجمہ: پس اگر تم پھسل گئے اس کے بعد کہ تمہارے پاس کھلی نشانیاں آ پہنچیں تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ غالب ہے اور حکمت والا ہے۔

اس آیت شریفہ میں اسماء حسنی میں سے عزیز حکیم فرمایا جس سے پہلی شرط کی جزاء معلوم تو ہے کہ اگر اس قدر واضح آیات آجانے کے بعد بھی پھسل گئے تو تم کو سخت سزا دی جائے گی اور یہ سزا دینے والا وہ اللہ تعالیٰ ہے جو غالب ہے جو چاہے کر سکتا ہے اس پر کسی کو غلبہ اور طاقت حاصل نہیں اور عذاب دینے میں اس کی حکمت ہے، اب یہ معنیٰ ان اللہ غفور رحیم سے حاصل نہ ہو سکتا۔ دینی ذوق سلیم اور ارشادات قرآنیہ سے لگاؤ، عربی زبان سے لفظی اور معنوی واقفیت اس طریقہ تفہیم کی طرف راہ نمائی کرتا ہے جیسا کہ:

امام زرکشی نے ایک واقعہ نقل فرمایا کہ ایک قاری قرآن مجید کی آیت یوں پڑھ رہا تھا۔

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَیْدِیَھُمَا جَزَآءً بِمَا کَسَبَا نَکَالًا مِّنَ اللّٰہِ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ o (المائدہ نمبر ۳۸)

جو وہاں سے ایک بدو نے گذرتے ہوئے سن لیا تو ازراہ تعجب کہا یہ کیا غفوریت اور رحیمیّت ہے؟ کہ ہاتھ بھی کاٹ دینے کا حکم دیا اور بخش بھی دیا جب دوبارہ اسی قاری نے اس آیت کو دیکھ کر صحیح پڑھا اور کہا وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ تو اس بدو نے کہا اب بات سمجھ میں آ گئی کہ اللہ تعالیٰ غالب ہے جو چاہے حکم دیدے اور اس میں حکمت ہوتی ہے۔"

(۲) سورۃ الملک کی پہلی آیت ہے۔ تَبَارَكَ الَّذِیْ بِیَدِہِ الْمُلْكُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْئٍ قَدِیْرُ o

اس آیت کے شروع میں ارشاد فرمایا: بڑی بابرکت وہ ذات عظیم ہے جس کے قبضے میں حکومت ہے تو یہاں یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ حکومت تو انسانوں کے ہاتھوں میں بھی ہے آخر یہ زمینی بادشاہ بھی تو حکومت کر رہے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ارشاد فرمایا کہ اور وہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے یعنی اس کی بادشاہی حقیقی ہے جو چاہتا ہے کر لیتا ہے اسی کا نام تو بادشاہی اور حکومت ہے اور جو دعویٰ تو بادشاہی کا کرے مگر قادر کسی چیز پر بھی نہ ہو وہ کیا حکومت اور کیا بادشاہی ہے اس لئے جب آیت کے آخر کو دیکھ کر ترجمہ اور تفسیر کی جائے گی تو قرآنی جامعیت اور ارشاد الٰہی کی افادیت واضح ہو جائے گی۔

(۳) سورۃ المائدہ آیت نمبر ۱۱۸ میں ہے حضرت مسیح علیہ السلام دربار خداوندی میں عرض کریں گے۔

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○

ترجمہ: اگر تو ان کو سزا دے تو تیرے بندے ہی ہیں اور اگر تو ان کو بخش دے تو غالب اور حکمت والا ہے۔

ارشاد بالا سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام دربار خداوندی میں بنی اسرائیل کے متعلق ان کی مغفرت کی دعا فرما رہے ہیں اس لئے ارشاد فرمایا وان تغفرلھم حالانکہ مشرک کی تو مغفرت نہیں ہوتی۔ اور نہ ہی نبی کو ان کی مغفرت کی سفارش کرنی چاہیئے۔ لیکن یہ شبہ تب وارد ہوتا جب یہاں انت الغفور الرحیم کا ارشاد ہوتا۔ آپ نے تو سب اختیار کا مالک حقیقی اللہ تعالیٰ کو قرار دیتے ہوئے عرض کیا کہ اگر تو ان کو عذاب دے تب بھی تجھ پر کوئی سوال اور اعتراض نہیں تیرے بندے ہی تو ہیں مالک اور مولیٰ جو چاہے کرے اگر باغی غلام کو

سزا دے تو اس کو کامل اختیار ہے اور اگر تو ان کو بخش دے تب بھی تو مالک اور مولیٰ ہے تجھے کوئی پابند نہیں کر سکتا۔ تیرے ہر کام میں حکمت ہے۔ اگر چہ مشرک کی مغفرت نہ ہوگی ان اللّٰہ لایغفر ان یشرك به نص قرآنی ہے:۔

(۴) سورہ الشعراء میں اقوام سابقہ کی تباہی اور انبیاء علیہم السلام کی کامیابی اور نجات کا ذکر فرماتے ہوئے بار بار فرمایا:

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ○ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَالْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ○

بیشک اس واقعہ میں بڑی نشانی ہے اور ان میں سے اکثر ایمان نہیں لائے اور بے شک تیرا رب یقیناً غالب ہے۔

حالانکہ اقوام سابقہ کی تباہی اور بربادی رحم کا اثر نہیں بلکہ غضب اور قہر کا نتیجہ ہے تو پھر الرحیم کا ذکر کیسے؟ اس کو بھی اسی طریقہ پر حل کیا جا سکتا ہے کہ جب سرکش اور نافرمان کی ہلاکت ہوتی ہے تو وہاں اللہ تعالیٰ کی دو صفات کا ظہور ہوتا ہے۔ صفت غالبیت کہ اللہ تعالیٰ جو چاہے کر لیتا ہے۔ ان العزة للّٰہ جمیعا۔ غلبہ اور عزت سب کی سب درحقیقت اللہ ہی کے لئے ثابت ہے۔ اس لئے وہ جابر اور سرکش جو انا ولا غیری کا نعرہ بلند کرتے ہیں۔ کبھی ایسے ملیا میٹ ہو جاتے ہیں کہ ان کا نام ونشان بھی باقی نہیں رہتا ظالموں، سرکشوں اور موذی اشیاء کے ہلاک کرنے سے دوسری مخلوق کو امن و عافیت، سکھ اور چین نصیب ہوتا ہے اس لئے اس صورت میں اللہ تعالیٰ کی صفت رحیمیت کا ظہور ہوتا ہے اس قاعدہ کا لحاظ کرنے سے قرآن مجید میں آیات کے تکرار کا شبہ باقی نہ رہے گا خصوصاً سورہ الرحمٰن کی بعض آیات جو بظاہر غضب اور قہر خداوندی کی مظہر معلوم ہوتی ہیں ان کے بعد اپنی رحمت کے ظہور کا اعلان فرمایا وہ غضب بھی دوسری مخلوق کے لئے رحمت ہے

اس لئے وہ مجموعی طریقہ پر تو نعمت ہی ہے۔ لہٰذا نہ تو تکرار ہوگا اور نہ ہی بے محل و بے موقع ہوگا۔

(۵) سورہ آل عمران آیت نمبر ۳۰ میں فرمایا:۔

وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ ○

اس آیت میں بھی رؤف بالعباد فرما کر یہ اشارہ فرمایا کہ بندوں کو عذاب سے ڈرانا بھی اللہ تعالیٰ کی شفقت کا اثر ہے تا کہ بندے دوزخ میں نہ ڈالے جائیں۔ (واللہ اعلم)

(۶) حضرت مسیح علیہ السلام کو اِلٰہ یا اللہ تعالیٰ کا بیٹا سمجھا گیا جس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ ان کی پیدائش بلا باپ کے ہوئی اس عجیب پیدائش پر ان کو دھوکہ لگا شاید اسی وجہ سے قرآن عزیز میں بدیع السموٰت والارض میں اللہ تعالیٰ کا وصفی نام صرف دو آیات میں آیا ہے اور ان دو آیات سے پہلے عیسائیوں کا عقیدہ ابن اللہ نقل فرما کر اس کی تردید یوں فرمائی کہ اگر تم کو عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش انوکھی اور عجیب معلوم ہوتی ہے تو بتاؤ یہ زمین اور یہ آسمان کیا عجیب طریقہ پر نہیں بنائے گئے کیا ان کی تخلیق سے پہلے کوئی اور آسمان اور زمین بنا ہوا تھا۔ وہ دو آیات سورۃ بقرہ آیت نمبر ۱۱۷ اور سورۃ الانعام آیت نمبر ۱۰۱ ہیں۔

(۵) تمام متعلقہ آیات کا لحاظ

کسی بھی متکلم کے کلام کا ایک حصہ لے کر اس کی مراد کو متعین کر لینا از روئے عقل و نقل درست نہیں بلکہ ایک مفہوم کو جہاں جہاں بیان کیا گیا ہو اس کا ملاحظہ کرنا نہایت ضروری ہے ورنہ مقصد فوت ہو جاتا ہے اس لئے کلام خداوندی کو کسی ایک آیت میں دیکھ کر اس کے متعلق کوئی قطعی حکم صادر کر دینا درست نہ سمجھا جائے گا۔ قرآن مجید نے ایسے لوگوں کی مذمت فرمائی ہے جو قرآنی ارشادات کے حصے بخرے

کر کے اپنے مطلب کے لئے ان سے استدلال کرتے ہیں ارشاد قرآنی ہے۔

اَلَّذِیۡنَ جَعَلُوۡا الۡقُرۡآنَ عِضِیۡنَ ۝ فَوَرَبِّكَ لَنَسۡئَلَنَّهُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ ۝ عَمَّا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ (الحجر نمبر ۹۱ تا ۹۳)

ترجمہ: جنہوں نے قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کیا ہے پس تیرے رب کی قسم ہے ہم ان سب سے پوچھیں گے اس چیز سے جو وہ کرتے تھے۔

اس لئے ضروری ہے کہ کسی بھی ایک مفہوم اور حکم کو پوری طرح سمجھنے کے لئے تمام آیات متعلقہ کا استحصار کیا جائے۔ کیونکہ قرآن مجید اپنی تشریح اور تفسیر خود کر دیتا ہے مگر انسانوں کے عقول اور ادراک فہم کی رسائی ناقص ہے اس لئے فہم قرآن مجید کے لئے دوسری چیزوں کی ضرورت سمجھی گئی بعض جگہ قرآن مجید خود بھی اس طرف اشارہ فرما دیتا ہے جیسا کہ فرمایا:

اُحِلَّتۡ لَکُمۡ بَهِیۡمَةُ الۡاَنۡعَامِ ۝ (المائدہ آیت نمبر ۱)

ترجمہ: حلال کر دیئے گئے تمہارے لئے چرنے والے چار پائے۔

مگر اسی آیت میں ساتھ ہی یہ بھی ارشاد فرما دیا الا مایتلی علیکم اب اس آیت کی پوری تشریح سمجھنے کے لئے مایتلیٰ علیکم کا مصداق آیات کو ملانا ضروری ہے۔ اور وہ آگے آنے والی آیت ہے فرمایا حُرِّمَتۡ عَلَیۡکُمُ الۡمَیۡتَةُ وَالدَّمُ وَلَحۡمُ الۡخِنۡزِیۡرِ ۔ الایة۔ جیسا کہ صاحب وحی جناب رسول اکرم ﷺ نے بھی کئی آیات کی تفسیر دوسری آیات سے فرمائی ہے جیسا کہ قرآن کی آیت اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَلَمۡ یَلۡبِسُوۡۤا اِیۡمَانَهُمۡ بِظُلۡمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الۡاَمۡنُ وَهُمۡ مُّهۡتَدُوۡنَ (الانعام نمبر ۸۲) نازل ہوئی تو صحابہ نے سید دو عالم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی ﷺ ہم میں سے کون ہے جس نے کچھ نہ کچھ ظلم نہ

کیا ہو یعنی گناہوں سے معصومی یہ تو انبیاء کرام کا خاصہ ہے ہم سے بہ تقاضائے بشریت کئی ایسے گناہ اور کام سرزد ہو چکے ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہوں گے پھر تو ہمارے لئے امن اور ہدایت نہ ہوگی اس پر سید دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ ظلم سے مراد شرک ہے جیسا کہ قرآن مجید ہی نے فرمایا اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ (سورہ لقمن نمبر ۱۳) اس سے معلوم ہوا کہ سید دو عالم ﷺ نے ایک آیت کی تفسیر دوسری آیت سے فرمائی۔ اس قاعدہ کے لئے اس بات کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ سورتوں اور آیتوں کی ترتیب ترجمہ اور تشریح میں مانع نہ ہو کیونکہ ہوسکتا ہے کوئی آیت موجودہ ترتیب مصحف میں تو مقدم ہو مگر نزول میں موخر ہو کیونکہ مصحف شریف کی ترتیب نزول کے اعتبار سے نہیں ہے۔

اس قاعدہ کو چند مثالوں سے واضح کیا جاتا ہے۔ سورۃ العنکبوت آیت نمبر ۳۱ میں فرمایا۔

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْٓا اِنَّا مُهْلِكُوْٓا اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ ۝

ترجمہ: اور جب آئے ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ابراہیم کے پاس بشارت لیکر کہا انہوں نے بیشک ہم اس بستی (قوم لوط) کو تباہ کرنے والے ہیں۔

اس آیت سے بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو بشارت حضرت ابراہیم علیہ السلام کو فرشتوں نے دی تھی وہ قوم لوط کی بستیوں کی تباہی کی تھی حالانکہ یہ بات نہیں بلکہ وہ بشارت حضرت اسحٰق اور حضرت یعقوب کی ولادت کی تھی جیسا کہ سورہ ہود آیت نمبر ۷۱ میں ارشاد قرآنی ہے۔

فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ۝

ترجمہ: پس ہم نے حضرت ابراہیم کی بیوی کو اسحٰق بیٹے اور یعقوب پوتے کی بشارت دی۔

وَبَشَّرُوْهُ بِغُلَامٍ عَلِيْمٍ○ (الذٰریٰت نمبر ۲۸)

ترجمہ: اور فرشتوں نے آپ کو سمجھدار بیٹے کی بشارت دی۔

قاضی بیضادی نے اس کی تفسیر میں فرمایا وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى (بشارة بالولد والنافلة)

۲۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے حالات میں سورۃ یوسف میں فرمایا فَاَنْسٰهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ (آیت نمبر ۴۲) اس سے یہ واضح نہیں ہوسکا کہ شیطان نے کس کو بھلا دیا اور رب سے مراد کیا ہے؟ آیا رب العالمین وحدہٗ لاشریک لہٗ یا ملک مصر جو اپنے زعم باطل میں رب بنا ہوا تھا۔ لیکن جب اسی سورت میں آنے والا ارشاد ربانی وَقَالَ الَّذِىْ نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِيْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ○ (آیت نمبر ۴۵) کا مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ آیت نمبر ۴۲ میں مراد حضرت یوسف علیہ السلام نہیں بلکہ جیل خانے کے دو ساتھیوں میں سے جو بچ گیا تھا اسے یوسف علیہ السلام نے بوقت رہائی فرمایا تھا کہ میری ضرورت کے وقت تو مجھے اپنے رب (ملک مصر) کے پاس یاد رکھنا۔ چنانچہ کافی زمانہ وہ بھول میں رہے جب بات یاد آئی تو حضرت یوسف علیہ السلام کا ذکر ملک مصر کی خواب کے سلسلے میں اس آزاد ہونے والے جیل کے ساتھی نے کر دیا۔ اب سب آیتوں کے ملانے سے بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس آیت نمبر ۴۲ میں جو بھولا تھا وہ شاہ مصر کا ملازم تھا نہ کہ یوسف علیہ السلام تھے۔

۳۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق سورہ مریم کی آیت نمبر ۲۹ میں فرمایا کہ

جب حضرت مریم، مسیح علیہ السلام کو گود میں اٹھا کر لائیں تو قوم نے تعجب کیا تو حضرت مریم نے (فاشارت الیہ) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اشارہ کیا کہ اس بچہ ہی سے پوچھ لیا جائے۔ اب یہ بات کہ حضرت مریم علیہا السلام کو کیسے معلوم ہو گیا کہ یہ بچہ جو ابھی چند گھنٹوں کا ہے بول پڑے گا اس کا پتہ سورۃ آل عمران کی آیت نمبر ۴۶ سے چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرشتوں نے جس وقت حضرت مریم کو بیٹے کی بشارت دی تھی ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا تھا کہ وہ بچہ عجیب اوصاف والا ہو گا يُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وہ بچہ جھولی میں بھی لوگوں کے ساتھ کلام کرے گا چنانچہ اس اطلاع کے پیش نظر حضرت مریم نے یہ کہا۔

۴۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اَنِ اقْذِفِيهِ فِي التَّابُوتِ فَاقْذِفِيهِ فِي الْيَمِّ (طٰہٰ نمبر ۳۹) مگر اس کی تفصیل سورۃ القصص آیت نمبر ۷ میں یوں فرمائی وَاَوْحَيْنَا اِلٰى اُمِّ مُوْسٰى اَنْ اَرْضِعِيهِ کہ بچے کو دودھ پلا، فرعون کی ظالمانہ تدبیروں سے نہ گھبرا۔ ان دونوں باتوں کا حکم آپ کو من جانب اللہ دیا گیا تھا۔

نوٹ: مولوی نورالدین بھیروی کا یہ کہنا کہ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے اپنے ذوق سے یہ معلوم کر لیا تھا کہ بچے کو دودھ دیا جائے۔'' قرآنی ارشادات کے خلاف ہے ذوق کا کیا سوال؟ اللہ تعالیٰ نے وحی فرما دی تھی۔

۵۔ قرآن کریم نے سورۃ بقرہ کی آیت نمبر ۱۷۳ میں دیگر محرمات کے ساتھ یہ بھی فرمایا ولحم الخنزیر تم پر خنزیر کا گوشت بھی اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے۔ مگر اس کی حرمت کی وجہ کیا ہے۔ کیا اس کا گوشت صرف حرام ہے یا سارا حرام ہے سورۃ انعام کی آیت نمبر ۱۴۵ میں اس کی وجہ حرمت بیان کرتے ہوئے فرمایا فانہ رجس اس لئے کہ یہ خنزیر گندگی ہے۔ اب گندگی کے متعلق یہ خیال کر لینا کہ کچھ پاک اور

کچھ ناپاک ہے عقلاً ونقلاً غیر درست ہے ساری آیت کا استحضار نہ کرنے کی وجہ سے بعض لوگوں کو مغالطہ لگا۔ اور یہ کہا۔

''چونکہ غیب دان اللہ (تعالیٰ) کو علم تھا کہ سور کے بال تیرہ سو برس بعد انسانی تمدن کا حصہ بن جائیں گے اس لئے سور کو حرام کرتے وقت لحم الخنزیر کے الفاظ استعمال کئے اور بالوں کے متعلق خاموشی اختیار فرمائی''۔

حالانکہ یہ نظریہ ارشادات قرآنی کے سراسر خلاف ہے قرآن مجید نے خنزیر کے گوشت کو اس لئے حرام قرار دیا ہے کہ خنزیر سارے کا سارا گندگی ہے۔

۶۔ سورۃ بقرہ آیت نمبر ۶۱ میں یہود کے متعلق فرمایا وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ان پر ذلت اور مسکنت کی مُہر اور پکا چھاپہ لگا دیا گیا یہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ذلیل اور محتاج رہیں گے۔ مگر دوسری آیت میں اس لعنت اور ذلت کی تفصیل اور تشریح موجود ہے سورۃ آل عمران آیت نمبر ۱۱۲ میں فرمایا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ یعنی ان کی ذلت دوصورتوں میں ملتوی کر دی جائے گی یا تو اللہ تعالیٰ کی رسی کو تھام لیں یعنی مسلمان ہو جائیں اور یا لوگوں میں سے کسی کی رسی کو تھام لیں جیسا کہ آج اسرائیل نے برطانیہ اور امریکہ کی رسی کو تھاما ہوا ہے آج اگر وہ ان کی گردن سے اپنا پٹا نکال لیں تو ان کا نہ در ہے نہ گھر۔ اسی طرح سورہ بنی اسرائیل کی آیت نمبر ۱۰۴ میں فرمایا۔ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيْفًاO جب قیامت کا وعدہ قریب ہو جائے گا ہم تم سب کو لپیٹ کر لے آئیں گے (تا کہ تم سب اکٹھے ہلاک ہو سکو) اس لئے آج اسرائیل کا قیام اور مشرق و مغرب سے یہودیوں کا اسرائیل میں اکٹھا ہو جانا ان کی رفعت اور دوبارہ سر بلندی کے نہیں بلکہ ان شاء اللہ ان سب کا صفایا کر دیا جائے گا۔

(۷) سورۃ بقرہ اور چند دوسری سورتوں میں یوں فرمایا:

مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ جو ایمان لایا اللہ تعالیٰ پر اور آخری دن پر فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ان پر کوئی غم وفکر نہ ہوگا اس آیت میں اگرچہ عقائد میں سے صرف ایمان باللّٰہ والیوم الآخر کا ذکر ہے اس میں سید دوعالم ﷺ کی رسالت اور دوسرے عقائد کا ذکر نہیں لیکن جب دوسری آیات کو اس کے ساتھ ملا کر تفسیر کی جائے تو بات واضح ہو جاتی ہے کہ۔

خلاف پیمبر کسے راہ گزید
کہ ہر گز بمنزل نخواہد رسید

جیسا کہ ارشاد قرآنی ہے

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِیْٓ اَنْزَلْنَا (تغابن نمبر ۸)

ترجمہ: پس ایمان لے آؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس نور پر جسے ہم نے اتارا۔

وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۝ (محمد آیت نمبر ۲)

ترجمہ: اور یہ ایمان لائے اس پر جو اتارا گیا محمد پر (ﷺ) اور وہ حق ہے ان کے رب کی طرف سے۔

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ۝ (النساء نمبر ۱۱۵)

ترجمہ: اور جو کوئی رسول علیہ السلام کی مخالفت کرے گا اس کے بعد کہ اس کیلئے ہدایت واضح ہو گئی ہم اس کو ادھر ہی چلنے دیں گے جدھر وہ چلا اور آخر کار اسے جہنم میں دھکیل دیں گے اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔

۸۔ فرعون کے متعلق سورۃ بقرہ اور دوسری بعض سورتوں میں ہے کہ فرعون نے

اسرائیل کے لڑکوں کو قتل کیا کرتا تھا اور ان کی عورتوں کو زندہ چھوڑ دیا کرتا تھا فرمایا یُذَبِّحُ اَبۡنَآءَ ھُمۡ وَیَسۡتَحۡیٖ نِسَاءَ ھُمۡ (الآیتہ) یقتل ابناء ھم (الایۃ) مگر یہ لڑکوں کا قتل کیوں ہوتا تھا؟ اس کی وجہ قرآن مجید نے خود ہی بیان فرمادی کہ اس کے اس فعل بد کی وجہ یہ تھی کہ بنی اسرائیل کی نسل ختم ہو جائے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری کے بعد بھی اس بدبخت نے یہی عمل جاری رکھا جیسا کہ فرعونیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تبلیغ کے بعد بھی جس میں جادوگر مسلمان ہو گئے تھے۔ یہ کہا۔

سَنُقَتِّلُ اَبۡنَاءَ ھُمۡ وَنَسۡتَحۡیٖ نِسَاءَ ھُمۡ (الاعراف نمبر ۱۲۷)

ترجمہ: ہم قتل کریں گے ان کے بیٹوں کو اور زندہ چھوڑیں گے ان کی لڑکیوں کو۔

چنانچہ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حضور اس ظلم وستم کی فریاد کی:

قَالُوۡا اُوۡذِیۡنَا مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تَاۡتِیَنَا وَمِنۡ بَعۡدِ مَا جِئۡتَنَا (الاعراف نمبر ۱۲۹)

وہ بولے آپ کے آنے سے پہلے اور آنے کے بعد بھی ہم ستائے جارہے ہیں۔

چنانچہ حضرت شاہ عبدالقادرؒ نے فرمایا۔ بیٹے ذبح کرتے کہ یہ قوم بڑھ نہ جاوے کہ زور پکڑیں یعنی بنی اسرائیل (القصص ۲۰)

تو اس قصے کی تمام متعلقہ آیات کو ملانے سے یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ فرعون نے یہ سارا ظلم وستم محض نسل کشی کیلئے جاری رکھا ہوا تھا۔ ذیل میں اجمالی طور پر ایک نقشہ دیا جاتا ہے جس سے ایک آیت کا اجمالی محل ذکر اور پھر اس کا مقام تفصیل درج کیا جاتا ہے تاکہ قرآنی تفسیر کے طلباء اس نہج پر قرآنی مطالب سمجھنے کی کوشش کریں۔

اجمال	قَدْ نَبَّاَ نَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِ كُمْ	محل ذکر	توبه نمبر ٩٤
تفصیل	لَوْخَرَجُوْافِيْكُمْ مَّازَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا	محل ذکر	توبه نمبر ٤٧
اجمال	وَاَوْفُوْابِعَهْدِىْ اُوْفِ بِعَهْدِ	محل ذکر	بقره نمبر ٤٠
تفصیل	لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ	محل ذکر	المائده ١٢
اجمال	يُخَادِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَخَادِعُهُمْ	محل ذکر	النسآء نمبر١٤٢
تفصیل	قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَ كُمْ فَالْتَمِسُوْانُوْرًا	محل ذکر	الحديد نمبر١٣
اجمال	شَهِدُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كَافِرِيْنَ	محل ذکر	اعراف نمبر ٣٧
تفصیل	قَالُوْابَلٰى قَدْ جَآءَ نَانَذِيْرٌ	محل ذکر	الملك نمبر٩
اجمال	اُولٰئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِنَ الْكِتٰبِ	محل ذکر	اعراف نمبر ٣٧
تفصیل	وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْاعَلَى اللّٰهِ	محل ذکر	الزمر نمبر ٦٠
اجمال	وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى	محل ذکر	اعراف نمبر١٣٧
تفصیل	وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا	محل ذکر	القصص نمبر ٥
اجمال	اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَ هَآ اِيَّاهُ	محل ذکر	برأة نمبر ١١٤
تفصیل	سَاَسْتَغْفِرُلَكَ رَبِّىْ	محل ذکر	مريم نمبر ٤٧
اجمال	وَتَذْكِيْرِىْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ	محل ذکر	يونس نمبر ٧١
تفصیل	اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ	محل ذکر	نوح نمبر ١٥
اجمال	لَهُمُ الْبُشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا	محل ذکر	يونس نمبر ٦٤
تفصیل	تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰئِكَةُ	محل ذکر	حم السجده نمبر ٣٠
اجمال	وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَابِهِمْ	محل ذکر	ابراهيم نمبر ٦٥
تفصیل	فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا	محل ذکر	العنكبوت نمر ٤٠
اجمال	وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَامَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلِ	محل ذکر	النحل نمبر ١١٨
تفصیل	حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ ذِىْ ظُفُرٍ ـ الآية	محل ذکر	الانعام نمبر ١٤٦
اجمال	وَيَدْعُوْالْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَ هٗ بِالْخَيْرِ	محل ذکر	الاسراء نمبر ١١
تفصیل	فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ	محل ذکر	الانفال نمبر ٣٢

اجمال	لَاَحۡتَنِکَنَّ ذُرِّیَّتَهٗۤ اِلَّا قَلِیۡلًا	محل ذکر	الاسراء نمبر ۶۲
تفصیل	اِلَّا عِبَادَکَ مِنۡهُمُ الۡمُخۡلَصِیۡنَ	محل ذکر	النحل نمبر ۴۰
اجمال	فَقُوۡلَا لَهٗ قَوۡلًا لَّیِّنًا	محل ذکر	طه نمبر ۴۴
تفصیل	هَلۡ لَّکَ اِلٰۤی اَنۡ تَزَکّٰی	محل ذکر	النازعات نمبر ۱۸
اجمال	وَلَمۡ تَرۡقُبۡ قَوۡلِیۡ	محل ذکر	طه نمبر ۹۴
تفصیل	اَخۡلُفۡنِیۡ فِیۡ قَوۡمِیۡ	محل ذکر	الاعراف نمبر ۱۴۲
اجمال	فَاِذَا هُمۡ فَرِیۡقٰنِ یَخۡتَصِمُوۡنَ	محل ذکر	النمل نمبر ۴۵
تفصیل	اَنَّ صٰلِحًا مُّرۡسَلٌ مِّنۡ رَّبِّهٖ۔ الآیة	محل ذکر	اعراف نمبر ۷۵
اجمال	هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ	محل ذکر	احزاب نمبر ۲۲
تفصیل	اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تَدۡخُلُوا الۡجَنَّةَ الآیة	محل ذکر	ال عمران نمبر ۱۴۲
اجمال	وَلَقَدۡ نَادٰىنَا نُوۡحٌ۔ الآیة	محل ذکر	الصافات نمبر ۷۵
تفصیل	اَنِّیۡ مَغۡلُوۡبٌ فَانۡتَصِرۡ	محل ذکر	القمر نمبر ۱۰
اجمال	فَحَقَّ عَلَیۡنَا قَوۡلُ رَبِّنَا	محل ذکر	الصافات نمبر ۳۱
تفصیل	لَاَمۡلَئَنَّ جَهَنَّمَ	محل ذکر	نمبر ۸۵
اجمال	وَلَقَدۡ سَبَقَتۡ کَلِمَتُنَا۔ الآیة	محل ذکر	الصافات نمبر ۱۷۱
تفصیل	لَاَغۡلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیۡ	محل ذکر	المجادله نمبر ۲۱
اجمال	اَمَتَّنَا اثۡنَتَیۡنِ وَاَحۡیَیۡتَنَا اثۡنَتَیۡنِ	محل ذکر	المومن نمبر ۱۱
تفصیل	کُنۡتُمۡ اَمۡوَاتًا فَاَحۡیَاکُمۡ۔ الآیة	محل ذکر	بقره نمبر ۲۸
اجمال	یَوۡمَ التَّنَادِ	محل ذکر	المومن نمبر ۳۲
تفصیل	وَنَادٰۤی اَصۡحٰبُ الۡجَنَّةِ	محل ذکر	اعراف نمبر ۴۴
اجمال	فَیَحۡلِفُوۡنَ لَهٗ کَمَا یَحۡلِفُوۡنَ لَکُمۡ	محل ذکر	المجادله نمبر ۱۸
تفصیل	وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا کُنَّا مُشۡرِکِیۡنَ	محل ذکر	الانعام نمبر ۲۳
اجمال	اِذۡ نَادٰی وَهُوَ مَکۡظُوۡمٌ	محل ذکر	نٓ نمبر ۴۸
تفصیل	لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنۡتَ سُبۡحٰنَکَ ۔ الآیة	محل ذکر	الانبیاء نمبر ۸۷

(٦) شان نزول کا اعتبار کرنا

صحیح ترجمہ اور تفسیر کے لئے شان نزول کا اعتبار کرنا نہایت ضروری ہے ورنہ اکثر مقامات پر صحیح تفسیر نہ ہو سکے گی، اس کی ایک مثال دی جاتی ہے، قرآن مجید میں کلالہ کے متعلق دو جگہ ذکر ہے اور دونوں جگہ یکساں الفاظ ہیں، فرمایا۔

وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِامْرَاَةٌ وَّلَهٗۤ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ (النساء آیت نمبر۱۲)

ترجمہ: اور اگر جس مرد کی میراث ہے باپ اولاد نہ رکھتا ہو یا ایسی عورت ہو اور اس کا ایک بھائی یا بہن ہو تو دونوں میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا۔

قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِى الْكَلٰلَةِ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗۤ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ (النساء نمبر ۱۷٦)

ترجمہ: آپ فرما دیجئے اللہ تمہیں ایسی میت کے ترکہ میں حکم دیتا ہے جس کی اولاد نہ ہو اور اس کی ایک بہن ہو تو اس کو آدھا ملے گا اس کے ترکہ سے۔

لیکن جب شان نزول کا اعتبار کیا گیا تو معلوم ہوا کہ دوسری آیت کا نزول حضرت جابر بن عبداللہ کے سوال پر ہوا جبکہ انہوں نے اپنی اور اپنی بہن کے متعلق سید دو عالم ﷺ سے استفسار فرمایا تو یہ آیت نازل ہوئی جابر بن عبداللہ کی حقیقی بہن تھی اس لئے یہ آیت حقیقی بہن کے متعلق ہے اور پہلی آیت مادری بہن کے متعلق ہے کہ ماں کو جب چھٹا ملتا ہے تو ماں کی طرف سے ہونے والی بہن کو بھی چھٹا حصہ ملے گا اس لئے علماء تفسیر نے فرمایا ہے کہ قرآن مجید کی صحیح تفسیر کے لئے

شان نزول کا سمجھنا نہایت ہی ضروری ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسباب نزول اور شان نزول کی پوری واقفیت رکھتے تھے، ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔

"قرآن کریم کی کوئی سورۃ اور کوئی آیت ایسی نہیں جس کو میں نہ جانتا ہوں کہ وہ کب، کہاں اور کس مسئلہ کے بیان کے لئے نازل کی گئی ہے"۔ (رواہ البخاری)

اس لئے شان نزول کا اعتبار کرنا تفسیر کے لئے نہایت ضروری ہے اس کے بغیر تفسیر بالرائے کا خطرناک دروازہ کھل جائے گا، مفسر القرآن نواب صدیق حسن خان مرحوم نے فرمایا:

"اس علم کے فوائد میں سے قرآن کریم کے معانی کا سمجھنا اور احکام کا استنباط ہے، اس لئے کہ اکثر اوقات قرآنی ارشادات کی تفسیر سوائے شان نزول کے اعتبار کرنے کے نہیں ہوسکتی جیسا کہ ارشاد قرآنی ہے:۔

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَيْنَما تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰہ

اگر اس آیت کا معنی شان نزول کے اعتبار کے بغیر کیا جائے تو اس سے یہ ثابت ہوگا کہ استقبال قبلہ نماز میں فرض نہیں حالانکہ یہ بات اجماع امت کے سراسر خلاف ہے اور اگر شان نزول کا اعتبار کرتے ہوئے تفسیر کی جائے کہ نوافل سفر اور عدم علم کی حالت کے متعلق ہے تو اب تفسیر بالکل واضح اور صاف ہو جائے گی، چنانچہ علماء تفسیر نے خاص اسی موضوع پر علیحدہ مستقل تصانیف فرمائی ہیں جن میں سے "اسباب نزول" علی

بن مدینی (م ۲۳۴ھ) اور ''اسباب نزول'' از علی بن احمد
واحدی (م ۴۶۴ھ) ''اسباب نزول'' از عبدالرحمٰن بن علی
جوزی (م ۵۹۷ھ) اور ''اسباب نزول'' از علامہ ابن حجر
عسقلانی (م ۸۵۲ھ) اور ''اسباب نزول'' از حافظ ابن رجب
(م ۵۸۸ھ) زیادہ مشہور ہیں''۔

فائدہ: یہ آیت سورۃ بقرہ کی آیت نمبر ۱۱۵ ہے اور یہ ان صحابہ کرام کی نماز کے متعلق ہے جن پر قبلہ مشتبہ ہو گیا تھا اور انہوں نے تحری (غور وفکر) سے جہت قبلہ کو متعین کر کے نماز ادا کر لی تھی، آج بھی یہی حکم باقی ہے اگر ایک آدمی ایسی جگہ ہو کہ اس کو جہت قبلہ کا علم نہ ہو اور نہ ہی کوئی اس کو بتلانے والا ہو، تو اب اگر اس نے سوچ وفکر کے ساتھ ایک جہت کو قبلہ سمجھ کر نماز پڑھ لی تو نماز ہو جائے گی۔

اگر چہ قرآن کریم اپنے عموم الفاظ کے لحاظ سے ساری دنیا کیلئے آخری اور ابدی ہدایت کاملہ ہے کسی وقت کسی قوم کسی مکان کی تخصیص اس لحاظ سے درست نہیں مگر صحیح ترجمہ اور تفسیر کیلئے اسباب نزول کا لحاظ رکھنا نہایت ضروری ہے تا کہ ارشاد قرآنی کی تفسیر حکمت نزول کے خلاف واقع نہ ہو، شان نزول کا اعتبار کرنے سے دو فائدے تو ضروری حاصل ہوں گے ایک تو یہ کہ جو آیت جس راوی یا عینی گواہ کے سامنے نازل ہوئی وہ بہ نسبت دوسری کے اس کی تفسیر اور مطلب کو زیادہ سمجھے گا، جیسا کہ سورۂ نور میں ارشاد قرآنی تلقونہ، کا معنی ابن ابی ملیکہ نے جھوٹ کیا ہے اور اس پر دلیل یہ پیش کی کہ سورۂ نور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی برأت اور عظمت شان میں نازل ہوئی اس لئے جو معنیٰ آپ فرمادیں گی وہ زیادہ صحیح ہو گا، چنانچہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس کا معنیٰ جھوٹ کا کیا ہے۔
(بخاری باب حدیث الافک)

اسی طرح قرآن کریم کی آیت نمبر ۱۹۵ سورۂ بقرہ میں ارشاد فرمایا:

وَلَاتُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّهْلُكَةِ

ترجمہ: اور نہ ڈالو اپنی جان کو ہلاکت میں

اس کے ظاہری الفاظ سے یہ مطلب بھی لیا جا سکتا ہے کہ تم ہلاکت اور تباہی سے بچنے کیلئے جہاد نہ کرو کیونکہ جہاد سے تو انسان بظاہر بعض اوقات ہلاک ہو جاتا ہے اور ہلاکت کا خطرہ تو ہر ایک کو رہتا ہی ہے۔ مگر صحابہ کرامؓ نے اس کی تفسیر کیا فرمائی ؟۔

رومیوں کے ساتھ مقابلہ کرتے ہوئے ایک مسلمان رومیوں کی صفوں کو چیرتا ہوا آگے بڑھا تو بعض لوگوں نے چلا کر کہا کہ یہ اپنے ہاتھوں خود ہلاکت میں کود گیا (یعنی قرآن مجید کی اس آیت سے استدلال کیا) اس پر حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم اس آیت کی یہ تاویل کر رہے ہو حالانکہ یہ آیت تو ہمارے حق میں نازل ہوئی (اس لئے ہم اس کی مراد کو سب سے زیادہ بہتر سمجھ سکتے ہیں) جب اسلام کو غلبہ حاصل ہوا اور صحابہ کرامؓ کی مالی حالت بہت بہتر ہو گئی تو انصار نے یہ سوچا کہ اب اس معاشرتی اور معاشی اصلاحِ کا کام کرنا چاہیئے تو قرآن حکیم کا یہ ارشاد نازل ہوا کہ اس طرز عمل سے تم ہلاک ہو جاؤ گے، چنانچہ ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی وفات اسی جہاد کی زندگی میں قسطنطنیہ میں ۵۱ھ کو ہوئی۔

دوسرا بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس سے تاویل فاسدہ اور تحریف کا دروازہ بند رہتا ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا:۔

> ''خوارج اللہ تعالیٰ کی بدترین مخلوقات میں سے ہیں کہ انہوں نے ان آیات کو جو کافروں اور مشرکوں کے لئے نازل ہوئی تھیں مسلمانوں پر چسپاں کرنا شروع کر دیا''
>
> (بخاری باب قتل الخوارج والمرتدین)

یہی خطرہ صحابہ کرام کو لاحق تھا چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مفسر القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ اس امت میں اختلاف کس طرح پیدا ہوگا جبکہ ان کی کتاب (قرآن مجید) ایک، نبی (ﷺ) ایک، قبلہ ایک ہوگا تو حضرت ابن عباسؓ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ ہم پر قرآن نازل ہوا ہم نے اس کو پڑھا اور سمجھا لیکن ہمارے بعد بعض ایسی اقوام پیدا ہوں گی جو قرآن کریم کو پڑھیں گی مگر ان کو یہ معلوم نہ ہوگا کہ یہ آیت کس واقعہ اور کس مسئلہ کی اہمیت کے متعلق ہے تو ہر ایک اپنی اپنی رائے سے اس کی تفسیر کر دے گا جس کا لازمی نتیجہ اختلاف اور پھر جنگ وجدال ہوگا۔ (رواہ[1] سعید بن منصور فی سننہ)

چنانچہ امت محمدیہ کے خلاف جس فرقہ نے اصلاح کا لبادہ اوڑھ کر مسلمانوں کے قتل عام کا جواز پیش کیا وہ فتنہ خوارج ہے، ان بدبختوں نے قرآنی آیات سے مسلمانوں میں انتشار اور فساد پھیلایا حالانکہ قرآن حکیم شفاء و رحمۃ للمومنین ہے، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قرآن حکیم کا ارشاد وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ (بقرہ) ان خوارج کے متعلق ہے جو مسلمانوں کو مشرک کہہ کر قتل کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ (الرسالۃ الاولیٰ از ابن تیمیہ ص ۱۶۳)

یہی صورتحال تیرہویں صدی ہجری میں واقع ہوئی، مسلمانوں کو مشرک کہہ کر ان کا قتل عام کیا گیا، علامہ شامیؒ نے اس فساد کا چشم دید حال شامی جلد ثالث میں بیان فرمایا ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح تفسیر کے لئے جن پندرہ شروط کا ذکر فرمایا ہے ان میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ تفسیر کرنے والا اسباب نزول سے واقف ہو ورنہ وہ تفسیر تفسیر بالرائے سمجھی جائے گی۔ (اتقان ص ۵۴۳)

---

[1] ابو عثمان سعید بن منصور خراسانی محدث اور مفسر تھے امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداؤد جیسے بلند پایہ محدث آپ کے شاگرد ہیں مکہ مکرمہ میں ۲۲۷ھ کو وفات پائی۔

جیسا کہ مفسر القران حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:۔

وجمعت مع ذلك مايحتاج اليه المفسر من النزول ○

(مقدمه فتح الخبير)

ترجمہ: میں نے اپنی اس کتاب میں ان اسباب نزول کو بھی جمع کر دیا ہے جن کی ایک مفسر کو ضرورت ہے۔

فائدہ: قرآن کریم میں اکثر مقامات پر سوال اور اس کا جواب ذکر ہے جو شان نزول کو خود بتا رہا ہے جیسا کہ تیرہ مقامات پر تو لفظ سوال اور اس سوال کی تشریح ذکر ہے، ایک جگہ استفتاء کا ذکر موجود ہے جیسا کہ کلالہ کے متعلق سورۃ النساء کا حوالہ گذر چکا ہے، ان تیرہ مقامات کو یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ، قُلْ فِيْهِمَا اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَا اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا (بقرہ نمبر ۲۱۹)

ترجمہ: یہ جناب سے شراب اور جوئے کی نسبت پوچھتے ہیں آپ فرما دیجئے ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگ (کافر) نفع سمجھتے ہیں حالانکہ ان کا گناہ اس نفع سے بہت بڑا ہے۔

(۲) يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى، قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ، (بقرہ نمبر ۲۲۰)

ترجمہ: یہ جناب سے یتیموں کے بارے میں پوچھتے ہیں آپ فرما دیجئے ان کی اصلاح ضروری ہے۔

(۳) يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ، قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ۔ (بقرہ نمبر ۱۸۹)

ترجمہ: یہ جناب سے چاندوں کے بڑھنے گھٹنے کے بارے میں پوچھتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ یہ وقت بتانے کا بڑا آلہ ہے۔

(۴) يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ط قُلْ هُوَاَذًى (بقرہ نمبر۲۲۲)

ترجمہ: لوگ آپ سے حیض کا پوچھتے ہیں تو آپ فرمادیجئے وہ گندگی ہے۔

(۵) يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَايُنْفِقُوْنَ ط قُلْ مَا اَنْفَقْتُمْ (بقرہ نمبر۲۱۵)

ترجمہ: لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ اللہ کی راہ میں کیا خرچ کریں آپ فرمادیجئے جوتم خرچ کرو۔

(٦) يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَايُنْفِقُوْنَ ط قُلِ الْعَفْوَ (بقرہ نمبر۲۱۹)

ترجمہ: لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ اللہ کی راہ میں کیا خرچ کریں آپ فرمادیجئے جوزیادہ ہو۔

(۷) يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ط قُلْ......الخ (بقرہ نمبر۲۱۷)

ترجمہ: لوگ آپ سے عزت والے مہینے میں جہاد کرنے کے بارے میں پوچھتے ہیں آپ فرمادیجئے......الخ

(۸) يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَآاُحِلَّ لَهُمْ ط قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ (المائدہ نمبر۴)

ترجمہ: لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کون سے جاندار اُن کیلئے حلال ہیں آپ فرما دیجئے حلال کئے گئے تمہارے لئے ستھرے جاندار اور ستھری چیزیں۔

(۹) يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ط قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ج (الانفال نمبر۱)

ترجمہ: لوگ آپ سے انفال کے متعلق پوچھتے ہیں آپ فرما دیجئے غنیمتیں اللہ کے لئے اور اس کے رسول کے لئے ہیں۔

(۱۰) يَسْتَفْتُوْنَكَ ۭ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِى الْكَلٰلَةِ (النسآء نمبر ۱۷۷)

ترجمہ: لوگ آپ سے استفتاء کرتے ہیں آپ فرما دیجئے اللہ تعالیٰ آپ کو فتویٰ دیتے ہیں کلالہ کے بارے میں۔

(۱۱) وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِى النِّسَاۗءِ (النسآء نمبر ۱۲۷)

ترجمہ: اور جناب سے پوچھتے ہیں عورتوں کے بارہ میں۔

(۱۲) وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّىْ فَاِنِّىْ قَرِيْبٌ (بقرہ نمبر ۱۸۶)

ترجمہ: اور جب آپ سے پوچھتے ہیں میرے بارہ میں تو میں قریب ہوں۔

(۱۳) قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِىْ تُجَادِلُكَ فِىْ زَوْجِهَا (المجادلہ نمبر ۱)

ترجمہ: بیشک سن لی اللہ تعالیٰ نے بات اس عورت کی جس نے بحث کی آپ کے ساتھ اپنے خاوند کے بارے میں۔

یہ تو احکام ہیں جن کے متعلق صحابہ کرام نے از روئے طلب و ہدایت نبی کریم ﷺ سے پوچھا اور آپ نے اس کا جواب باذن اللہ پیش فرمایا کچھ سوالات ایسے بھی ہیں جو بطور حجت کے غیر مسلموں کی طرف سے امام الانبیاء سید دو عالم ﷺ سے کئے گئے۔

(۱) يَسْــَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا (اعراف نمبر ۱۸۶)

ترجمہ: یہ آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ وہ کب واقع ہوگی۔

(۲) يَسْــَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّىْ (الاسراء نمبر ۸۵)

ترجمہ: یہ آپ سے روح کے متعلق پوچھتے ہیں آپ فرما دیجئے روح میرے رب کے امر سے ہے۔

(۳) وَيَسْــَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِى الْقَرْنَيْنِ ۭ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا (الکہف نمبر ۸۳)

ترجمہ: اور یہ لوگ آپ سے ذوالقرنین کے متعلق پوچھتے ہیں آپ فرما دیجئے میں تمہارے لئے اس کا کچھ ذکر کرتا ہوں۔

(۴) يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّىْ نَسْفًا (طٰہٰ نمبر ۱۰۵)

ترجمہ: یہ لوگ آپ سے پہاڑوں کے متعلق پوچھتے ہیں تو آپ فرما دیجئے میرا رب ان کو بالکل اڑا دے گا۔

سورۃ یوسف ساری کی ساری ایک سوال کے جواب میں نازل ہوئی وہ یہ تھا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام جن کا دوسرا نام اسرائیل ہے یہ تو سرزمین کنعان (شام) کے رہنے والے تھے تو پھر ان کی اولاد مصر کس طرح جا کر آباد ہوگئی اس کے جواب میں پوری سورۃ یوسف نازل فرمائی کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے فرزند ارجمند یوسف علیہ السلام کو مصر لے جایا گیا الیٰ آخرہ، چنانچہ اس سورۃ کے شروع میں ارشاد قرآنی ہے۔

لَقَدْ كَانَ فِىْ يُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖ اٰيٰتٌ لِّلسَّائِلِيْنَ (یوسف نمبر ۷)

ترجمہ: بے شک حضرت یوسف اور ان کے بھائیوں کے حالات میں پوچھنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

علمی فائدہ

مندرجہ بالا سب سوالات کے جواب میں لفظ قل ارشاد فرمایا، البتہ سوال نمبر ۴ کے جواب میں فقل، فا کا حرف زیادہ کر کے جواب میں ارشاد فرمایا، اس کی حکمت علمائے تفسیر نے یہ فرمائی کہ باقی سب جوابات، سوالات کے بعد نازل فرمائے مگر یہ جواب سوال کرنے والوں کے سوال سے پہلے آپ پر نازل فرمایا کہ جب وہ آپ سے یہ سوال کریں گے تو آپ یہ جواب ارشاد فرمادیں۔

اسی طرح بعض آیات کسی سوال کے جواب میں نازل فرمائیں تو اس کی

دو صورتیں ہیں کچھ جواب سوالات کے ساتھ بالکل متصل دئے گئے اور کچھ دوسری جگہ دیئے گئے اس اعتبار سے آیات کی تین قسمیں کی جاسکتی ہیں۔

پہلی قسم

وہ جوابات جو سوالات کے ساتھ بالکل متصل آ گئے، جیسا کہ فرمایا۔

وَيَقُولُونَ مَتیٰ هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ (الملک ۲۵،۲۶)

ترجمہ: یہ پوچھتے ہیں قیامت کا وعدہ کب پورا ہوگا آپ فرما دیجئے اس کا علم تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔

دوسری قسم

وہ آیات ہیں جو ایک ہی سورت میں بطور سوال کے اور پھر اسی سورۃ میں ان کا جواب بھی آیا مگر سوال اور جواب میں کچھ دوسری آیات بھی موجود ہیں جیسا کہ فرمایا:

وَقَالُوا مَالِ هٰذَا الرَّسُولِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِی فِی الْاَسْوَاقِ (الفرقان نمبر ۷)

ترجمہ: اور وہ کہتے ہیں یہ کیسا رسول ہے؟ جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔

اس اعتراض کا جواب اسی سورۃ میں ہے مگر ذرا آگے جا کر آیت نمبر ۲۰ میں فرمایا:۔

وَمَا اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ اِلَّا اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُونَ الطَّعَامَ وَيَمْشُونَ فِی الْاَسْوَاقِ۔

ترجمہ: ہم نے آپ سے پہلے جو رسول بھیجے وہ بھی کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے تھے۔

تیسری قسم

وہ آیات ہیں جن کا سوالی شکل میں ذکر ایک سورۃ میں ہے اور جواب دوسری کسی سورۃ میں موجود ہے اس کی چند مثالیں وضاحت کیلئے بطور سوال اور جواب کے درج کی جاتی ہیں۔

(س) وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَسْتَ مُرْسَلًا (الرعد نمبر ۴۳)

ترجمہ: اور یہ کافر کہتے ہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول نہیں۔

(ج) يٰسٓ ۝ وَالْقُرْآنِ الْحَكِيمِ ۝ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝ (یٰس نمبر ۱ تا ۳)

ترجمہ: اے یٰس (سید دوعالم) قرآن حکیم کی قسم! بیشک آپ یقیناً رسولوں میں سے ہیں سیدھی راہ پر۔

(س) اِنَّكَ لَمَجْنُونٌ ۝ (الحجر نمبر ۶)

ترجمہ: یہ کافر کہتے ہیں کہ آپ مجنون ہیں

(ج) مَا اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ ۝ (ق نمبر ۲)

ترجمہ: آپ اپنے رب کے فضل وکرم سے مجنون نہیں ہیں۔

(س) قَالُوا وَمَا الرَّحْمٰنُ ۝ (الفرقان نمبر ۶)

ترجمہ: یہ کہتے ہیں اور رحمٰن کیا ہے؟

(ج) اَلرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝ (الیٰ اخرالسورۃ)

ترجمہ: رحمٰن نے قرآن کی تعلیم دی، انسان کو پیدا کیا اور اس کو بیان سکھایا۔

فائدہ: اس قاعدے کا یہ ہے کہ مترجم اور مفسر، قرآن حکیم کی صحیح مراد کامل طور پر اس وقت سمجھ سکتا ہے جب اس کے سامنے قرآن مجید کی وہ تمام آیات ہوں جن کا تعلق کسی خاص حکم اور عقیدہ سے ہے اور اس میں شان نزول کا اعتبار نہایت ہی ضروری ہے۔ (واللہ اعلم)

(۷) کلمات قرآنیہ کے سمجھنے کا طریقہ

قران مجید اس قدیر علیم اور حکیم خداوند قدوس کا کلام ہے جو ہر چیز کو جاننے والا سمجھنے والا ہر چیز کی حقیقت سے اس کے وجود میں آنے سے پہلے اور اس کے مٹ جانے کے بعد بھی باخبر رہنے والی ذات جلیل ہے خداوند قدوس نے کلام خداوندی کی جامعیت، اکملیت اور افادیت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:۔

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا لَّا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ○ (الانعام نمبر ۱۱۵)

ترجمہ: اور تیرے رب کی باتیں سچائی اور عدل میں کامل ہیں اس کے کلموں کو کوئی بدلنے والا نہیں اور وہ سنتا اور جانتا ہے۔

اس ارشاد قرآنی میں مندرجہ ذیل حقائق بیان فرمائے:۔

ا: رب کریم کے کلمات صدق کے آخری درجہ کمال تک پہنچے ہوئے ہیں ان سے بہتر صدق میں کوئی کلام نہیں ہو سکتی، صدق کا معنی ہمارے عام محاورے کے اعتبار سے سچ ہے اور اس کا مفہوم یہ بھی ہے کہ واقع کے مطابق جس کلام کو کہنا چاہیئے وہ خداوند قدوس کا ارشاد ہے اور ارشاد الٰہی صدق کی سب سے عظیم بلندی پر فائز ہے۔

ب: عدل کا معنیٰ وضع الشی فی محلہ ہے یعنی جہاں جو کلمہ لایا گیا وہاں اب اس کا ہم معنی کلمہ لانا بھی قرآنی تحریف اور ارشاد خداوندی کا مقابلہ ہے۔ محدث عصر

حضرت علامہ انور شاہ صاحب کاشمیری نور اللہ مرقدہ نے فرمایا:

''مفردات میں قرآن مجید وہ کلمہ اختیار[1] فرماتا ہے جس سے اوفی بالحقیقۃ واوفی بالمقام ثقلین نہیں لا سکتے، مثلاً جاہلیت کے اعتقاد میں موت پر توفی کا اطلاق درست نہ تھا کیونکہ ان کے اعتقاد میں نہ بقائے جسد تھی اور نہ بقائے روح، توفی وصول کرنے کو کہتے ہیں ان کے عقیدہ میں موت توفی نہیں ہو سکتی قرآن مجید نے موت پر توفی کا اطلاق کیا اور بتلایا کہ موت سے وصولیابی ہوتی ہے نہ فناء محض''

ج: اللہ تعالیٰ کے کلمات کو کوئی نہیں بدل سکتا اس کی ایک مراد تو یہ ہو سکتی ہے کہ جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ ہو کر رہے گا، اسلام کا غلبہ، کفر کی شکست، قیامت کا آنا وغیرہا امور جن کا تعلق اس وقت مغیبات سے تھا یہ ہو کر رہے گا (یہ آیت سورۃ الانعام میں ہے اور الانعام مکی سورت ہے) ایک مراد یہ بھی ہو سکتی ہے کہ کافر آپ سے جو آپ کی صداقت پر نشانیاں مانگتے ہیں ان کے لئے قرآن مجید سے بڑھ کر کونسی نشانی ہو سکتی ہے، اس کلام مجید کا کوئی بدل نہیں لا سکتا۔

اس لئے ضروری ہے کہ کلمات قرآنیہ پر غور و فکر کرے پھر ترجمہ اور تفسیر کرے، اس سے انشاء اللہ کئی غلط راستوں سے محفوظ رہے گا جہاں قرآن مجید نے اپنے کسی ارشاد کی مراد اور معنیٰ خود متعین فرما دیا وہاں تو اس کے متعلق کسی قسم کی بھی تحقیق تفسیری اعتبار سے غیر ضروری ہو گی، مثلاً تسنیم کا ذکر قرآن مجید میں صرف

وَمِزَاجُهٗ مِنْ تَسْنِيْمٍ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ ۝

(التطفیف نمبر ۲۷، ۲۸)

ایک جگہ آیا ہے اور وہاں بھی اس کی وضاحت خود قرآن مجید نے فرما دی، فرمایا:۔

---

[1] قرآن مجید کا ارشاد گرامی ہے قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ۝ (الاسراء نمبر ۸۸) (ترجمہ) ''آپ فرما دیجئے اگر اکٹھے ہو جائیں سب انسان اور جن (ثقلین) اس پر کہ لائیں اس قرآن جیسا ہرگز نہ لا سکیں گے اس جیسا اگرچہ یہ ایک دوسرے کی پوری مدد کریں''۔

ترجمہ: اور اس کی آمیزش تسنیم کے پانی سے ہوگی یہ چشمہ ہے جس سے مقرب بندے پیئیں گے۔

اب اگر تسنیم کی تفسیر کسی اور حقیقت کے ساتھ کی جائے گی تو یہ سراسر غلطی ہوگی، اسی طرح فرمایا۔

عَيْنًا فِيهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيلًا ٥ (الدھر نمبر ۱۸)

ترجمہ: ایک چشمہ جس کا نام جنت میں سلسبیل رکھا گیا ہے۔

کلمہ سلسبیل کا معنیٰ مراد بتا دیا کہ وہ ایک چشمہ جس کا نام جنت میں سلسبیل رکھا گیا ہے۔اسی طرح فرمایا:۔

وَمَا اَدْرَاكَ مَاالْحُطَمَةِ ٥ نَارُاللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ٥ (الھمزہ نمبر ۶،۵)

ترجمہ: اور تجھے پتہ ہے وہ حطمہ کیا ہے؟ سلگائی ہوئی آگ۔

اس آیت میں کلمہ حطمہ کی خود تشریح فرمادی کہ وہ آگ ہے جو سلگائی جا چکی ہے اور اس کا تسلط دوزخیوں کے دلوں پر ہوگا، فرمایا:

ثُمَّ مَا اَدْرَاكَ مَايَوْمُ الدِّيْنِ ٥ يَوْمَ لَاتَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا وَالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ٥ (الانفطار (نمبر ۱۷تا۱۹)

ترجمہ: اور تجھ کو کیا خبر کیسا ہے دن انصاف کا جس دن بھلا نہ کر سکے گا کوئی بھی کسی کا کچھ اور حکم اس دن اللہ کا ہے۔

یعنی یوم الدین کا کلمہ قرآن مجید میں کئی جگہ آیا ہے اس کی یہاں وضاحت فرمادی کہ اس سے مراد قیامت کا یوم الحساب ہے اسی طرح فرمایا:

وَمَا اَدْرَاكَ مَاهِيَةُ ٥ نَارٌ حَامِيَةٌ ٥ (القارعہ نمبر ۱۰،۱۱)

ترجمہ: آپ کو معلوم ہے وہ ہاویہ کیا ہے دہکتی ہوئی آگ ہے۔

علیٰ ہٰذا القیاس بعض آیات میں جس کلمے کی تشریح فرمادی گئی ہے کسی کو بھی اب حق نہیں پہنچتا کہ اس میں اپنی رائے کو دخل کرے

(۸) کلماتِ متبادلہ

اسی طرح ان کلماتِ متبادلہ کا لحاظ ضروری ہے جو ایک ہی آیت کے ایک مقام پر تعبیر کے اختلاف کے ساتھ آئے ہیں، بعض علماء تفسیر کا خیال ہے کہ وہ الفاظ مترادف ہیں مگر بات یہ نہیں الفاظ قرآنی میں ترادف نہیں بلکہ ہر لفظ اور کلمے کا محمل علیٰحدہ علیٰحدہ ہے، ہاں بعض جگہ مراد بھی لیا گیا ہے جس کی وضاحت انشاء اللہ تعالیٰ آجائے گی، اس لئے ان کلماتِ متبادلہ کو ایک دوسرے کی تفسیر اور توضیح کے طور پر سمجھا جائے، یہاں مختصری فہرست دی جاتی ہے:۔

کلمات	محل ذکر	کلمات	محل ذکر
فَسَوّٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰت	بقرہ۔۲۹	فَقَضَاهُنَّ	حم السجدہ۔۱۲
وَقُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ	بقرہ۔۲۵	وَيَآ آدَمُ اسْكُنْ	اعراف۔۱۹
وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ	بقرہ۔۵٦	عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ	اعراف۔۱٦۰
فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ	بقرہ۔٦۰	فَانْبَجَسَتْ مِنْهُ	اعراف۔۱٦۰
بَعْدَ الَّذِىْ جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ	بقرہ۔۱۲۰	بَعْدَ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ	الرعد۔۳۷
لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعَاكِفِيْنَ	بقرہ۔۱۲۵	وَالْقَائِمِيْنَ	الحج۔۲٦
اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآءُ هُمْ لَايَعْقِلُوْنَ	بقرہ۔۱۷۰	لَايَعْلَمُوْنَ	المائدہ۔۱۰٤
لِكَيْلَا تَحْزَنُوْا	آلعمران۱۵۳	لِكَيْلَا تَاْسَوْا	الحدید۔۲۳
خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا	النساء۔۱	وَجَعَلَ مِنْهَا	اعراف۔۱۸۹
اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا	النساء۔۱٤۹	شَيْئًا	احزاب۔۵٤
مِنْ اِمْلَاقٍ	انعام۔۱۵۱	خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ	الاسراء۔۳۱
وَاَرْسِلْ فِى الْمَدَائِنِ	الاعراف۱۱۲	وَابْعَثْ فِى الْمَدَائِنِ	الشعراء۔۳٦
ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ	الاعراف۱۲٤	وَلَاُصَلِّبَنَّكُمْ	طٰہ۔۷۱
يُرِيْدُوْنَ اَنْ تُطْفِئُوْا	توبہ۔۳۲	يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِئُوْا	الصف۔۸
فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ	یونس۔۹۰	بِجُنُوْدِهٖ	طٰہ۔۷۷
وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا	ہود۔۸۲	وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ	الحجر۔۷٤

وَمَا يَاتِيهِم مِن رَّسُولٍ	الحجر۔۱۲	وَمَايَاتِيهِم مِّن نَّبِيٍّ	الزخرف۔۷
كَذٰلِكَ نَسْلُكُهُ	الحجر۔۱۲	كَذٰلِكَ سَلَكْنٰهُ	الشعراء۔۲۰۰
لَئِن رُّدِدتُّ	کهف۔۳۶	وَلَئِن رُّجِعْتُ	حم السجده ۵۰
فَاَعْرَضَ عَنْهَا	کهف۔۵۷	ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا	الم السجده ۲۲
وَسَلَكَ لَكُمْ فِيْهَا	طه۔۵۳	وَجَعَلَ لَكُمْ فِيْهَا	الزخرف۔۱۰
ثُمَّ كَفَرْتُم بِهٖ	حم السجده ۵۲	وَكَفَرْتُم بِهٖ	الاحقاف۔۱۰
كَلَّا اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ	المدثر۔۵۴	اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ	عبس۔۱۱
فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ	الانبياء۔۷۰	فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ	الصافات۔۹۸
وَتَقَطَّعُوْا اَمْرَهُمْ	الانبياء۔۹۳	فَتَقَطَّعُوْا اَمْرَهُمْ	المؤمن۔۹۳
فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ	النمل۔۸۷	فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ	الزمر۔۶۸
وَلَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَا اٰيَةً	العنكبوت ۳۵	قَدْ تَّرَكْنٰهَا اٰيَةً	القمر۔۱۵
فَاَرْسِلْ مَعَنَا	طه۔۴۷	فَاَرْسِلْ مَعِيَ	اعراف۔۱۰۵

مطلب یہ ہے کہ کلمات قرآنیہ پر پوری طرح غور وفکر کیا جائے تا کہ تفسیر اور ترجمہ صحیح کرنے میں مدد مل سکے اس کی چند مثالیں برائے وضاحت درج کی جاتی ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دو بیٹے عطا فرمائے جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے حضرت اسمٰعیل اور حضرت اسحٰق علیہما السلام۔ مگر ان دونوں کی ولادت کی جو بشارات ہیں ان کے کلمات میں فرق ہے جیسا کہ سورۃ الصّٰفّٰت میں جو کہ مکی ہے اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس ہجرت کا ذکر ہے جو آپ نے قوم کی دعوت و تبلیغ کے بعد فرمائی اسی سفر ہجرت میں آپ کی دعا کا ذکر ہے فرمایا۔ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بشارت دی کہ دعا قبول ہوگئی آپ کو ایک لڑکا دیا جائے گا جو حلیم یعنی بڑا ہی بردبار ہوگا۔ سورۃ الحجر میں آپ کو ایک دوسرے بیٹے کی عطا کا ذکر ہے جس کے لئے نہ تو آپ نے دعا کی اور نہ ہی آپ کی بدنی حالت اس کے مناسب تھی اسلئے جب فرشتوں نے آپ سے کہا:۔

اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ عَلِيمٍ:۔ تو آپ نے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا اَبَشَّرْتُمُوْنِیْ عَلٰی اَنْ مَّسَّنِیَ الْکِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوْن سورۃ الذاریات میں بھی اسی کا ذکر ہے۔ البتہ یہاں اتنی بات اور زیادہ ہے کہ اس بشارت کے وقت آپ کی زوجہ محترمہ بھی حاضر تھیں اور انہوں نے بھی ازراہ تعجب فرمایا۔ قالت عَجُوْزٌ عَقِيْم میں بیٹا جنوں گی؟ حالانکہ میں بوڑھی ہوں اور میری تو جوانی میں بھی اولاد نہیں ہوئی کہ میں بانجھ ہوں۔ ان آیتوں میں اس کی صراحت نہیں کہ ان دونوں جگہوں میں کون سی آیت کا تعلق حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی ولادت سے ہے اور کون سی کا تعلق حضرت اسحٰق علیہ السلام کی ولادت سے ہے۔ مگر جب سورۃ ہود میں اس قصے کے ضمن میں فرمایا فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ (آیت نمبر ۵) اس آیت سے واضح ہو گیا جس بیٹے کی بشارت میں صفت علیم کا ذکر ہے وہ حضرت اسحٰق علیہ السلام ہیں۔ اس سے یہ بات از خود ثابت ہو گئی کہ غلام حلیم سے مراد حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور وہی ذبیح اللہ ہیں۔ اس سے زیادہ اور کیا بردباری ہو سکتی ہے کہ راہِ خداوندی میں بچپن ہی میں ہجرت کی اور ہجرت بھی ایسی کٹھن اور پھر لوجہ اللہ ذبح ہونے پر بخوشی آمادگی یہ سب حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہی کے متعلق ہیں اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا○ (مریم نمبر ۵۴) (واللہ اعلم بالصواب)

(۲) پردہ کے متعلق حکم دیتے ہوئے فرمایا!

وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ (نور نمبر ۳۱)

ترجمہ: اور عورتوں کو چاہیئے کہ اپنی چادریں اپنے گریبانوں پر بند کر لیں۔

لفظ خمر خمار کی جمع ہے۔ خمار کا لفظ خمر سے مشتق ہے کسی چیز کو ڈھانپ لینے والی چیز خمر ہے شراب کو بھی خمر کہا جاتا ہے لانہ یخامر العقل تو خمار سے مراد وہ

بڑی چادر اور اوڑھنی ہے جو عورت کے سارے بدن کو ڈھانپ لے اور اس کے بڑھے ہوئے کونے اپنے گریبانوں پر بند کر دیئے جائیں جیسا کہ مسلمان شرفاء خواتین کا شعار ہے۔

(۳) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق سفر مدین کا حال مذکور ہے جس میں ایک جگہ ارشاد فرمایا!

فَسقی لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰی اِلَی الظِّلِّ (القصص نمبر۲۴)

ترجمہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام ان دونوں لڑکیوں کے چار پایوں کو پانی پلا کر پھر سائے کی طرف لوٹ گئے۔

اگر یہاں پر لفظ رجع یا ذہب لایا جاتا تو بظاہر اس میں کچھ خاص فرق نظر نہیں آتا لیکن ان سب الفاظ کے معانی پر غور کرنے سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ لفظ تَوَلّٰی شان نبوت کے زیادہ مناسب ہے اس لئے کہ تَوَلّٰی کا معنی پیٹھ دے کر لوٹا یعنی موسیٰ علیہ السلام نے پوری بے اعتنائی کرتے ہوئے پیچھے بھی مڑ کر نہ دیکھا ان دولڑکیوں کی ضرورت، غیرت ایمانی سے متاثر ہو کر پوری کر دی اور پھر کمال احتیاط اور حزم سے واپس لوٹے۔

(۴) حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جب قوم نے پانی مانگا اور آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔

فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا (بقرہ نمبر۶۰)

ترجمہ: تب پھوٹ نکلے اس پتھر سے بارہ چشمے۔

لفظ فجر پر غور کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس میدان میں پانی پہلے سے موجود نہ تھا نہ ہی اس پتھر میں کوئی چشمہ وغیرہ پہلے تھا۔ اس پتھر سے پانی کا نکلنا یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی مارنے کے بعد ہوا۔ جیسا کہ فجر کا معنی تاریکی کا

پھٹ جانا۔ اگر پہلے ہی صبح ہو تو اس کو فجر نہیں کہتے بلکہ فجر رات کے بعد ظہور پذیر ہوتی ہے۔

(۵) سورۃ مریم نمبر ۷۱ میں قیامت کا کچھ حال بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا تم میں سے ہر ایک کا ورود جہنم پر ہوگا حالانکہ نیک لوگ جہنم سے محفوظ ہوں گے۔ قابل فہم یہ بات ہے کہ ورود کا معنیٰ دخول نہیں بلکہ پہنچنا اور عبور کرنا ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق ہے۔ ولما ورد ماء مدین ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین کے پانی میں داخل تو نہیں ہوئے بلکہ اس کے کنارہ پر پہنچے۔ اب سورۃ مریم کی آیت مسطورہ بالا کا پورا ترجمہ یہ ہوگا۔

وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا
ثُمَّ نُنَجِّى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا○

ترجمہ: اور تم میں سے ہر ایک کا اس پر گذر ہوگا آپ کے رب پر ضروری اور لازم ہے پھر ہم ڈرنے والوں (نیکوں) کو بچالیں گے اور نافرمانوں کو اس میں گھٹنوں کے بل گرنے دیں گے۔

(۶) قرآن حکیم میں اہل کتاب کے متعلق دو کلمے ارشاد فرمائے ہیں اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ اور اُوْتُوا الْكِتٰبَ بظاہران دونوں کلموں میں کوئی خاص فرق نہیں مگر حقیقت میں ان دونوں کے درمیان بڑا فرق ہے۔ پہلے کلمہ سے مراد وہ اہل کتاب ہیں جو نور ایمان سے مشرف ہو گئے جیسا کہ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ۔ انہی کے بارے میں قرآن مجید نے فرمایا۔ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ (بقرہ نمبر ۱۲۱) جہاں اہل کتاب کے ایمان کا ذکر فرمایا تو اس کی تعبیر اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ کے ساتھ فرمائی۔ اور جب غیر مسلم اہل

سکتا ہے کہ!

ا: عیسیٰ علیہ السلام کا باپ نہ تھا ورنہ ماں کا نام نہ لیا جاتا۔

ب: آپ اپنی والدہ ماجدہ سے پیدا ہوئے اس لئے معبود نہیں۔

ج: قوم ہمیشہ باپ سے بنتی ہے آپ کا جب باپ نہیں تو قوم کیسے بن سکتی ہے۔

(۹) طریقہ تفہیم مطالب

قرآن حکیم کی تفسیر و ترجمہ سمجھنے کے لئے چند باتوں کا جاننا نہایت ضروری ہے اگر ان کا لحاظ رکھا گیا تو قرآنی تعلیمات مدلل اور مفصل طریقہ پر ذہن میں آجائیں گی۔ قرآن حکیم کا طرز بیان یہ ہے کہ ایک مسئلہ کو بار بار بیان فرماتے ہیں مگر ان کا سیاق اور سباق الگ ہوتا ہے اور ساتھ ہی ان کے دلائل بھی علیحدہ ہوتے ہیں چنانچہ ارشاد قرآنی ہے۔

اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ (انعام نمبر ۶۵)

ترجمہ: آپ دیکھیں ہم کس طرح دلائل کو پھیر پھیر کر لاتے ہیں شاید کہ وہ سمجھ جاویں۔

قرآن حکیم کا طرز بیان یہ ہے کہ پہلے ایک بات کو بطور دعویٰ یا حکم کے فرماتے ہیں اور پھر اس پر دلیل لاتے ہیں۔ یہ دلائل سامعین کے لحاظ سے تین قسم ہیں۔ ایمان کا مرتبہ۔ تصدیق کا مرتبہ۔ علم میں استحکام کا مرتبہ قرآن کریم میں ان تینوں قسموں کو اپنے اپنے موقع اور محل پر بیان فرمایا کہیں تو فرمایا للمؤمنین اور کہیں فرمایا لقوم یؤقنون اور کہیں لقوم یعقلون فرمایا۔ حضرت ابراہیم کا سوال سورۃ بقرہ میں موجود ہے آپ نے احیاء موتیٰ کے متعلق جب مشاہدہ کی درخواست کی تو ارشاد فرمایا اولم تومن جواب میں عرض کیا بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ (بقرہ نمبر ۲۶۰) ایمان تو یقیناً ہے مگر یہ مشاہدہ کا سوال اطمینان قلب (یقین میں

استحکام) کے لئے ہے۔ علی ہذا القیاس حضرت عزیر علیہ السلام نے جب اپنی موت کے سو سال بعد دوبارہ حیات اور اپنے حمار کی بچشم خود دوبارہ زندگی کو ملاحظہ کرلیا۔ اور ساتھ ہی دیکھ لیا کہ ان کا کھانا اور پانی دونوں اسی حالت میں موجود ہیں تو عرض کیا اَعلَمُ اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیئٍ قَدِیرٌ (بقرہ نمبر ۲۵۹) میں یقین رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے یہ دلائل جو کسی حکم اور عقیدہ کو سمجھانے کے لئے قرآن حکیم نے دیئے ہیں ان کی مفسرین قرآن مجید نے آٹھ قسمیں فرمائی ہیں۔ ان کا سمجھنا ترجمہ اور تفسیر کے لئے نہایت ضروری ہے ان کی تشریح دلائل کے ساتھ لکھی جاتی ہے۔

(۱) دلیل عقلی

اس کو سمجھنے سے پہلے اس بات کا جاننا ضروری ہے کہ قرآنی دلائل سب عقلی بھی ہیں اور نقلی بھی، عقلی تو اس اعتبار سے ہیں کہ قرآن مجید کا کوئی بھی حکم عقل سلیم کے خلاف نہیں۔ اور نقلی اس اعتبار سے ہیں کہ جو کچھ فرمایا سب امت نے سید دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر منجانب اللہ وحی کے طریقہ پر نازل ہوا۔ صرف سمجھانے کے لئے چند اقسام یوں فرمادیئے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا کوئی نبی بھی دنیا میں نہ آتا اور کوئی بھی اس بات کا اعلان نہ کرتا کہ اے دنیا والو! تم سب مخلوق ہو اور تمہارا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ تب بھی انسانی عقل وبصیرت ازخود بھی اس بات کا یقین کرلیتی کہ اس سارے کارگاہ عالم کا بنانے والا یقیناً کوئی ہے۔ اس اعتبار سے اس کو دلیل عقلی کہا گیا۔ اس کی مثال درج ذیل ہے۔

سورۃ بقرہ آیت نمبر ۱۶۳ میں ایک عقیدہ کا اعلان فرمایا:

وَاِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۝

ترجمہ: تم سب انسانوں کا معبود برحق صرف ایک ہی ہے۔

اب اس پر دلیل دیتے ہوئے فرمایا:

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ۝ (نمبر ۱۶۴)

ترجمہ: بے شک آسمانوں اور زمین کے بنانے اور رات اور دن کے بدلنے اور اس کشتی میں جو چلتی ہے دریا میں نفع کی چیزیں لیکر اور جو اتارا اللہ نے آسمان سے پانی پھر زندہ کیا مردہ زمین کو اور پھیلائے اس میں سب قسم کے جانور اور ہواؤں کے پھیرنے میں، اور بادل میں جو حکم کا تابع ہے آسمان اور زمین کے درمیان ان میں نشانیاں ہیں عقل والی قوم کے لئے۔

یعنی ساری کائنات ارضی اور سماوی یہ سارا نظام عالم دلیل ہے اس بات کی کہ یہ نظام از خود نہیں چلتا اس کو یقیناً کوئی چلانے والا ہے اور وہی اله واحد ہے۔
اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق یہود یہ کہتے تھے کہ حضرت ابراہیم یہودی تھے اور نصاریٰ یہ کہتے تھے کہ حضرت ابراہیمؑ نصرانی تھے قرآن کریم نے دونوں کی تردید عقلی دلیل کے ساتھ کرتے ہوئے فرمایا۔

یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ وَمَاۤ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِیْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝

(آل عمران نمبر ۶۵)

ترجمہ: اے کتاب والو! کیوں جھگڑتے ہو ابراہیم علیہ السلام کے متعلق

حالانکہ تورات اور انجیل تو ان کے بعد اتری کیا تم میں عقل نہیں۔

یعنی یہودی تو اس قوم کا نام ہے جو تورات کو مانتی ہے اور نصرانی اس قوم کا نام ہے جو انجیل کو مانتی ہے اور یہ دونوں کتابیں تورات اور انجیل تو ابراہیم علیہ السلام کے بعد نازل ہوئی ہیں۔ اگر آج کوئی آدمی یہ کہہ دے کہ شاہجہاں یا عالمگیر مسلم لیگ کا ممبر تھا یا نظام اسلام پارٹی کا رکن تھا تو لوگ یہ بات سن کر اس کو بے عقل ہی تو کہیں گے کہ عالمگیر کے زمانے میں ان کا وجود ہی کہاں تھا؟

(۲) دلیلِ نقلی

اس دلیل سے مراد ارشاذات خداوندی ہیں جو بواسطہ انبیاء علیہم السلام لوگوں تک پہنچے اس دلیل کو روز حشر فرشتے اہل جہنم کے سامنے الزاماً پیش فرماتے ہوئے ارشاد فرماویں گے۔

اَلَمۡ یَاۡتِکُمۡ رُسُلٌ مِّنۡکُمۡ یَتۡلُوۡنَ عَلَیۡکُمۡ اٰیٰتِ رَبِّکُمۡ وَیُنۡذِرُوۡنَکُمۡ لِقَآءَ یَوۡمِکُمۡ ھٰذَا قَالُوۡا بَلٰی وَلٰکِنۡ حَقَّتۡ کَلِمَۃُ الۡعَذَابِ عَلَی الۡکٰفِرِیۡنَ ۝ (الزمر نمبر ۷۱)

ترجمہ: کیا تمہارے پاس رسول نہ آئے تھے تم میں سے جو پڑھتے تھے تم پر تمہارے رب کی آیات اور تم کو اس دن کے ملنے سے ڈراتے تھے وہ کہیں گے کیوں نہیں لیکن ثابت ہوا حکم عذاب کا کافروں پر۔

یعنی انبیاء علیہم السلام نے بھی آکر احکام خداوندی بتائے توحید اور حشر اجساد و دیگر عقائد پر ایمان لانے کا حکم دیا مگر نافرمانوں نے نہ تو عقل سے کام لیا اور نہ ہی بات کو سنا اس لئے جہنم رسید ہو گئے چنانچہ جہنمی اس دن ان دونوں دلائل کے انکار کا اقرار کریں گے ارشاد قرآنی ہے:۔

وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِىْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ○ (الملک نمبر ۱۰)

ترجمہ: اور کہیں گے اگر ہم سنتے یا عقل سے کام لیتے تو جہنمی نہ بنتے

کہ نہ تو سنا اور نہ ہی خود غور وفکر سے کام لیا چنانچہ اہل یقین اور اہل ایمان اس بات کا بھی اعتراف کرتے ہیں کہ جب داعی الی اللہ نے ہم کو ایمان کی طرف بلایا ہم نے فوراً اس کو قبول کرلیا۔ فرمایا۔

رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِىْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا (آل عمران نمبر ۱۹۳)

ترجمہ: اے ہمارے رب ہم نے ایک پکارنے والے کی پکار کو سنا جو ایمان کیلئے پکار رہا تھا کہ اپنے رب پر ایمان لے آؤ پس ہم ایمان لے آئے۔

ان دلیلوں کو بیان فرماتے ہوئے قرآن مجید کو کہیں تو الکتب الحکیم فرمایا اور کہیں الکتب المبین ○ فرمایا گیا:

(۳) دلیل آفاقی

اللہ تعالیٰ نے آفاق عالم کو بھی بطور دلیل کے پیش کرتے ہوئے فرمایا۔

سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِى الْاٰفَاقِ وَفِىْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ۔ (حم السجدہ نمبر ۵۳)

ترجمہ: اب ہم دکھادیں گے ان کو اپنی قدرت کی نشانیاں دنیا میں اور خود ان کی جانوں (بدنوں) میں بھی تاکہ ان کو اچھی طرح معلوم ہوجائے کہ یہ حق ہے۔

چنانچہ دوسرے دلائل کے ساتھ ساتھ آفاق عالم اور کائنات ارضی کے انقلاب پر نظر ڈالنے کا حکم بھی فرمایا:

قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ سُنَنٌ فَسِيۡرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ فَانۡظُرُوۡا كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الۡمُكَذِّبِيۡنَ ۝ (آلِ عمران نمبر ۱۳۷)

ترجمہ: گذر چکے تم سے پہلے کئی دستور سو پھرو زمین میں پھر دیکھو کیسا بنا انجام جھٹلانے والوں کا۔

بلکہ بعض دلائل کی تصریح بھی فرما دی اہل مکہ سے قوم لوط کی بستیوں کا منظر دیکھنے کے متعلق فرمایا:

وَمَاهِىَ مِنَ الظّٰلِمِيۡنَ بِبَعِيۡدٍ (ھود نمبر ۸۳)

ترجمہ: اور یہ تباہ شدہ بستیاں ان ظالموں سے کچھ دور تو نہیں۔

موت کے بعد دوبارہ زندگی پر آفاقی دلیل پیش کرتے ہوئے فرمایا۔

حَتّٰىۤ اِذَاۤ اَقَلَّتۡ سَحَابًا ثِقَالًا سُقۡنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنۡزَلۡنَا بِهِ الۡمَآءَ فَاَخۡرَجۡنَا بِهٖ مِنۡ كُلِّ الثَّمَرٰتِ كَذٰلِكَ نُخۡرِجُ الۡمَوۡتٰى لَعَلَّكُمۡ تَذَكَّرُوۡنَ ۝ وَالۡبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخۡرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذۡنِ رَبِّهٖ ۚ وَالَّذِىۡ خَبُثَ لَا يَخۡرُجُ اِلَّا نَكِدًا ؕ كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الۡاٰيٰتِ لِقَوۡمٍ يَّشۡكُرُوۡنَ ۝ (الاعراف نمبر ۵۶،۵۷)

ترجمہ: یہاں تک کہ جب وہ اٹھا لائیں بھاری بادل۔ ہانکا ہم نے ان کو مردہ بستی کی طرف پھر اتارا ہم نے اس میں پانی پس نکالا ہم نے پانی سے ہر قسم کے پھلوں سے، اسی طرح نکالیں گے مردوں کو (مثال دی) تاکہ تم دھیان کرو اور ستھری جگہ سے نکلتا ہے اس کا سبزا اس کے رب کے حکم سے اور جو خراب ہے

اس سے ردی ہی نکلتا ہے ہم پھیر پھیر کر بتاتے ہیں اپنی آیتیں حق ماننے والوں کے لئے۔

مندرجہ بالا آیات میں چند مسائل اور حقائق بیان فرمائے۔

(۱) روز مرہ کا مشاہدہ ہے کہ ہوائیں بادل کو ہانک کر لاتی ہیں اور وہ وقت مقررہ پر برس جاتا ہے۔

(۲) اس کے برسنے کا اثر یہ ہوتا ہے کہ ہر قسم کے بیج جو زمین میں مدفون ہیں اور عام انسانوں کی نظروں سے اوجھل ہیں۔ وہ زمین سے اُگ پڑتے ہیں۔

(۳) جو بیج اچھا تھا وہ اپنی اچھی کیفیت کے ساتھ اگتا ہے مثلاً گلاب کا پودا، اور برا بیج اپنی کیفیت سے اگتا ہے جیسا کہ خاردار جھاڑیاں وغیرہ۔

ان آفاقی دلائل کا نتیجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کَذٰلِکَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰی یوں ہی ہم اس زمین سے مردوں کو زندہ کر کے نکالیں گے۔ نیک و بد علٰیحدہ علٰیحدہ ہوں گے۔

اسی طرح حق و باطل کا نتیجہ اور اثر سمجھاتے ہوئے آفاقی دلیل بیان فرمائی ارشاد قرآنی ہے۔

اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِیَةٌ بِقَدَرِھَا فَاحْتَمَلَ السَّیْلُ زَبَدًا رَّابِیًا وَ مِمَّا یُوْقِدُوْنَ عَلَیْهِ فِی النَّارِ ابْتِغَآءَ حِلْیَةٍ اَوْمَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهٗ کَذٰلِکَ یَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَیَذْھَبُ جُفَآءً وَاَمَّا مَایَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ کَذٰلِکَ یَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ ○

(الرعد نمبر ۱۷)

سے پھر اوپر لایا وہ نالہ پھولا ہوا جھاگ اور پھر جس چیز کو
دھونکتے ہیں آگ میں واسطے زیور کے یا اور اسباب کے اس
میں بھی جھاگ ہے ویسا ہی۔ یوں ہی ٹھہراتا ہے اللہ تعالیٰ صحیح
اور غلط مگر جو جھاگ ہے وہ تو خود بخود سوکھ کر ختم ہو جاتی ہے اور
جو کام آتا ہے لوگوں کے وہ ٹھہرتا ہے زمین میں اسی طرح بیان
کرتا ہے اللہ تعالیٰ مثالیں۔

ارشاد بالا میں چند باتیں مذکور ہیں:۔

(۱) آسمان سے بارش کا اترنا اور اس کا اثر

(۲) حق اور باطل کی مثال۔

(۳) اس کا نتیجہ حق خود بخود قائم رہتا ہے کسی کے مٹانے سے نہیں مٹتا اور باطل خودمٹ جاتا ہے جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا:۔

اِنَّ الْبَاطِلَ کَانَ زَهُوقًا (بنی اسرائیل نمبر ۸۱)
یعنی کسی کے سہارا دینے سے باطل حق نہیں بن سکتا۔

اسی طرح حشر اجساد کے عقیدہ کو بھی آفاقی دلیل کے ساتھ سمجھاتے ہوئے فرمایا:

قَالَ وَمَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَهِیَ رَمِیْمٌ ○ قُلْ یُحْیِیْهَا
الَّذِیْ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ط وَهُوَ بِکُلِّ خَلْقٍ عَلِیْمٌ ○
الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمْ مِنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَاراً فَاِذَآ
اَنْتُمْ مِنْهُ تُوْقِدُوْنَ ○ (یٰس نمبر ۷۸،۷۹،۸۰)

ترجمہ: کہتا ہے کون زندہ کرے گا بوسیدہ ہڈیوں کو۔ آپ فرما دیجئے
وہی جس نے بنایا ان کو پہلی مرتبہ اور وہ ہر چیز کو جانتا ہے جس

نے بنا دی تمہارے لئے سبز درخت سے آگ پھر اب تم اسی

سے سلگاتے ہو۔

ارشاد باری تعالیٰ میں چند حقائق بیان فرمائے جن کی تردید نہیں ہوسکتی۔

(۱) آخران مردہ اور بوسیدہ ہڈیوں کو پہلی مرتبہ کس نے پیدا فرمایا۔ جو پہلی دفعہ پیدا فرماتا ہے جب کہ کچھ بھی نہ تھا تو اب دوبارہ کیوں پیدا نہیں فرما سکتا جب کہ ہڈیاں اور راکھ اور مٹی وغیرہ اسی بدن کے اجزاء موجود ہیں۔

(۲) تم ایک چیز کو مردہ بے جان سمجھ کر یہ فیصلہ کرتے ہو کہ مردہ اور زندہ میں منافات ہے اس لئے یہ مردہ زندہ نہیں ہوسکتا تو بتاؤ آگ پانی میں منافات ہے یا کہ نہیں؟ یقیناً ہے آگ پر پانی ڈال دو تو وہ بجھ جاتی ہے مگر تم یہ دیکھتے ہو کہ وہی پودہ جس کے بیج کو پانی سے تر شدہ مٹی میں بویا جاتا ہے پھر اس پودے کی نشو و نما پانی سے کی جاتی ہے اس پودہ پر سبز پتے اس کے آبی وجود پر روشن دلیل ہیں مگر پانی سے اگنے والے اور پانی سے پلنے والے پودے کی لکڑیوں کو جب تم آگ لگاتے ہو تو وہ نہ صرف آگ قبول کرتی ہے بلکہ بھڑک اٹھتی ہے۔ اس منافات کو دور کرنے والا خدا کیا اس پر قادر نہیں کہ وہ مردوں کو دوبارہ زندہ کردے۔

(۴) دلیل نفسیاتی

انسان کی عادت ہے کہ جب وہ کسی خوشی یا غم کی بات کو اپنے متعلق خیال میں لاتا ہے تو وہ اس پر جلدی اثر انداز ہوتی ہے اس کو نفسیاتی دلیل کہا جاتا ہے۔ قرآن کریم نے مسائل سمجھاتے ہوئے اس دلیل کا ذکر فرمایا ہے جس کی چند مثالیں درج کی جاتی ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ کے نام پر اچھی اور بہتر چیز دینے کا حکم فرمایا اور ساتھ ہی یہ بات بھی سمجھا دی کہ باوجود محتاج ہونے کے جب تم کسی ردی اور غیر مناسب چیز کو لینا

پسند نہیں کرتے اگر مجبوری ہو تو آنکھ بند کر کے لیتے ہو دل کی خوشی کے ساتھ اس کو نہیں لیتے تو پھر وہ خداوند قدوس جو غنی اور تمام صفات کے ساتھ موصوف ہے تم اس کے نام پر ردی اور غیر مناسب چیز دینے کی ہمت کس طرح کرتے ہو؟ فرمایا:

وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ (بقرہ نمبر ۲۶۷)

ترجمہ: اور تم خود کبھی اس کو لینے والے نہیں ہاں مگر یہ کہ چشم پوشی کر جاؤ اس میں۔

(۲) ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیتے ہوئے انسان کو سمجھایا کہ جس طرح تم اپنی آخری عمر میں اس بات کی تمنا اور خواہش کرتے ہو کہ تمہاری اولاد تمہارے حق میں نیک ہو تمہاری فرماں بردار ہو تو یہی خواہش اور تمنا تمہارے والدین کے دل میں بھی ہے وہ تم سے وہی امید وابستہ رکھتے ہیں جو تم نے اپنی اولاد سے وابستہ کر رکھی ہے۔ ارشاد فرمایا:

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا ۭ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ۭ وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ۭ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۙ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰي وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ ۭ اِنِّىْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاِنِّىْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝

(الاحقاف نمبر ۱۵)

ترجمہ: اور ہم نے انسان کو حکم دیا ماں باپ کے ساتھ اچھے سلوک کا پیٹ میں رکھا اس کو اس کی ماں نے تکلیف سے اور جنا بھی اس کو تکلیف سے، اور اس کا حمل میں رہنا اور اس کا دودھ چھوڑنا

تیس مہینے میں ہے یہاں تک کہ جب پہنچا اپنی طاقت کو اور
پہنچا چالیس سال کی عمر کو کہنے لگا اے میرے رب میری قسمت
میں کر میں شکر کروں تیرے اس احسان کا جو تو نے مجھ پر کیا اور
میرے ماں باپ پر کیا اور عمل کروں نیک جس سے تو راضی ہو
اور نیک کر دے میری اولاد میں نے توبہ کی تیری طرف اور میں
فرماں بردار ہوں۔

فائدہ: اس آیت میں چالیس سالہ عمر کا ذکر فرمایا کہ ایسی عمر میں عموماً انسان
صاحب اولاد ہو جاتا ہے۔

(۳) نادار اور کمزور رشتہ داروں عام مساکین کے ساتھ حسن سلوک ان کی امداد
اور ان کی تربیت کرنے کا حکم فرمایا اور ان کی لغزشوں پر فراخ دلی کے ساتھ درگزر
کرنے اور معاف کرنے کا حکم فرمایا اور اس حکم کو یوں سمجھایا کہ جب تم یہ پسند کرتے
ہو یہ چاہتے ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ جو ہر چیز پر قادر ہے اور تمہارا سب سے بڑا محسن ہے تم
کتنی غلطیاں اور نافرمانیاں کرنے کے باوجود اس سے مغفرت اور بخشش کے طالب
رہتے ہو تو تمہیں چاہیئے کہ تم بھی ان لوگوں کو اسی اللہ تعالیٰ کی مخلوق سمجھ کر ان پر رحم و
کرم کرو۔ ارشاد فرمایا:۔

وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْٓا اُولِى
الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ
وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ O (النور نمبر ۲۲)

ترجمہ: اور قسم نہ کھائیں بڑائی والے اور کشائش رزق والے اس سے
کہ دیویں رشتہ داروں کو اور مسکینوں کو اور مہاجروں کو جو اللہ کی

راہ میں ہجرت کر کے آئے اور چاہیئے کہ (یہ کشائش والے)
معاف کر دیں اور در گذر کر دیں۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تم کو
معاف کرے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔
قرآن مجید میں اکثر مقامات پر ایسے ہی دلائل بیان فرمائے۔

(۵) دلیل جدلی

ایسی دلیل پیش کرنا جس کو مقابل خود تسلیم کرے قرآن کریم نے ایسے
دلائل سے تبلیغ اور ارشاد کا حکم فرمایا:

وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ (النمل نمبر ۱۲۵)

ترجمہ: اور الزام دے ان کو جس طرح بہتر ہو۔

توحید اور دوسرے عقائد کو بیان کرتے ہوئے اس طریق کو بھی ارشاد فرمایا:۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ
الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰی يُؤْفَكُوْنَ ○ وَلَئِنْ
سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ
مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ بَلْ
اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ○ (العنکبوت نمبر ۶۱ و ۶۳)

ترجمہ: اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ کس نے بنایا آسمانوں اور زمین
کو اور کام میں لگایا سورج اور چاند کو تو کہیں اللہ نے پھر کہاں
سے الٹ جاتے ہیں۔ اور اگر آپ ان سے پوچھیں کس نے
اتارا آسمان سے پانی پھر زندہ کیا اس کے ساتھ زمین کو اس
کے مرنے کے بعد تو کہیں گے اللہ نے آپ فرما دیں سب
تعریفیں اللہ ہی کا حق ہیں لیکن بہت سے لوگ بے عقل ہیں۔

فائدہ: ان آیات میں یہ ارشاد فرمایا کہ مشرک آسمانوں کا پیدا کرنے والا اور نظام سماوی کو چلانے والا اللہ تعالیٰ کو مانتے ہیں تو ان سے فرما دیجئے اسی طرح سب تعریفیں اور صفات اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں کسی بھی صفت میں اللہ تعالیٰ کا شریک نہ ٹھہرایا جائے۔"

اسی طرح دوسرے مقامات پر اسی طرح استدلال فرمایا کہ جب تم خود کہتے ہو کہ خالق اللہ تعالیٰ ہے آسمان سے بارش برسانے والا۔ آگ کی استعداد لکڑی میں پیدا کرنے والا۔ مادہ تولید سے تخلیق انسانی کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے تو پھر تم اس کے ساتھ کسی غیر کو کیوں شریک بناتے ہو؟

(۶) دلیل عادی

اس دلیل کو کہا جاتا ہے جو عادۃً صحیح ہو یعنی اس کا استعمال بطور عادۃ کے ہو جیسا کہ قرآن مجید نے تعدّد الٰہ کے بطلان میں دلیل پیش کرتے ہوئے فرمایا۔

لَوْ کَانَ فِیْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا (الانبیاء نمبر ۲۲)

یعنی جس طرح عادۃً یہ بات محال ہے کہ ایک ملک کے دو بادشاہ ہوں اگر ایسی صورت پیدا ہو جائے تو وہ ملک تباہ اور برباد ہو جاتا ہے۔ کیونکہ یہ بات عادت کے طور پر محال اور ناممکن ہے کہ ایک آدمی اپنے ملک میں کسی بھی دوسرے کو برداشت کر لے اس لئے ایک ملک کے دو بادشاہ کبھی بھی اس ملک میں امن وامان قائم نہیں رکھ سکتے بلکہ ان کا آپس میں ذہنی اور فکری تضاد اس ملک کو تباہ کر ڈالتا ہے سورۃ الروم میں فرمایا:

وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝ ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ۚ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَآءَ فِیْ مَا

رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ○

(آیت نمبر ۲۷، نمبر ۲۸)

ترجمہ: اور اسی کی مثال ہے سب سے بلند آسمانوں اور زمین میں اور وہ غالب حکمت والا ہے۔ بیان فرمائی تمہارے لئے ایک مثال کیا ہے تمہارے لئے ان میں سے جن کے مالک ہیں تمہارے ہاتھ کوئی شریک ان چیزوں میں جو ہم نے تمہیں دی ہیں پس تم (اور وہ غلام) ان میں برابر کے شریک ہو؟

ان کا خطرہ ایسا ہی رکھتے ہو جیسا اپنوں کا خطرہ رکھتے ہو۔ اسی طرح کھول کر بیان کرتے ہیں ہم اپنی آیات عقلمندوں کے لئے۔

عادۃً بھی یہ بات محال ہے کہ کسی ملک عظیم میں دو بادشاہ یا اس سے زیادہ ہوں اگر بفرض محال ایک سے زیادہ الٰہ ہوتے تو یہ کائنات ارضی وسماوی ضرور تباہ برباد ہو جاتی۔ کسی کا مقابل تو اسی وقت مستقل حیثیت کا مالک سمجھا جاتا ہے جب کہ وہ اپنے مقابل کے کسی تصرف کا مقابلہ کر سکے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کے دعوئے معبودیت باطلہ کو شکست دینے کے لئے فرمایا۔

فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِىْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِىْ كَفَرَ (بقرہ نمبر ۲۵۸)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ تو لاتا ہے سورج کو مشرق سے پھر تو لے آ اس کو مغرب سے تب حیران رہ گیا وہ منکر۔

یعنی اگر تو اپنے رب ہونے کا دعویٰ بادلیل رکھتا ہے تو پیش کر۔ کہ اللہ تعالیٰ کے نظام شمسی کے مقابلے میں اپنا نظام شمسی پیش کر، مگر وہ یوں نہ کر سکتا تھا لہٰذا

شکست کھا گیا۔

(۷) دلیل بدیہی

سے مراد وہ دلیل ہے جس کو ہر ایک انسان بلا کسی غور وفکر کے آسانی سے سمجھ سکے اگر چہ معبود برحق کی وحدانیت پر کئی دلائل ہیں بلکہ کائنات ارضی کا ذرہ حسب قول امام ابوحنیفہؒ

فَفِیْ کُلِّ شَیْئٍ لَّہٗ اٰیَۃٌ

تَدُلُّ عَلٰی اَنَّہٗ وَاحِدٌ

توحید باری تعالیٰ پر بالکل واضح دلیل ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا:۔

اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ ثُمَّ رَزَقَکُمْ ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ هَلْ مِنْ شُرَکَآئِکُمْ مَنْ یَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِکُمْ مِّنْ شَیْءٍ سُبْحٰنَہٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ ○ (الروم نمبر ۴۰)

ترجمہ: اللہ وہ ہے جس نے تم کو پیدا کیا پھر تم کو رزق دیا پھر تمہیں مارے گا پھر تمہیں زندہ کرے گا کیا تمہارے معبودوں میں سے کوئی بھی ہے جو ان کاموں میں سے کچھ بھی کر سکے وہ پاک ہے اور ان کے شریکوں سے بہت بلند ہے۔

لیکن سب سے زیادہ واضح جس کو ہم بدیہی کے ساتھ تعبیر کر سکتے ہیں وہ انسان کی موت ہے کہ انسان کس طرح سے اپنی پوری طاقت اور ہر قسم کی احتیاطی تدابیر کے باوجود مٹ جاتا ہے انسانوں کا ہر قسم کے اقتدار اور اختیار کا دعویٰ کرنے کے باوجود اس کائنات سے مٹ جانا اس بات کی کھلی دلیل اور ناقابل انکار دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا:۔

وَلٰکِنْ اَعْبُدُاللّٰہَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰکُمْ O (یونس نمبر۱۰۴)

ترجمہ: بلکہ میں اس اللہ کی عبادت کرتا ہوں جو تمہیں وفات دیتا ہے۔

یعنی تم یہ تو مانتے ہو کہ ایک وقت آتا ہے تم پر موت واقع ہو جاتی ہے اور تم اس بات پر بھی یقین رکھتے ہو کہ موت تم خود نہیں لاتے اور نہ ہی تم موت کے لئے آمادہ ہوتے ہو بلکہ موت کو ٹالنے کے لئے ہزار ہا حیلے اور بہانے تلاش کرتے ہو مگر وہ موت تم کو پالیتی ہے کیا یہ ناقابل انکار بدیہی دلیل نہیں کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے اور وہی معبود برحق ہے۔

فائدہ: آفاقی دلائل کے لئے تفسیر کبیر کا مطالعہ مفید ہے۔

(۸) دلیل اثبات المعقول بالمحسوس

قرآن مجید نے انسانوں کو اپنی بات سمجھانے کیلئے محسوس اشیاء میں غور و فکر کا حکم فرمایا۔ ارشاد قرآنی ہے:۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّھَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ O اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ ھٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ O (آل عمران نمبر۱۹۲)

ترجمہ: کائنات ارضی اور سماوی میں غور و فکر ان حقائق کو بھی سمجھا دیتا ہے جو انسان کا عقل قاصر نہیں سمجھ سکتا یہ قاعدہ عام ہے کہ کسی معنوی چیز کو محسوس چیز کے ساتھ سمجھایا جاتا ہے قرآن مجید نے عقائد اور دوسرے بعض مسائل میں کائنات کی محسوس اشیاء اور

واقعات کو بطور دلیل کے پیش فرمایا۔ جیسا کہ انفاق فی سبیل اللہ کے اجر کا کئی گنا بڑھنا اس کو محسوس مثال کے ساتھ یوں سمجھایا۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ○

(بقرہ نمبر ۲۶۱)

ترجمہ: ان کی مثال جو اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتے ہیں ایسی ہے کہ جیسے ایک دانہ کہ اگائے سات بالیں ہر بال میں سو سو دانے ہوں اور اللہ تعالیٰ جس کے واسطے چاہے بڑھاتا ہے اور اللہ بڑی وسعت والا جاننے والا ہے۔

یعنی جب تم ایک بیج خود اپنے ہاتھ سے زمین میں بو دیتے ہو اور پھر وہ کچھ دیر بعد اگتا ہے اور کبھی کبھی وہ سات بالیں (شاخیں) لے کر اگتا ہے اور ہر بال میں سو دانے ہوتے ہیں۔ تم نے صرف ایک بیج بویا مگر وہ قدرت خداوندی سے تھوڑی دیر کے بعد سات سو دانے لے کر اگا بھوسہ وغیرہ اس کے علاوہ ہے جیسا کہ ہم خود دیکھتے ہیں ایک کاشتکار چند سیر بیج زمین میں بوتا ہے مگر پھر وہاں سے کئی من اناج اٹھاتا ہے۔ ہماری عقل اور دانش نے اس کو کبھی مشکل اور محال نہیں سمجھا تو پھر اس میں کیا استبعاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام پر مخلصانہ دینا سات سو سے زیادہ اجر و ثواب لے کر اللہ کے حضور سے فیضیاب ہوگا۔ اور اگر پہلی آیات کو ملا کر ان آیات میں تدبر کیا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ یہ مثال محسوس حیات بعد از موت کو بھی واضح کر رہی ہے کہ جب تم خود ایک بیج کو مٹی میں دفن کر دیتے ہو تو بقول تمہارے مر جاتا ہے مگر وہی بیج کچھ زمانہ کے بعد اپنی تمام مخفی صلاحیتوں کو ظاہر کر کے اگتا ہے تو

اس میں کیا بات ناممکن ہے کہ قیامت کے دن انسان اپنے سب اعمال کے ساتھ جو آج کل نظروں سے اوجھل اور مخفی ہیں اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہوگا۔ اسی طرح ایام ماہواری میں مباشرت سے منع فرمایا اور پھر اس کے ساتھ ہی یہ فرمایا:۔

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ وَقَدِّمُوا لِاَنْفُسِكُمْ ۔وَاتَّقُوا اللّٰه ○ (بقرہ نمبر ۲۲۳)

ترجمہ: تمہاری بیویاں تمہاری کھیتی ہیں۔ پس تم اپنی کھیتیوں میں آؤ جیسے چاہو اور اپنے لئے آئندہ کی بھی تیاری کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔

آیت مسطورہ بالا کئی احکام اور تعلیمات پر مشتمل ہے یعنی:

ا: تمہاری بیویاں تمہاری کھیتیاں ہیں ۔ غیر کی بیوی تمہاری کھیتی نہیں اس لئے ان کے ساتھ مباشرت کرنا عقل مندی نہیں کیا وہ عقلمند ہے جو دوسروں کی کھیتی کو پانی دیتا ہے اور اپنے باغ کو ویران کرتا ہے۔

ب: تمہاری بیویاں کھیتی ہیں۔ تو جس طرح تم اپنے کھیت میں بیج بونے سے پہلے اسے کوڑے کرکٹ وغیرہ سے صاف کرتے ہو پھر اس میں بیج بوتے ہو اسی طرح ایام ماہواری میں بیوی میل و کچیل میں ملوث ہے اس کو غسل کے ساتھ پاکیزہ ہونے دو۔

ج: کھیتی اسی جگہ اور اس حصہ زمین کو کہا جاتا ہے جو قابل زراعت ہو کیا کوئی نادان سیمنٹ اور کنکریٹ سے بنی ہوئی سڑک پر بیج بو کر اس کے اگنے کی توقع کرسکتا ہے۔ بیوی کے بدن کا وہ حصہ جو نا قابل تولید ہے اس میں اپنی خواہشات جنسی کی تکمیل کرنا سراسر غلطی اور بے وقوفی ہے۔

د: کھیتی میں کام کرنے کا مقصد اناج وغیرہ کا حاصل کرنا ہوتا ہے اسی طرح بیوی سے وظیفہ حیات قائم کرنے کا مقصد اولاد کی طلب ہو اسی کو قَدِّمُوْا لِاَنْفُسِکُمْ میں فرمایا:

ر: کھیتی میں محنت کرنا تو اسی لئے ہے کہ اس سے موقع پر وہ پھل ملے جس کی توقع ہے۔ اگر کوئی آدمی بے موسم اور بے موقع یا موسم ہی میں اپنی کھیتی میں محنت تو کرتا رہے مگر اس میں بیج نہ ڈالے تو اس کی محنت رائے گاں ہی جائے گی اور اس کو کوئی بھی عقل مند اور سمجھ دار نہ کہے گا۔ (واللّٰہ اعلم)

(۱۰) مقاصد قرآن حکیم

ویسے تو قرآن مجید کا ہر ہر کلمہ ہزارہا مقاصد پر مشتمل ہے اور یہ ابدی ہدایت کاملہ گوناگوں رموز نجات کا گراں بہا خزانہ ہے مگر سمجھانے کے لئے علمائے کرام نے اس کے مضامین کو اجمالاً تقسیم کیا ہے جیسا کہ امام غزالی فرماتے ہیں سارا قرآن حکیم دو بنیادی امور پر مشتمل ہے اعتقاد، عمل، اعتقادیات، کو امام صاحب نے جواہر کے نام سے اور اعمال کو آپ نے دُرَر کے نام سے تعبیر فرمایا ہے۔ امام صاحب اور دیگر علمائے قرآنیات کے ہاں اس تقسیم کا مبدءِ ارشاد قرآنی اِیَّاکَ نَعْبُدُ وایاك نستعین ہے جس کی تفسیر میں حدیث قدسی یوں وارد ہے ھذا بینی و بین عبدی یعنی کچھ حقوق اللہ ہیں اور کچھ حقوق العباد ہیں۔ عام تفہیم کے لئے علمائے قرآنیات نے ارشادات قرآنی کے مندرجہ ذیل سات مقاصد بیان فرمائے ہیں۔ توحید۔ نبوت۔ معاد۔ احکام۔ وعد۔ وعید۔ قصص۔

طلبائے تفسیر کے سمجھنے کے لئے اس کا خلاصہ یوں بیان کیا جا سکتا ہے:۔

توحید

تعلیمات قرآنی کا جوہر توحید ہے الحمدللہ سے لے کر والناس تک ساری تعلیم توحید ہی کی ہے اور یہی حکمت بعثت انبیاء علیہم السلام کی ہے فرمایا وَمَآ اَرۡسَلۡنَامِنۡ قَبۡلِكَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا نُوۡحِیۡۤ اِلَیۡهِ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعۡبُدُوۡنِ ○ (انبیاء نمبر ۲۵) مگر توحید اعتقادی اور پھر اس کی اطاعت میں اعمال صالحہ کی نشاندہی اور تشریح کے لئے نبوت پر ایمان لانا ضروری ہے۔

اگر ایمان بالرسالت نہ ہو تو ایمان باللہ باقی نہیں رہ سکتا جیسا کہ فرمایا وَمَنۡ یُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰهَ (النساء نمبر ۸۰) مگر ایمان باللہ تعالیٰ اور ایمان بالرسول ﷺ کو عقیدہ اور عمل کی حیثیت دینے کے لئے تبشیر اور تنزیر کی ضرورت ہے۔ تبشیر کے اجر کامل کا وقوع اور تنذیر کا عملی وقوع کامل جس دن ہو گا اس یوم الفصل، یوم الحساب پر ایمان لانا ضروری ہے اس لئے سارے مقاصد قرآنی کا خلاصہ توحید، نبوت، معاد سمجھا جائے اس کتاب معارف القرآن میں ان ہی کے متعلق قرآنی تعلیمات پیش کی جاتی ہیں۔

توحید باری تعالیٰ

قرآن حکیم نے توحید باری تعالیٰ کو نہایت ہی واضح طور پر بیان فرمایا شرک کی تمام اقسام کو جڑ سے اکھیڑتے ہوئے توحید باری تعالیٰ کے چار پہلو توحید ذاتی، توحید صفاتی توحید افعالی، توحید حکمی کو بیان فرمایا۔

نبوت۔ قرآن حکیم نے ایمان بالنبوت، عصمت نبوت اور خاتم النبین کے بنیادی عقیدہ کو بیان فرمایا کہ انسان سے اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت رسول اللہ ﷺ دونوں کے متعلق باز پرس ہوگی۔ امام ابن تیمیہ نے مفسر ابوالعالیہ ف ۹۳ھ سے

ارشاد قرآنی فَوَرَبِّكَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ۝ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۝ (الحجر نمبر۹۲) کی تفسیر میں نقل فرمایا ہے کہ دو باتوں کے متعلق ہر انسان سے بنیادی سوال ہو گا(۱) تو کس کی عبادت کرتا تھا(۲) جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی یا نہ؟

(معارج الوصول ص ۱۹۳)

معاد۔ یعنی لوٹ کر دربار خداوندی میں پہنچنے کا خوف ہی انسان کو اطاعت کے لئے آمادہ کرسکتا ہے فرمایا۔ وَهُمْ مِنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ۔۝

(الانبیاء نمبر ۴۹)

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ قرآن کریم نے توحید کا جو عقیدہ پیش فرمایا ہے وہ جامع اور مانع عقیدہ ہے۔ توحید کے تمام پہلوؤں کو واضح فرمایا۔ شرک کی تمام اقسام کی کھلی تردید فرمائی جیسا کہ:۔

ا: توحید کی تبلیغ ہی تمام انبیاء علیہم السلام کی اساسی اور بنیادی تعلیم ہے فرمایا:۔

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ۝ (انبیاء نمبر ۲۵)

ترجمہ: اور ہم نے آپ سے پہلے بھی ہر پیغمبر کو یہی وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں پس صرف میری ہی عبادت کرو۔

توحید کی تمام اقسام کو علیحدہ علیحدہ بھی بیان فرمایا جیسا کہ توحید ذاتی کے متعلق فرمایا: قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۝ (اخلاص نمبر ۱) آپ فرما دیجئے اللہ تعالیٰ یکتا ہے۔ شرک فی الصفات کی تردید بھی فرمائی کیونکہ شرک دراصل صفات ہی میں پیدا ہوکر شرک فی الذات تک پہنچ جاتا ہے فرمایا:۔

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَّهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ۝ (الشوری نمبر ۱۱)

ترجمہ: اس کی مانند کوئی چیز بھی نہیں اور وہ سننے دیکھنے والا ہے۔

وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ٥ (الروم نمبر ۲۷)

ترجمہ: اور آسمانوں اور زمین میں اسی کی شان اعلیٰ ہے اور وہ زبردست اور حکمت والا ہے۔

فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ (النحل نمبر ۷۴)

سو تم اللہ کے لئے مثالیں مت گھڑو۔

اس لئے قرآن حکیم نے شروع ہی سے توحید صفاتی کو بیان فرمایا جیسا کہ سورۂ فاتحہ کی پہلی آیت بالفاظ دیگر مصحف عثمانی کی ابتداء ہی ایمان بالصفات سے ہے فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (فاتحہ نمبر ۱) فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (الجاثیۃ نمبر ۳۶) وَلَهُ الْحَمْدُ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (الروم نمبر ۱۸)

اسی طرح شرک فی الاسماء کو علیحدہ بھی بیان فرما کر اس کی تردید فرمائی۔

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا (الاعراف نمبر ۱۸۰)

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ ہی کے بہترین نام ہیں سو تم اس کو ان ہی کے ساتھ پکارو۔

شرک فی العبادۃ کی تردید کرتے ہوئے اس سے روکا فرمایا:

لَا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِيَّاهُ (الاسراء نمبر ۲۳) وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖ اَحَدًا (کہف نمبر ۱۱۰) فَاِيَّاىَ فَاعْبُدُوْنِ ٥ (عنکبوت نمبر ۵۶)

اور یہ بھی حکم فرمایا کہ اس بات کا اعتراف کرو کہ ہمارا معبود وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ فرمایا:۔

اِيَّاكَ نَعْبُدُ ٥ (سورۃ فاتحہ آیت نمبر ۴)

ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔

توحید فی الافعال کو بیان فرمایا۔

وَلٰکِنَّ اللّٰهَ یَفعَلُ مَایُرِیدO (بقرہ نمبر ۲۵۳) فَعَّالٌ لِّمَایُرِیدُ (البروج نمبر ۱۶) اَلَالَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ (الاعراف نمبر ۵۴) اسی طرح افعال کا خالق اور متصرف بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے جیسا کہ فرمایا:۔

وَاَنَّهٗ هُوَ اَضحَكَ وَاَبکٰیO وَاَنَّهٗ هُوَاَمَاتَ وَاَحیَاO

(النجم نمبر ۴۳،۴۴)

ترجمہ: اور وہی ہنساتا ہے اور رلاتا ہے اور وہی مارتا ہے اور زندگی دیتا ہے۔

موحد اعظم حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

اَلَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَهُوَ یَهْدِیْنِ O وَالَّذِیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِO وَاِذَامَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِO

(الشعراء نمبر ۷۸،۷۹،۸۰)

ترجمہ: اللہ وہی ہے جس نے مجھ کو پیدا کیا پھر وہی میری راہ نمائی کرتا ہے اور وہی مجھ کو کھلاتا اور پلاتا ہے اور جب بیمار ہو جاتا ہوں مجھ کو شفا بخشتا ہے۔

توحید فی الحکم بھی قرآنی تعلیمات سے واضح ہے فرمایا وَلَایُشْرِكُ فِیْ حُكْمِهٖ اَحَدًا (کہف نمبر ۲۶) سب سے بڑا حاکم اللہ تعالیٰ ہی ہے فرمایا اَلَیْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِیْنَ (والتین نمبر ۸) حضرت شاہ عبدالقادرؒ نے قرآن مجید کی سورہ الانعام آیت نمبر ۱۲۱ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَO کی تفسیر میں فرمایا:

''یعنی شرک فقط یہی نہیں کہ کسی کو سوائے خدا کے پوجے بلکہ شرک حکم میں ہے کہ اور کا مطیع ہووے۔''

جس طرح شرک کی تمام اقسام کی تردید بوجہ اتم قرآن مجید نے فرمائی۔ اسی طرح جب سید دو عالم ﷺ تشریف لائے اس وقت عرب میں خصوصاً اور ساری دنیا میں عموماً جوادیان باطلہ پائے جاتے تھے سب کی تردید فرما کر توحید خالص کی دعوت دی۔ فرمایا:

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِئِیْنَ وَالنَّصٰرٰی وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا اِنَّ اللّٰهَ یَفْصِلُ بَیْنَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ○ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَکَثِیْرٌ مِّنَ النَّاسِ وَکَثِیْرٌ حَقَّ عَلَیْهِ الْعَذَابُ وَمَنْ یُّهِنِ اللّٰهُ فَمَالَهٗ مِنْ مُّکْرِمٍ اِنَّ اللّٰهَ یَفْعَلُ مَایَشَآءُ○ (الحج نمبر ۱۷، ۱۸)

ترجمہ: اس میں شک نہیں کہ مسلمان اور یہود اور صابی اور نصاریٰ اور مجوس اور مشرک ان سب کے درمیان اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فیصلہ کر دے گا بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز سے پورا واقف ہے کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ ہی کو سجدہ کرتا ہے وہ سب کچھ جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور پودے اور چار پائے اور بہت سے انسان بھی اور بہت سے انسانوں پر عذاب ثابت ہو چکا ہے۔ (بوجہ شرک کے) اور جسے (مشرک) کو اللہ تعالیٰ ذلیل کر دے (بوجہ شرک کے) اسے عزت دینے والا کوئی نہیں اللہ جو چاہے کرتا ہے۔

(ضروری نوٹ) یہ آیات تلاوت کرتے وقت سجدہ تلاوت کریں

فائدہ: اس آیت میں مشرک کو ذلیل قرار دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو سب مخلوق سے اشرف قرار دیا ہے اور سب مخلوق کو انسان کا خادم بنایا ہے تو جو آقا اپنے غلام کی اطاعت کرے اس سے بڑھ کر اور ذلت کیا ہوسکتی ہے؟

مندرجہ بالا اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ سید دوعالم ﷺ جب تشریف لائے تو اس وقت کچھ لوگ تو دین ابراہیمی پر قائم تھے جن کی تعداد پانچ یا کم وبیش ہے اس میں سے ابوبکر صدیق رباب بن البراء الشی امیہ بن ابی الصلت، اسعد بن کرب الحمیر ی۔ ابوقیس بن صرمہ، زید بن عمر بن نفیل رضی اللہ عنہم کے اسماء متفق علیہا ہیں۔ امیہ بن ابی الصلت کے تین اشعار تبرکاً درج ہیں۔

لك الحمد والنعماء والملك ربنا
فلاشی اعلی منك وامجد
مليك علیٰ عرش السماء مهيمن
لعزته تعنوا لوجوه وتسجد
عليك حجاب النور و النور حوله
وانهار نور خوله تتوقد

(ادب العرب ص ۱۲۴)

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے زید بن عمر بن نفیل کے مندرجہ ذیل اشعار نقل فرمائے ہیں۔

عبادك يخطئون وانت رب
يكفيك المنايا والحتوم
اربا واحدا ام الف ربّ
ادين اذا تقسمت الامور
تركت اللات والعزى جميعا
كذلك يفعل الرجل البصير

ان کے سواسب لوگ علیحدہ علیحدہ ادیان میں بٹے ہوئے تھے۔ جیسا کہ:۔

یہود، ابوالفرج کی رائے میں یہ قوم رسول کریم ﷺ کی بعثت سے پندرہ قرن پہلے مدینہ میں آ کر آباد ہو گئے تھے۔ مقریزی کی رائے ہے کہ گیارہ قرن پہلے سموئیل نبی کے دور میں یہ لوگ مدینہ اور اس کے قرب و جوار میں آ کر آباد ہوئے تھے ابن خلدون کی رائے ہے کہ یمن کے بادشاہ یوسف نے قرن خامس میں اس دین کو قبول کر لیا تھا اور بعض نے یہ بھی لکھا ہے کہ شاہ یمن ذونواس ۳۵۴ ق م نے جبرا لوگوں کو یہودی بنایا تھا۔ جب آپ مبعوث ہوئے تو اس وقت قبیلہ بنو نمیر، بنو کنانہ، بنو حارث اور بنو کندہ یہودی تھے ویسے تو یہودیوں کے کئی فرقے ہیں حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹوں کی اولاد سے بارہ کا ذکر تو قرآن مجید اور دوسری کتابوں میں موجود ہے۔ البتہ عقیدہ کے لحاظ سے ان کے دو فرقے بڑے ہیں۔ باقی ان کی شاخیں ہیں۔ سامریہ اور عزیریہ، سامریہ ان کی قدیم شاخ ہے یہ اسی سامری کی طرف منسوب ہے جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کوہ طور پر جانے کے بعد قوم کے لئے بچھڑے کا بت بنا کر اسے الٰہ قرار دیا۔ جیسا کہ ارشاد قرآنی ہے:۔

فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِيُّ ۝ فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا هٰذَا اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى فَنَسِيَ ۝

(طٰہٰ نمبر ۸۷، ۸۸)

ترجمہ: پھر یہ نقشہ ڈالا سامری نے پھر بنا کر نکالا ان کے واسطے ایک بچھڑا دھڑ جو چلاتا گائے کی طرح پھر کہنے لگے یہ تمہارا اور موسیٰ کا معبود ہے سو وہ بھول گیا۔

قرآن حکیم نے اس کی تردید کرتے ہوئے فرمایا:۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ

وَذِلَّةٌ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ کَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُفْتَرِیْنَ○

(اعراف نمبر۱۵۲)

ترجمہ: بیشک جنہوں نے بچھڑے کو معبود بنا لیا ان کو پہنچے گا رب کا غضب اور ذلت اس دنیا کی زندگی میں (بھی) اور ہم اسی طرح جھوٹ باندھنے والوں کو سزا دیتے ہیں۔

دوسرا فرقہ عزیر یہ ہے ان کا عقیدہ ہے کہ حضرت عزیر علیہ السلام خداوند قدوس کے بیٹے ہیں فرمایا:

وَقَالَتِ الْیَھُوْدُ عُزَیْرُ ، ابْنُ اللّٰہِ○ (توبہ نمبر۳۰)

ترجمہ: اور یہود نے کہا کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے۔

حضرت عزیر کو بیٹا کیوں بنا لیا گیا اس کے بارے میں قرآنی مطالعہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے، کہ جب بخت نصر نے بیت المقدس کو جلایا اس میں تورات کا قلمی نسخہ جو صرف ایک ہی تھا وہ بھی جل گیا۔ اسی دوران حضرت عزیر علیہ السلام کا گذر اس مقدس بستی میں ہوا تو آپ نے اسے دیکھ کر اس کی اس قدر عظیم تباہی سے متاثر ہو کر یہ کہا:

اَنّٰی یُحْیٖ ھٰذِہِ اللّٰہُ بَعْدَ مَوْتِھَا (بقرہ نمبر۲۵۹)

ترجمہ: کہاں زندہ کرے گا اس کو اللہ تعالیٰ اس کے مرنے کے بعد۔

چنانچہ دوبارہ حیات کا مشاہدہ کرانے کے لئے عزیر علیہ السلام پر موت طاری کر دی گئی آپ کو پورے سو سال کے بعد دوبارہ زندگی عطا ہوئی اور آپ اپنی قوم میں واپس تشریف لے آئے۔ (اس کا مفصل ذکر سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۵۸ میں ہے) آپ کی قوم یہ سمجھ بیٹھی تھی کہ عزیر علیہ السلام فوت ہو چکے ہوں گے۔ لیکن سو سال کے بعد آپ اس قوم میں پہنچے جس کی تیسری یا چوتھی نسل آباد تھی آپ نے

فرمایا کہ میں عزیر ہوں جس کے متعلق تمہارے باپ دادا تم سے کہہ گئے ہیں قوم نے اس سارے قصے کو سن کر یقیناً تعجب کیا ہوگا۔ جب آپ نے اپنی سو سالہ موت کے بعد دوبارہ حیات کا ذکر فرمایا اور پھر تورات ساری زبانی سنادی تو ایسی مسخ شدہ قوم کے لئے اس قدر کافی ہے وہ آپ کو خداوند قدوس کا بیٹا سمجھ بیٹھے۔ قرآن کریم نے ان کی تردید فرمائی۔

قَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ
بْنُ اللّٰهِ ذٰلِكَ قَوْلُهُم بِاَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِؤُنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ○ (توبہ نمبر ۳۰)

ترجمہ: یہود کہتے ہیں عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور نصاریٰ کہتے مسیح اللہ کا بیٹا ہے ریس کرتے ہیں ان کی بات کی جو پہلے سے کافر ہو چکے ہیں ان کو اللہ مارے کہاں پھرے جاتے ہیں۔[۱]

اسی طرح یہود اور نصاریٰ نے لفظ ابن اللہ کا اطلاق اس قدر عام کر دیا تھا اور آج تک ان کی کتابوں میں موجود ہے کہ ہر یہودی اور نصرانی اپنے آپ کو اللہ کا بیٹا کہتا اور خدا کو باپ کہا جاتا حالانکہ یہ تعبیر بھی غلط اور عقیدہ بھی غلط۔ ارشاد قرآنی ہے:۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وُالنَّصَارٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ
قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِمَّنْ خَلَقَ ○

(المائدہ نمبر ۱۸)

ترجمہ: اور یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے ہیں اور اس کے

---

[۱] اکثر مفسرین نے من قبل سے مراد یہود کو لیا ہے مگر علامہ طنطاوی مصری کی تحقیق یہ ہے کہ اس سے مراد بدھ اور کرشن ہیں کہ ان کو بھی اللہ کا بیٹا کہا گیا ہے یہ معنی مراد زیادہ بہتر ہے کیونکہ یہ سید دو عالم ﷺ اور قرآن کی صداقت کی دلیل ہے اس لئے کہ اتنے تاریک دور کی بات بیان فرمانا اسی ذات باری تعالیٰ کی صفت ہے جو ماضی حال استقبال سب سے باخبر ہے اور جس پاکیزہ انسان نے یہ خبر دی وہ بھی سچا رسول ہے۔ ﷺ۔

پیارے آپ ان سے پوچھیں پھر تم کو کیوں عذاب دیتا ہے
تمہارے گناہوں پر (یہ بات غلط ہے) بلکہ تم تو انسان ہو اس
کی مخلوق میں سے۔

اس لئے قرآن حکیم نے عقیدہ ابوت کی تردید فرما کر خداوند قدوس کو رب کی حیثیت میں پیش فرمایا۔ قرآن حکیم میں سب انبیاء علیہم السلام کی دعوت میں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت پر ایمان لانے کا ذکر بھی موجود ہے۔

صابیین۔ صابی کون لوگ ہیں۔ ان کا عقیدہ کیا تھا امام ابوالعالیہ نے فرمایا کہ یہ اہل کتاب ہی کا ایک فرقہ ہے جو زبور کو آسمانی کتاب تسلیم کرتا ہے (بخاری) اہل کتاب کے ساتھ ان کا ذکر اس کی ایک وجہ ہوسکتی ہے مگر قرآن حکیم کی آیت سورۃ انعام آیت نمبر ۱۵۶ سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ اہل کتاب کے صرف دو ہی فرقے ہیں۔ یہود و نصاریٰ ارشاد قرآنی ہے:۔

اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا

ترجمہ: تم نہ کہہ بیٹھو کہ نازل کی گئی کتاب دو فرقوں پر ہم سے پہلے۔

اور یہ صابی وہ قوم ہے کہ جو اجرام سماویہ کو پوجتے تھے۔ جیسا کہ تاریخ ملل قدیمہ میں ہے کہ متعدد قبائل علیحدہ علیحدہ اجرام کی عبادت کرتے تھے۔ نقشہ ملاحظہ ہو۔

قبائل	مسجود	قبائل	مسجود
حمیر	آفتاب	کنانہ	چاند
طے	سہیل	بنوتمیم	دبران
قیس	اشعریٰ	اسد	عطارد
قبائل	مسجود	لخم وجذام	مشتری

(تاریخ ملل قدیمہ ص ۵۷)

قرآن کریم نے واضح طور پر شمس وقمر کی پرستش سے روکتے ہوئے فرمایا:۔

لَاتَسۡجُدُوۡالِلشَّمۡسِ وَلَالِلۡقَمَرِ وَاسۡجُدُوۡا لِلّٰهِ الَّذِیۡ خَلَقَهُنَّ اِنۡ کُنۡتُمۡ اِیَّاهُ تَعۡبُدُوۡنَ ○ (حم السجدہ نمبر ۳۷)

ترجمہ: نہ سجدہ کرو سورج کو اور نہ چاند کو اور سجدہ کرو اس اللہ کو جس نے ان کو پیدا کیا اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو۔

اور سورج کے طلوع سے پہلے، زوال کے بعد اور سورج کے غروب کے بعد نماز کا حکم فرمایا تاکہ عملاً کواکب پرستی کے خلاف اظہار نفرت اور اعلان بالتوحید کیا جائے فرمایا:

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوۡكِ الشَّمۡسِ اِلٰی غَسَقِ الَّیۡلِ وَقُرۡآنَ الۡفَجۡرِ ؕ اِنَّ قُرۡآنَ الۡفَجۡرِ کَانَ مَشۡهُوۡدًا ○ (الاسراء نمبر ۷۸)

ترجمہ: قائم رکھ نماز سورج کے ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک اور قائم رکھ صبح کا قرآن پڑھنا بے شک صبح کا قرآن روبرو ہوتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنی قوم کے ساتھ مناظرہ اس باب میں اس کی کامل تردید ہے۔ بالفاظ قرآن مجید:۔

فَلَمَّا جَنَّ عَلَیۡهِ الَّیۡلُ رَاٰ کَوۡکَبًا قَالَ هٰذَا رَبِّیۡ فَلَمَّا اَفَلَ قَالَ لَا اُحِبُّ الۡاٰفِلِیۡنَ ○ فَلَمَّا رَاَ الۡقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّیۡ فَلَمَّا اَفَلَ قَالَ لَئِنۡ لَّمۡ یَهۡدِنِیۡ رَبِّیۡ لَاَکُوۡنَنَّ مِنَ الۡقَوۡمِ الضَّآلِّیۡنَ ○ فَلَمَّا رَاَ الشَّمۡسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّیۡ هٰذَا اَکۡبَرُ فَلَمَّا اَفَلَتۡ قَالَ یٰقَوۡمِ اِنِّیۡ بَرِیۡٓءٌ مِّمَّا تُشۡرِکُوۡنَ ○ (الانعام نمبر ۷۶ تا ۷۸)

ترجمہ: پھر اندھیری ہوئی آپ پر رات دیکھا تارا کہنے لگے (کیا) یہ میرا رب ہے پس جب غائب ہو گیا کہنے لگا میں پسند نہیں کرتا چھپ جانے والوں کو پس جب چاند کو چمکتا دیکھا تو کہا (کیا) یہ میرا رب ہے پس جب غائب ہو گیا تو کہنے لگا اگر پہلے ہی سے میرے رب نے میری راہ نمائی نہ کی ہوتی تو میں ضرور گمراہوں سے ہو جاتا جب سورج کو جھلکتا ہوا دیکھا تو کہا (کیا) یہ میرا رب ہے پس جب وہ بھی چھپ گیا تو اعلان کر دیا اے میری قوم میں ان سب سے بیزار ہوں جن کو تم اللہ کا شریک ٹھہراتے ہو۔

شعریٰ ستارے کے ساتھ عربوں کو زیادہ عقیدت تھی حوادث اور انقلابات میں اس ستارے کو مؤثر مانتے ہوئے اس کی عبادت کرتے تھے یہ ستارہ اپنے فلک میں عرضاً چلتا ہے جبکہ دوسرے ستارے طول میں چلتے ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید نے شعریٰ کا خصوصیت کے ساتھ نام لیکر اس کو بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق قرار دیا۔ فرمایا:۔

وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰی ۝ (النجم نمبر ۴۹)

نصرانیت

یہ قوم بنی اسرائیل ہی کا ایک حصہ ہے جو لوگ حضرت مسیح ابن مریم کو اپنا رسول سمجھتے ہیں ان کو نصاریٰ کہا جاتا ہے اور یہ لقب انہوں نے خود اپنے لئے بنایا ہے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو اس وقت خطہ عرب میں نصاریٰ بھی موجود تھے۔ اکثر مورخوں کا خیال ہے کہ پولس نے حجاز عرب میں تبلیغ کی اور بعض نے کہا ہے کہ سب سے پہلے ان کا فرقہ جس کو بائٹ (یعقوبیہ) نجران میں آ کر آباد ہوا۔ حجاز عرب میں نصرانی کیوں آ کر آباد ہوئے اس کی وجہ مشہور پادری ایل بیون جونس نے

یہ بتائی ہے کہ یہ مسیحی اکثر ظلم کے سبب اپنا ملک چھوڑ کر یہاں آ گئے تھے۔"

(اہل مسجد ص ۱۲)

جب اسلام آیا اس وقت ربیعہ، غسان، حمیر، تنوخ، تغلب، قضاعہ، طی، نجران، خیرہ یہ سب قبیلے عیسائی تھے خود بیت اللہ شریف میں اور بتوں کے ساتھ حضرت مسیح علیہ السلام کی تصویر بھی موجود تھی۔ مکہ مکرمہ میں ایک عیسائی فاضل ورقہ بن نوفل موجود تھا۔ یہودیوں کی طرح عیسائیوں کے بھی کافی فرقے ہیں مگر اصولی طور پر یہ تین بڑے فرقوں میں منقسم ہیں۔ ملکانیہ۔ نسطوریہ۔ یعقوبیہ۔

ملکانیہ: تثلیث کے غیر مبہم طریقہ پر قائل ہیں۔ ان کے خیال میں حضرت مسیح، حضرت مریم علیہما السلام اور اللہ تعالیٰ کا مجموعہ مرکب الہ ہے صلیب مسیح اور کفارہ بھی ان ہی کا عقیدہ ہے۔

نسطوریہ: یہ فرقہ نسطورس بادشاہ کے زمانہ میں ظاہر ہوا ان کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کا مستقل علیحدہ جسم تو ہے مگر روح القدس کی تجلی حضرت مسیح علیہ السلام کے جسم پر اس طرح اثر انداز ہوئی جیسا کہ بلور پر سورج کی چمک اثر انداز ہوئی ہے۔

یعقوبیہ: فرقے کا خیال ہے کہ روح القدس حضرت مسیح میں داخل ہوا جس سے حضرت مسیح خدا بن گیا اس فرقہ کا بانی قسطنطنیہ کا راہب یعقوب الروغانی ہے۔

قرآن کریم نے ان سب فرقوں کی تردید فرمائی اور حضرت مسیح علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہونا بیان فرمایا۔ سورۃ آل عمران اور سورۃ مریم میں آپ کے حمل اور ولادت کو بیان فرما کر ارشاد فرمایا:۔

ذٰلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِي فِيهِ يَمْتَرُونَ ۝

مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ سُبْحٰنَهٗ اِذَا قَضٰى اَمْرًا فَاِنَّمَا

يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ○ (آیت نمبر ۳۴،۳۵)

ترجمہ: یہ ہے مریم کا بیٹا عیسیٰ، سچی وہ بات جس میں تم شک کرتے۔ اللہ کو کوئی ضرورت نہیں اولاد کی۔ وہ پاک ہے وہ جب کسی کام کو چاہے پس اتنا ہی ہے کہ اسے کہتا ہے ہو! پس وہ ہو جاتا ہے۔

سورۃ آل عمران آیت نمبر ۵۹ میں فرمایا:

اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ○

ترجمہ: بیشک عیسیٰ کی پیدائش کی کیفیت اللہ کے ہاں آدم کی طرح ہے یعنی اس کو مٹی سے بنایا پھر کہا ہو جا پس وہ ہو گیا۔

فائدہ: اس آیت میں ادھر بھی اشارہ ہے کہ حضرت آدم آسمان سے زمین پر تشریف لائے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام زمین سے آسمان پر تشریف لے گئے۔

نصرانیوں کے اس عقیدہ کو کفر قرار دیتے ہوئے فرمایا:

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ بْنُ مَرْيَمَ ؕ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ○ (المائدہ نمبر ۷۲)

ترجمہ: بلاشبہ وہ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا کہ الہ وہی مریم کا بیٹا مسیح ہے۔ حالانکہ مسیح نے تو یہ کہا اے بنی اسرائیل صرف اللہ کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے، اور تمہارا بھی۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (آیت نمبر ۷۳)

ترجمہ: بلاشبہ وہ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا کہ اللہ تین میں کا تیسرا ہے

حالانکہ کوئی معبود نہیں مگر صرف ایک ہی۔

حضرت مسیح علیہ السلام کا بن باپ اس طرح اللہ تعالیٰ کی قدرت خصوصی سے پیدا ہونا کوئی وجہ امتیاز پیدا نہیں کرتا بلکہ آپ بھی دوسرے رسولوں کی طرح اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، فرمایا۔

مَاالْمَسِيْحُ بْنُ مَرْيَمَ اِلَّارَسُوْلٌ قَدْخَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ○ (المائدہ نمبر ۷۵)

ترجمہ: مریم کا بیٹا مسیح صرف رسول ہے (الہ نہیں) اس سے پہلے بھی کئی رسول ہو گذرے ہیں اور اس کی ماں پاکباز راستباز ہے۔

اِنْ هُوَ اِلَّاعَبْدٌ اَنْعَمْنَاعَلَيْهِ وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ ○ وَلَوْنَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰٓئِكَةً فِي الْاَرْضِ يَخْلُفُوْنَ ○

(زخرف نمبر ۵۹، ۶۰)

ترجمہ: وہ کیا ہے ایک بندہ ہے جس پر ہم نے فضل کیا (نبوت دی) اور کھڑا کیا اس کو بنی اسرائیل کے لئے اور اگر ہم چاہیں نکالیں تم میں سے فرشتے زمین میں تمہاری جگہ۔

فائدہ: یعنی عیسیٰ علیہ السلام میں آثار فرشتوں جیسے تھے اس سے معبود نہیں ہوتا۔ اگر چاہیں تو تمہاری نسل سے بھی ایسے لوگ پیدا کریں (موضح)

مجوس

یہ لفظ مگوس کا معرب ہے اس کا بانی چھوٹے کانوں والا تھا میگوش اس سے مگوش بن کر عربی میں مجوس رہ گیا۔ اس کا متعارف معنی آگ کو پوجنے والے۔ مجوسیت کا منبع تو فارس ہے۔ مگر عرب بھی ان سے شناسا اور واقف تھے ان کا جداعلیٰ ساسان بن بابک بھی اپنے طریقہ پر حج بیت اللہ کے لئے آیا تھا ان کے

نزدیک سات سیارے معبود ہیں جن کو سات ہیکل کی شکل میں بنا کر ان کا طواف کرتے تھے یہ ہیاکل بعد میں تین سو ساٹھ بتوں کی شکل میں تبدیل کر دیے گئے ہو سکتا ہے سات ہیکل سات دنوں کے اعتبار سے ہوں اور تین سو ساٹھ بت تین سو ساٹھ دنوں کے اعتبار سے ہوں ہفتے کے سات دن سب دنوں مہینوں اور سال کا اصل ہیں اور تمام موسموں کا محیط سال ہے۔ سال کے دن تین سو ساٹھ ہیں۔ ہو سکتا ہے اسی مناسبت پر بیت اللہ میں تین سو ساٹھ بت بنائے گئے ہوں۔ شاید اسی حکمت سے قرآن عزیز نے اللہ تعالیٰ کو رَبُّ الْمَشَارِقِ (الصفت نمبر ۵) کے طور پر سمجھایا یعنی روزانہ سورج کا علیحدہ علیحدہ مطلع سے چڑھنا اپنے اختیار سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے۔

مجوسیوں کے بڑے فرقے چار ہیں باقی سب ان کے اجزا اور انواع ہیں۔ زمزویہ۔ شمسیہ۔ زراوشتیہ۔ مردکیہ۔ قرآن کریم نے ان سب اقسام کی مفصل تردید فرمائی ہے۔

زمزویہ

زیادہ یہی فرقہ مشہور ہے یہ دو (۲) اِلٰہ مانتے ہیں۔ ایک کو خالق خیر اور ایک کو خالق شر مانتے ہیں۔ یزدان اور اہرمن ان ہی کی اصطلاح ہے۔ آگ کی پرستش کرتے ہیں آتش کدوں میں جاتے ہوئے منہ کو باندھ لیا کرتے تھے تاکہ سانس لینے کی وجہ سے آگ نہ بجھ جائے موچھیں بھی اسی لئے بڑھایا کرتے تھے تاکہ سانس پر ضبط کر سکیں۔ قرآن مجید نے جس طرح تعداد آلھہ کی تردید فرمائی اسی طرح دو الٰہ ماننے سے بھی روکا۔ ارشاد قرآنی ہے۔

۔ وَقَالَ اللّٰہُ لَا تَتَّخِذُوا اِلٰھَیْنِ اثْنَیْنِ اِنَّمَا ھُوَ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ فَاِیَّایَ فَارْھَبُوْنِ ○ (النحل نمبر ۵۱)

ترجمہ: اور اللہ نے فرمایا نہ بناؤ دو معبود، معبود صرف ایک ہی ہے (اور وہ میں ہوں) پس مجھ ہی سے ڈرو۔

سورۃ الانعام میں اس فرقہ کی تردید فرماتے ہوئے خالق نور وظلمت ایک ہی ذات کو قرار دیا ارشاد قرآنی ہے۔

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَ جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوۡرِ ثُمَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِرَبِّهِمۡ یَعۡدِلُوۡنَ ○ (نمبر۱)

ترجمہ: تمام تعریف اس اللہ کا حق ہے جس نے پیدا کئے آسمان اور زمین اور بنائے اندھیرے اور روشنی پھر کافر اپنے رب کے ساتھ کسی اور کو برابر کرتے ہیں۔

شمسیہ

ان کے ہاں سورج کی پرستش کی جاتی ہے یہ گروہ ہر نورانی چیز کو معبود سمجھتا ہے قرآن مجید نے نور اور خالق نور صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات کو قرار دیا ہے۔ ارشاد قرآنی ہے۔

اَللّٰهُ نُوۡرُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ○ (النور نمبر ۳۴)

ترجمہ: اللہ ہی آسمان اور زمین کو منور کرنے والا ہے۔

تمام نورانی اشیاء مخلوق خداوندی ہیں۔ فرمایا:۔

وَالشَّمۡسَ وَالۡقَمَرَ وَالنُّجُوۡمَ مُسَخَّرَاتٍ بِاَمۡرِہٖ ○

(اعراف نمبر ۵۴)

لَاالشَّمۡسُ یَنۡۢبَغِیۡ لَهَاۤ اَنۡ تُدۡرِكَ الۡقَمَرَ وَلَا الَّیۡلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَ کُلٌّ فِیۡ فَلَكٍ یَّسۡبَحُوۡنَ ○ (یٰس نمبر ۴۰)

وَسَخَّرَلَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَسَخَّرَلَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۝ (ابراھیم نمبر۳۴)

ترجمہ: اور سورج اور چاند اور ستارے اسی کے حکم سے کام میں لگے ہوئے ہیں نہ تو سورج کو یہ طاقت ہے کہ چاند کو پالے اور نہ رات دن سے پہلے آ سکتی ہے یہ سب اپنے اپنے آسمان میں تیر رہے ہیں اور کام میں لگا دیئے گئے تمہارے واسطے سورج اور چاند ہمیشہ چلنے والے اور کام میں لگایا تمہارے لئے رات اور دن کو۔

جب چاند اور سورج نور اور ظلمت شریکِ الہ نہیں تو ان سے پیدا ہونے والے اثرات دن اور رات کس طرح معبود اور الہ بن سکتے ہیں۔ رومی اور یونانی مہینوں کی پرستش کرتے تھے جنوری یانوسی سے بنایا گیا ہے یہ دو چہروں والے معبود کا نام تھا اور فروری (فبرایر) یونانیوں کے ہاں پاک کرنے والا معبود اور مارس (مارچ) قدیم یونانیوں کے ہاں جنگ کا دیوتا قرار دیا گیا تھا۔ اسی سے دنوں کی پرستش بھی بنالی گئی سن ڈے سورج کا دن اور منڈے (مون ڈے) چاند کا دن، انئی دور ایام پرستی کی یادگار آج تک باقی ہے۔ قرآن کریم نے رات دن ماہ اور سال، چاند اور سورج کی گردش وغیرہ سب نظام شمسی کو اللہ تعالیٰ کے تابع فرمان قرار دیا ہے۔

زرادشتیہ

یہ فرقہ زردشت کی طرف منسوب ہے جو شاہ بشتاسف کے زمانہ میں گذرا ہے اس کی اصطلاح میں اللہ تعالیٰ کو آزمرد کہا جاتا ہے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ نبی تھا مگر قرآن کریم اس نام کے مسمی کو نبی قرار نہیں دیتا۔ جن انبیاء علیہم السلام کے اسماء گرامیہ قرآن مجید میں آئے ان کو تو تصریح اسم کے ساتھ نبی ماننا ضروری ہے ان

ناموں کے سوا کسی دوسرے نام کو متعین کر کے نبی نہ مانا جائے۔

خصوصاً جب اس کے پیروکاروں کے عقائد قرآنی عقائد کے خلاف ہوں یہ لوگ آگ کی پرستش کرتے ہیں آگ کو معبود سمجھتے ہیں۔ زردتشت کے متعلق تو تاریخ کا بھی بہت اختلاف ہے ادبیات ایران کے مشہور مستند مورخ براؤن نے یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ بعض لوگوں نے اس کے تاریخی وجود ہی سے انکار کیا ہے۔

قرآن مجید نے آگ کو مخلوق اور آگ کے مادہ ایندھن کو بھی اپنا مخلوق قرار دیا ارشاد قرآنی ہے۔

اَفَرَئَیْتُمُ النَّارَ الَّتِیْ تُوْرُوْنَ ٥ أَ اَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَ تَهَا اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِئُوْنَ ٥ نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً وَّمَتَاعًا لِّلْمُقْوِیْنَ ٥ (الواقعہ آیت نمبر ۷۱، ۷۲، ۷۳)

ترجمہ: بھلا دیکھو وہ آگ جو تم سلگاتے ہو کیا تم نے اس کا درخت اگایا یا ہم اگاتے ہیں ہم نے اس آگ کو بنایا یاد دلانے کے لئے (دوزخ کی آگ) اور برتنے کی چیز ہے (سب کے لئے) خاص کر جنگل والوں کے لئے۔

مردکیہ

یہ فرقہ مردک کی طرف منسوب ہے جس کو مزدک بھی کہا جاتا ہے یہ فرقہ زمزویہ کے قریب ہے کیونکہ ان کے ہاں نور (یزدان) تو مختار مطلق ہے مگر ظلمت (اہرمن) غیر مختار ہے۔ نوشیروان عادل کا باپ قباد مزدک کا پیرو بن گیا تھا مگر نوشیروان ہی نے اس کو ۵۲۸ء یا ۵۲۹ء یا ۵۳۱ء میں قتل کر دیا تھا۔ مشہور انگریز مورخ مسٹر گبن کی رائے میں اس کی کامیابی کا راز اشتراک زر۔ زن۔ زمین میں تھا۔ قرآن حکیم نے اس کی تردید بھی فرمائی ارشاد قرآنی ہے:۔

اَھُمْ یَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ؕ نَحْنُ قَسَمْنَا بَیْنَھُمْ مَّعِیْشَتَھُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَرَفَعْنَا بَعْضَھُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَتَّخِذَ بَعْضُھُمْ بَعْضًا سُخْرِیًّا ؕ وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَیْرٌ مِّمَّا یَجْمَعُوْنَ O (زخرف نمبر ۳۲)

ترجمہ: کیا وہ بانٹتے ہیں تیرے رب کی رحمت ہم نے تقسیم کر دیئے ان کے درمیان ان کی زندگی گذارنے کی ضروریات اور بلند کئے بعض کے بعض پر (اس میں) درجے تاکہ بنا لے ان میں سے بعض بعض کو کمیرا (کام کرنے والا) اور تیرے رب کی رحمت بہتر ہے اس سے جو وہ (اس طرح) جمع کرتے ہیں۔

مشرک

قران حکیم سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی تشریف آوری سے پہلے بھی شرک پایا جاتا تھا اور توحید ہی کی دعوت پر انبیاء علیہم السلام کی مخالفت کی جاتی تھی۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو توحید کی دعوت دی مگر قوم کی اکثریت اپنی بت پرستی پر اڑی رہی۔ ان بتوں کے نام قرآن مجید میں مذکور ہیں وَدّ۔ سُوَاع ۔ یَغُوث۔ یَعُوق۔ نَسَر۔ بت پرست ویسے ہی پتھر اٹھا کر معبود نہیں بنا لیتے تھے بلکہ وہ پتھر ایک خاص فلسفہ فکر کے مظہر ہوتے تھے۔ ان معبودات باطلہ کی تشریح مفسر القران شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے یوں فرمائی ہے۔

۱۔ وُدّ

اللہ تعالیٰ کی محبت ذاتیہ کا مظہر بنایا گیا قوم نوح نے اس کو مرد کی شکل دی تھی جس کا میلان عورت کی طرف ہے۔ ہندوؤں کی اصطلاح میں اسی کا نام بشن اوتار ہے۔

۲۔ سواع

اللہ تعالیٰ کی صفت بقاء اور ثبات کا مظہر ہے۔ تدبیر عالم کے لئے اس کو پوجا گیا چونکہ امور خانہ داری کے نظم ونسق میں عورت کو امتیاز حاصل ہے اسی مناسبت پر اس کی شکل عورت کی تھی جس کو ہندو برہما کہتے ہیں۔

۳۔ یغوث

یہ قوت اور دفاع کا مظہر تھا اس کو گھوڑے کی شکل دی گئی تھی ہندو اس کو اندر کہتے ہیں نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں عمان اور بحرین میں گھوڑے کی پرستش کی جاتی تھی ان کو اسپ دین کہا جاتا تھا۔ حجاز عرب میں بھی ایک رسم تھی کہ بت کو گھوڑے پر رکھ کر جلوس نکالا کرتے تھے۔

۴۔ یعوق

حملہ آوری اور شجاعت کا مظہر تھا اس کی شکل شیر کی بنائی گئی تھی ہندو اس کو شِیو کہتے ہیں۔

۵۔ نسر

قوم نوح نے اس کی شکل گدھ کی بنائی ہوئی تھی ہندوؤں کا ہنومان اسی کی طرح ہے۔ (تفسیر عزیزی)

حضرت نوح علیہ السلام کے طوفان کے بعد بھی لوگ پھر شرک کی طرف مائل ہو گئے جن بتوں کے نام قرآن مجید میں آئے ہیں اور قرآن حکیم نے ان کی واضح تردید فرمائی ہے وہ درج ذیل ہیں۔

بعل

یہ شامیوں نے بنایا تھا ایک قدیم شہر بعلبک اسی کی طرف منسوب ہے امام رازی نے کہا ہے کہ یہ بت بیس گز اونچا تھا اور سونے کا تھا۔

حضرت الیاس علیہ السلام نے اپنی قوم کو توحید کی دعوت دی اور اس بت کی پرستش سے خصوصی طور پر ردکا سورۃ صفت میں ہے۔

اَتَدۡعُوۡنَ بَعۡلًا وَّتَذَرُوۡنَ اَحۡسَنَ الۡخَالِقِیۡنَ ۝ اللّٰه رَبَّکُمۡ وَرَبَّ آبَآءِکُمُ الۡاَوَّلِیۡنَ ۝ (نمبر ۱۲۳، ۱۲۴)

ترجمہ: کیا تم پوجتے ہو بعل کو اور چھوڑتے ہو سب سے بہتر پیدا کرنے والے اللہ تعالیٰ کو جو تمہارا رب ہے اور تمہارے پہلے باپ دادوں کا بھی رب ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم اور باپ کو خصوصیت کے ساتھ صنم پرستی سے روکا قرآن مجید میں تفصیل سے یہ ساری بات موجود ہے آپ نے ارشاد فرمایا:

اَتَتَّخِذُ اَصۡنَامًا اٰلِهَةً ۝ (الانعام نمبر ۷۴)

ترجمہ: کیا تو بتوں کو معبود سمجھتا ہے؟

اَتَعۡبُدُوۡنَ مَاتَنۡحِتُوۡنَ ۝ (الصافات نمبر ۹۵)

ترجمہ: کیا ان کو پوجتے ہو جن کو خود تراشتے ہو؟

رسول کریم ﷺ کی بعثت کے وقت بھی عرب میں بت پرستی کا زور تھا اس دور کے جن بتوں کے نام قرآن مجید میں آئے ہیں وہ لات۔ منات۔ عزیٰ ہیں۔ معلوم ہوتا ہے ان بتوں کی شکل عورت کی بنائی گئی تھی۔ لات اللہ کا مؤنث اور منات منان کا اور عزیٰ عزیز کا مؤنث بنایا گیا قرآن حکیم نے ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا:

اَفَرَاَیۡتُمُ اللّٰتَ وَالۡعُزّٰی ۝ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الۡاُخۡرٰی ۝ اَلَکُمُ الذَّکَرُ وَلَهُ الۡاُنۡثٰی ۝ (النجم نمبر ۱۹، ۲۰)

ترجمہ: بھلا دیکھو تم لات اور عزیٰ کو اور منات تیسری پچھلی کو کیا تمہارے لئے بیٹے اور اس کے لئے بیٹیاں ہیں۔

تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے علاوہ اور بھی کئی بت خصوصی نظریات کی بناء پر تیار کئے گئے تھے اور ان کی پرستش کی جاتی تھی سید دو عالم ﷺ نے ان سب کو توڑا اور توحید باری تعالیٰ کا اعلان فرمایا۔ اس کی پوری تشریح میرے مقالہ تاریخ الادیان فی الفاظ القرآن میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ بعض کی تشریح کی جاتی ہے۔

لات

یہ مربع پتھر کا تھا طائف کا قبیلہ بنوثقیف اس کا پجاری تھا۔ مغیرہ بن شعبہ نے اس کو توڑا۔

عُزّٰی

یہ سب بتوں سے زیادہ معزز سمجھا جاتا تھا ذات عرق سے نومیل کے فاصلہ پر نصب تھا۔ قریش نے اس کے نام پر زمین وقف کی ہوئی تھی حضرت خالد نے اس کو توڑا۔

مناۃ

نام کے دو بت تھے ایک تو مکہ اور مدینہ کے درمیان سمندر کے کنارے وقف تھا۔ حضرت علیؓ نے اس کو توڑا اور دوسرا لکڑی کا تھا۔

فائدہ: قرآن حکیم میں بتوں کیلئے دو الفاظ آئے ہیں۔ صنم اور وثن صنم اس بت کو کہتے تھے جو انسانی شکل پر سونے چاندی یا پتھر سے بنا ہوتا تھا اور وثن جو صرف پتھر سے مرصع طریقہ پر بنایا جاتا تھا۔ تاریخ ادیان میں تین الفاظ اور بھی آئے ہیں۔ بعیم وہ بت جو لکڑی سے بنایا جائے۔ دُمیہ جو مسالے سے تیار کیا جائے رجمہ پتھروں کا وہ ڈھیر جس کا طواف کرتے تھے بعض قبائل حلوئی کا بت بنالیا کرتے تھے بھوکا ہونے پر کھا بھی لیتے تھے (دول العرب ج ا ص ۱۳۱)

ہُبُل

سرخ عقیق کا تھا قریش اس کو جنگوں میں پکارا کرتے تھے اُعْلُ ھُبُلُ کا نعرہ لگایا کرتے تھے فتح مکہ کے دن مسمار کر دیا گیا اسی طرح صفا پر جو بت نصب تھا اس کا نام اساف تھا اور مروہ پر جو تھا اس کا نام نائلہ تھا"۔

قرآن کریم نے شرک کے متعلق سب سے کامل جو فیصلہ فرمایا وہ یہ ہے۔ ناقابل مغفرت، اور سب اعمال ضائع و برباد ہو جاتے ہیں۔

اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌO (لقمن نمبر ۱۳)

ترجمہ: بے شک شرک بڑا ظلم ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرِكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُO (النساء نمبر ۱۱۶)

ترجمہ: یاد رکھو اللہ نہ بخشے گا یہ کہ اس کیساتھ شرک کیا جائے اور بخش دے گا اس کے سوا جس کے لئے بھی چاہے۔

وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْتَهْوِىْ بِهِ الرِّيْحُ فِىْ مَكَانٍ سَحِيْقٍO (الحج نمبر ۳۱)

ترجمہ: اور جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا پس گویا وہ گر پڑا آسمان سے پس اچک لے جاتے ہیں اس کو پرندے یا پھینک دیتی ہے اس کو سخت ہوا دور دراز جگہ میں۔

وَلَوْ اَشْرَكُوْالَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (انعام نمبر ۸۸)

ترجمہ: اور اگر یہ شرک کریں ان کے سب عمل یقیناً برباد ہو جائیں گے۔

ان اقسام شرک کے علاوہ اور بھی کئی اقسام تھے جن کی تردید قرآن مجید

نے فرمائی ان میں سے ملائکہ پرستی بھی تھی فرشتوں کو شریک الوہیت بنا کر اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں کہتے تھے قرآن کریم نے اسکی بھی تردید فرمائی۔

وَجَعَلُوا الْمَلٰئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ؕ اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْئَلُوْنَ ○ (الزخرف نمبر ۱۹)

ترجمہ: اور بنایا ان کافروں نے فرشتوں کو جو اللہ کی عبادت کرتے ہیں عورتیں! کیا حاضر ہوئے تھے ان کی پیدائش کے وقت لکھی جاوے گی شہادت ان کی اوران سے پوچھا جائے گا۔

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ (النساء نمبر ۱۷۲)

ترجمہ: ہرگز انکار نہ کرے گا مسیح اس بات سے کہ وہ اس کا بندہ ہے اور نہ ہی انکار کریں گے وہ فرشتے جو مقرب بارگاہ ہیں۔

قرآن حکیم نے کئی مقامات پر فرشتہ پرستی کی تردید فرمائی۔ اور فرشتوں کو اپنی فرماں بردار مخلوق اور مطیع بندے قرار دے کر ان کو شریک الٰہ کرنے سے روکا۔

اسی طرح مشرکوں پر جنات کا رعب اس قدر طاری تھا کہ وہ ان کو غیب دان سمجھے ہوئے تھے ان کو شریک باری قرار دیتے تھے۔ قرآن کریم نے اس عقیدہ کی بھی تردید فرمائی۔ جیسا کہ ارشاد قرآنی ہے۔

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ (الانعام نمبر ۱۰۱)

ترجمہ: اور بنائے ان لوگوں نے اللہ کے شریک جن! حالانکہ کہ اللہ نے ان کو پیدا کیا ہے اور گھڑ لئے اس اللہ کے لئے بیٹے اور بیٹیاں بغیر علم کے وہ اللہ پاک اور بالاتر ہے اس سے جو وہ بیان کرتے ہیں۔

جنات کے متعلق ان کا عقیدہ تھا کہ یہ غیب دان ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم نے ان کی تردید فرمائی۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْن (الذریٰت نمبر۵۶)

ترجمہ: اور میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔

یعنی انسانوں کی طرح جنات بھی میری مخلوق ہیں اور میری عبادت کرتے ہیں ان کیلئے بھی میرے احکام موجود ہیں۔ جیسا کہ فرمایا:

قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًاo يَّهْدِيْ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَا اَحَدًاo وَاَنَّهُ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًاo (الجن نمبر۱تا۳)

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ میری طرف وحی کی گئی ہے کہ سنا ایک جماعت نے جنوں کی پس کہا انہوں نے بیشک ہم نے عجیب قرآن سنا جو کہ راہ نمائی کرتا ہے بھلائی کی طرف پس ہم ایمان لائے اس پر اب شریک نہ کریں گے اپنے رب کے ساتھ کسی کو بھی۔ اور بے شک بلند و بالاتر ہے شان ہمارے رب کی نہ بنائی اس نے بیوی اور نہ اولاد۔

وَاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقَاسِطُوْنَ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًاo وَاَمَّا الْقَاسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًاo (الجن نمبر۱۴، ۱۵)

ترجمہ: اور بے شک ہم میں سے بعض مسلمان ہیں اور ہم میں سے

بعض ظالم ہیں پس جو اسلام لایا اس نے ہدایت کو تلاش کرلیا۔
اور ظالم تو جہنم کا ایندھن ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ نے جنات کو انبیاء علیہم السلام کا مسخر فرمایا خصوصاً سلیمان علیہ السلام سے ایسے واقعات کا صدور ہوا جو جنوں کی معبودیت پر ضرب کاری ہیں جن سے ہویدا ہوتا ہے کہ جنات غیب دان نہیں جیسا کہ سورۃ سبا میں موجود ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام پر موت طاری ہوگئی۔ اور جنات نہ سمجھ سکے بلکہ بیت المقدس کی تعمیر میں سرگرم عمل رہے۔ فرمایا:۔

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَادَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖ اِلَّادَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ فَلَمَّا خَرَّتَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْكَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَالَبِثُوْا فِى الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ۝ (نمبر۱۴)

ترجمہ: پس جب ہم نے مقرر کیا اس (سلیمان علیہ السلام) پر موت کو نہ خبردار کیا ان کو آپ کی موت پر مگر گھن کے کیڑے نے جو کھاتا تھا ان کا عصا۔ پس جب گر پڑا جانا جنوں نے کہ اگر غیب جانتے تو اس ذلیل عذاب میں نہ رہتے۔

علمائے تفسیر نے لکھا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام ایک سال اسی طرح اپنے عصا پر قائم رہے اور جنات نہ سمجھ سکے۔

دہریہ

شرک کے علاوہ دہریت بھی اسوقت موجود تھی یعنی کچھ لوگ سرے سے اس عقیدہ ہی کے خلاف تھے کہ اس کارگاہ عالم کا کوئی خالق اور مالک ہے۔ ان لوگوں کا نظریہ تھا کہ یہ نظام از خود یوں ہی چلا آرہا ہے اور چلتا رہے گا۔ جو دل میں آیا کر گذرتے تھے نہ حلال و حرام جائز ناجائز کا عقیدہ اور خیال تھا ارشاد قرآنی ہے:۔

وَقَالُوامَاهِی اِلَّاحَیَاتُنَا الدُّنْیَا نَمُوْتُ وَنَحْیَا وَمَا یُهْلِکُنَا اِلَّاالدَّهْرُ ۚ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِکَ مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا یَظُنُّوْنَ ٥

(الجاثیہ نمبر۲۴)

ترجمہ: اور یہ کہتے ہیں کہ زندگانی (موت کے بعد والی) نہیں مگر صرف یہی دنیا کی زندگی مرنا جینا لگا رہتا ہے اور ہم کو ہلاک نہیں کرتا مگر زمانہ، حالانکہ نہیں ان کا کچھ علم اس پر اور نہیں مگر وہ گمان ہی کرتے ہیں۔

قرآن حکیم نے توحید کامل کا خلاصہ اور جوہر سورۃ اخلاص میں فرمادیا۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ٥ اَللّٰهُ الصَّمَدُ٥ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ٥ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ٥ (اخلاص)

ترجمہ: اعلان کر دیجئے وہ اللہ یکتا ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ نہیں جنا اس نے اور نہ وہ جنا گیا اور نہیں اس کے کوئی قبیلہ۔

توحید کامل پر یقین اور اس اعتقاد کو قلب ونظر میں ہر وقت پیش رکھنے کے لئے اس سورۃ کو رسول کریم ﷺ نے ثلث القرآن یعنی قرآن کا $\frac{1}{3}$ حصہ قرار دیا ہے مسلمانوں کی اکثریت ہر نماز میں اس سورۃ کو زیادہ پڑھتی ہے۔ واللہ الموفق

(۱۱) نبوت اور رسالت

تعلیمات قرآنی کے مقاصد میں دوسرا عظیم مقصد ایمان بالرسالت ہے۔ رسول اور نبی اس واسطے کا نام ہے جو انسانوں اور اللہ کے درمیان واسطہ ہوتا ہے بالفاظ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ رسول ایک رخ سے اللہ تعالیٰ سے نور ہدایت حاصل کرتا ہے اور دوسرے رخ سے اس نور ہدایت کو عالم انسانیت میں پھیلاتا ہے۔

قرآن کے الفاظ میں نبی اور رسول کا لفظ ایک دوسرے پر بولا جاتا ہے جیسا کہ ارشاد قرآنی میں ایک ہی ذات کو رسول بھی فرمایا گیا اور نبی بھی جیسا کہ فرمایا:۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمَاعِيْلَ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا۝ (مریم نمبر۵۴) نزول قرآنی کے وقت نبوت اور رسالت کے متعلق دو قسم کے خیالات موجود تھے ایک تو یہ کہ نبوت اور رسالت انسان کے منافی ہے۔ اگر فرشتہ نبی ہوتا تو ہم مان لیتے۔قرآن حکیم نے نبوت کے مسئلہ پر تفصیلی ارشادات فرمائے جن کا تجزیہ یوں کیا جا سکتا ہے۔

(۱) ضرورت نبوت و رسالت۔ (۲) نبی کا انسان ہونا۔ (۳) مقام نبوت و رسالت و عصمت انبیاء علیہم السلام (۴) اولو العزم انبیاء علیہم السلام کی فہرست (۵) ختم نبوت و نبوت کاملہ۔

(۱) حکمت نبوت و رسالت

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنا خلیفہ اس کرۂ ارضی کے لئے بنا کر بھیجا ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا۔ کہ انسانی بدن کے تقاضے اور اس کی ضروریات اسی کرۂ ارضی میں موجود ہوں گی فرمایا:۔

وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ۝ (بقرہ نمبر ۳۶)

ترجمہ: اور تمہارے لئے زمین میں ٹھہرنا ہے اور برتنا ہے وقت مقرر تک کیلئے۔

لیکن جس طرح انسان اپنے بدن کی اصلاح اور اس کی بقاء کے لئے ضروریات کا محتاج ہے اسی طرح انسان اپنے جوہر انسانیت کے لئے جس کی وجہ سے انسان اشرف المخلوقات قرار پایا۔ آسمانی تعلیمات کا بھی محتاج ہے۔ جس طرح خداوند قدوس نے ضروریات بدنی کے لئے زمین میں صلاحیت رکھ دی ہے آسمانی ابر کرم سے وہ تر و تازگی کے ساتھ انسانیت کی تربیت اور نشو و نما کرتی ہے اسی طرح

خداوند قدوس نے آسمانی ہدایت کو انسان کی راہ نمائی کے لئے نازل فرمایا۔ قرآن حکیم نے ان دونوں تربیتوں کو یک جا ذکر فرمایا۔ ارشاد قرآنی ہے۔

وَمَا اَنزَلْنَا عَلَيكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيهِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِقَومٍ يُّؤْمِنُوْنَ ○ وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَابِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ○ (النحل نمبر ۶۴، ۶۵)

ترجمہ: اور ہم نے آپ پر کتاب اسلئے اتاری کہ آپ ان کیلئے بیان کریں وہ باتیں جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں اور یہ کتاب ہدایت اور رحمت ہے ایمان والوں کے لئے۔ اور اللہ ہی نے آسمان سے پانی اتارا پس اس کیساتھ زندہ کیا زمین کو اس کے مرنے کے بعد اس میں نشانی ہے سننے والی قوم کے لئے۔

چنانچہ قرآنی تعلیمات کے مطابق سب سے پہلا انسان حضرت آدم علیہ السلام ہے اور سب سے پہلا نبی اور رسول بھی حضرت آدم علیہ السلام کو بنایا گیا فرمایا اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى اٰدَمَ (آل عمران نمبر ۳۳) جس کی واضح حکمت یہی ہوتی ہے کہ انسانیت کے لئے روز اول سے رسالت اور نبوت کی پیروی لازمی قرار دی گئی ہے۔ اگر رسولوں کا سلسلہ قائم نہ ہوتا اور نبوت کی ضرورت نہ رہتی تو گمراہ انسان اللہ تعالیٰ کے حضور یہ عذر پیش کر کے اپنے آپ کو سزا سے محفوظ رکھنے کی کوشش کرتے۔ ارشاد قرآنی ہے۔

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ○

(النساء نمبر ۱۶۵)

ترجمہ: یہ رسول بشارت دینے والے (فرمانبرداروں کو) اور ڈرسنانے

والے (نافرمانوں کو) تاکہ نہ رہے لوگوں کا اللہ پر کوئی عذر، اعتراض رسولوں کے آجانے کے بعد اور اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔

نبوت اور رسالت کے متعلق قرآنی تعلیم یہ ہے کہ یہ منصب کسبی نہیں بلکہ وہبی ہے جس پاکیزہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے چاہا نبوت اور رسالت کے اعزاز سے نواز دیا ارشاد فرمایا:

اَللّٰہُ یَجۡتَبِیۡۤ اِلَیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ ○ (الشوریٰ نمبر ۱۳)

ترجمہ: اللہ چن لیتا ہے اپنی طرف جس کو چاہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نبوت اور رسالت کے عطا کرنے میں حکیم ہے اور اس انتخاب میں کہ جس کو نبی اور رسول بنایا وہ باخبر اور باعلم ہے۔ فرمایا:

اَللّٰہُ اَعۡلَمُ حَیۡثُ یَجۡعَلُ رِسَالَتَہٗ ○ (انعام نمبر ۱۲۴)

ترجمہ: اللہ اچھی طرح جانتا ہے جہاں اپنا پیغام بھیجنا رکھتا ہے۔

منکرین نبوت اور رسالت کے مختلف نظریات کو قرآن مجید نے نقل فرما کر ان کی تردید فرمائی۔ جیسا کہ:۔ ایک نظریہ تھا کہ آسمانی ہدایت کا نزول کسی پر بھی نہیں ہوا۔ جیسا کہ اقوام سابقہ میں یہ کہا گیا۔

مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ عَلٰی بَشَرٍ مِّنۡ شَیۡءٍ ○ (انعام نمبر ۹۲)

ترجمہ: نہیں اتارا اللہ تعالیٰ نے کسی بندے پر کچھ بھی۔

مَاۤ اَنۡزَلَ الرَّحۡمٰنُ مِنۡ شَیۡءٍ ○ (یٰس نمبر ۱۵)

ترجمہ: نہیں اتارا رحمٰن نے کچھ بھی۔

دوسرا یہ اعتراض تھا کہ نبی انسان نہ ہونا چاہئے اپنے انکار کی وجہ یہ بھی بیان کی۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْآ اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا (تغابن نمبر ۶)

ترجمہ: یہ اس لئے کہ آتے تھے ان کے پاس ان کے رسول کھلے حکم لیکر پس کہا انہوں نے کیا انسان ہماری راہ نمائی کریں گے پس کافر بنے اور منہ موڑ لیا۔

تیسرا یہ کہ نبی اپنی ہی قوم کا ایک فرد نہ ہو جیسا کہ قوم صالح علیہ السلام نے کہا:۔

فَقَالُوْا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗ اِنَّا اِذًا لَّفِىْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ○ (القمر نمبر ۲۴)

ترجمہ: کہا انہوں نے کیا ہم پیروی کرلیں اپنے میں سے ایک آدمی کی اس وقت تو ہم گمراہی اور دیوانگی میں ہو جائیں گے۔

چوتھا یہ کہ نبوت اور رسالت سرمایہ داری طرز پر کسی سرمایہ دار کو دی جائے اہل مکہ نے کہا تھا۔

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ○ (الزخرف نمبر ۳۱)

ترجمہ: اور کہا انہوں نے کیوں نہیں اتارا گیا یہ قرآن دو بستیوں (طائف اور مکہ) کے کسی بڑے سرمایہ دار پر۔

جب حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام پیغام توحید لے کر مصر لوٹے تو فرعونیوں نے انکار کرتے ہوئے یہ بھی کہہ دیا تھا۔

فَقَالُوْا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ (المؤمنون نمبر ۴۷)

ترجمہ: پس کہا انہوں نے کیا ایمان لے آئیں ان دو انسانوں کے کہنے

پر اوران کی قوم تو ہماری عبادت کرنے والی (غلام) ہے۔
قرآن کریم نے ان سب اعتراضات اور من گھڑت خدشات کا جواب دیتے ہوئے فرمایا۔

وَمَا اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوۡحِىۡۤ اِلَيۡهِمۡ (انبیاء نمبر ۸)

ترجمہ: اور نہیں بھیجے ہم نے آپ سے پہلے مگر مرد ہی وحی کی ہم نے ان کی طرف۔

وَقَالَتۡ لَهُمۡ رُسُلُهُمۡ اِنۡ نَّحۡنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُكُمۡ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنۡ يَّشَآءُ ۝ (ابراہیم نمبر ۱۱)

ترجمہ: اور کہا ان سے ان کے رسولوں نے نہیں ہیں ہم مگر بشر تم جیسے لیکن احسان فرماتا ہے اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا ہے۔

وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا رُسُلًا مِّنۡ قَبۡلِكَ وَجَعَلۡنَا لَهُمۡ اَزۡوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ۝ (الرعد نمبر ۳۸)

ترجمہ: اور بے شک ہم نے بھیجے آپ سے پہلے بھی رسول اور بنائیں ان کے لئے بیویاں اور اولاد

وَمَا اَرۡسَلۡنَا قَبۡلَكَ مِنَ الۡمُرۡسَلِيۡنَ اِلَّاۤ اِنَّهُمۡ لَيَاۡكُلُوۡنَ الطَّعَامَ وَيَمۡشُوۡنَ فِى الۡاَسۡوَاقِ (الفرقان نمبر ۲۰)

ترجمہ: اور ہم نے آپ سے پہلے بھی جتنے پیغمبر بھیجے وہ کھانا بھی کھاتے تھے اور بازاروں میں بھی چلتے پھرتے تھے۔

(۲) تحفظ تاریخ نبوت

قرآن کریم نے سب انبیاء علیم السلام پر ایمان لانے کا حکم دیا ارشاد فرمایا:۔

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ○ (النساء نمبر ۱۷۱)

ترجمہ: پس ایمان لے آؤ اللہ پر اور اس کے سب رسولوں پر

كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ○ (بقرہ نمبر ۲۸۵)

ترجمہ: یہ سب ایمان لائے اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے سب رسولوں پر (یہ کہتے ہیں) کہ ہم فرق نہیں کرتے کسی ایک میں بھی اس کے رسولوں میں سے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ○ (النساء نمبر ۱۵۲)

ترجمہ: اور وہ جو ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسولوں پر اور نہ فرق کیا انہوں نے ان رسولوں میں سے کسی ایک میں بھی ان کو ضرور دے گا اللہ تعالیٰ ان کے اجر و ثواب اور اللہ تعالیٰ (عملی کمزوریوں پر) بخشنے والا مہربان ہے۔

انبیاء علیہم السلام کی بعثت عمومی ہے کوئی علاقہ ایسا نہیں جس میں اللہ تعالیٰ نے کسی نبی اور رسول (علیہ السلام) کو نہ بھیجا ہو۔ فرمایا:

اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ (فاطر نمبر ۲۴)

ترجمہ: ہر امت میں ڈر سنانے والا گذرا ہے۔

مگران کی مجموعی اور حتمی تعداد کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ ارشاد قرآنی ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلاً مِّنَ قَبْلِكَ مِنهُم مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنهُم مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ (المؤمن نمبر ۷۸)

ترجمہ: بے شک بھیجا ہم نے رسولوں کو آپ سے پہلے، ان میں سے کچھ وہ ہیں جن کا حال ہم نے بیان کیا آپ پر اور ان میں سے کچھ وہ ہیں جن کا حال بیان نہیں کیا آپ پر۔

نوٹ: قرآن حکیم نے بعثت انبیاء کی زمانی اور مکانی تفصیل کو بیان فرمایا مگر مسیحی علماء میں سے آج بعض کا نظریہ یہ ہے کہ:۔

''کتاب پیدائش میں آفرینش عالم سے وفات یوسف (علیہ السلام) تک عبرانیوں کے ہاں کی فرضی روایات موجود ہیں یہ کہنا تو زیادتی ہے کہ ان انسانوں کی کوئی تاریخی اصلیت سرے سے ہے ہی نہیں ابراہیم ۔ یعقوب یوسف جو عموماً قبائلی دیوتا سمجھے گئے ہوسکتا ہے واقعی اشخاص رہے ہوں''

لوط سے مراد علاقہ موآب اور خود حضرت ابراہیم سے مراد فلسطین و شمال عرب ہیں۔ نوح سے لے کر یعقوب تک فرضی و خیالی ہیں غالب خیال یہ ہے کہ ابراہیم جو سوانح عمری کتاب پیدائش میں درج ہیں افسانوی ہی ہے''۔

(ڈکشنری آف دی بائیبل ص ۱۹۹ و ص ۲۰۰)

قران کریم مصدق بھی ہے اور مہیمن بھی یعنی انبیاء سابقین کی نبوت کی تصدیق کرنے والا اور ان کی نبوتوں کا محافظ ہے۔ قرآن حکیم نے انبیاء کرام میں سے بعض کے نام زمانہ بعثت اور ان کی قوم کی پوری تشریح فرمادی ہے۔ جیسا کہ:۔

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى اٰدَمَ وَنُوحاً وَّاٰلَ اِبْرَاهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ○ ذُرِّيَّةًۢ بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○ (آل عمران نمبر ۳۳)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے چن لیا آدم کو اور نوح کو اور ابراہیم کی اولاد کو اور عمران کی اولاد کو جہان والوں پر اولاد تھے بعض بعض کی اور اللہ سننے والا ہے جاننے والا ہے۔

اِنَّا اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ كَمَا اَوْحَيْنَا اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَوْحَيْنَا اِلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَعِيْسٰى وَاَيُّوْبَ وَيُوْنُسَ وَهَارُوْنَ وَسُلَيْمٰنَ وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ○ وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ○ (النساء نمبر ۱۶۳)

ترجمہ: بیشک ہم نے وحی کی آپ کی طرف جیسا کہ وحی کی نوح کی طرف اور نبیوں کی طرف اس کے بعد اور ہم نے وحی کی ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اولاد یعقوب اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان کی طرف اور دی ہم نے داؤد کو زبور اور کچھ رسولوں کا حال ہم نے بیان کیا آپ پر پہلے اور کچھ رسولوں کا حال نہیں بیان کیا آپ پر اور کلام کی اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کے ساتھ (بلا واسطہ)

وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرَاهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ

مَّنْ نَّشَآءُ ط اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ O وَوَهَبْنَا لَهٗ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ط كُلًّا هَدَيْنَا وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَ يُوْسُفَ وَ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ط وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ O وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ O وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ط وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ O

(الانعام نمبر ۸۴ تا ۸۷)

ترجمہ: اور یہ ہماری دلیل تھی جو ہم نے دی ابراہیم کو اس کی قوم پر بلند کرتے ہیں درجے جس کے چاہیں بیشک تیرا رب حکمت والا اور علم والا ہے۔ اور بخشا ہم نے اس کے (بیٹا) اسحٰق اور (پوتہ) یعقوب سب کو ہم نے راہ چلایا ابراہیم کی اولاد سے داؤد اور سلیمان اور ایوب اور موسیٰ اور ہارون کو اسی طرح بہتر بدلہ دیا کرتے ہیں مخلصوں کو راہ پر چلایا زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس کو یہ سب نیک بخت تھے اور اسمٰعیل کو اور الیسع اور یونس اور لوط اور سب کو فضیلت دی ہم نے سب جہانوں پر۔

وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِدْرِيْسَ وَذَاالْكِفْلِ ط كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ

(الانبیاء نمبر ۸۵)

ترجمہ: اور اسمٰعیل کو اور ادریس کو اور ذالکفل کو یہ سب صابر تھے۔

اسی طرح انبیاء علیہم السلام کی بعثت کو علیحدہ علیحدہ بیان فرمایا جیسا کہ:۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا o وَّ رَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّاه (مریم نمبر ۵۶)

ترجمہ: اور ذکر کیجئے کتاب میں ادریس کا وہ راست باز نبی تھا اور اٹھالیا ہم نے اس کو اونچے مکان پر۔

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا (ھود نمبر ۸۴)

ترجمہ: اور مدین کی طرف بھیجا ان کے بھائی شعیب کو۔

وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًاo (اعراف نمبر ۶۵)

ترجمہ: اور قوم عاد کی طرف بھیجا ان کے بھائی ہود کو۔

وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صَالِحًاo (اعراف نمبر ۷۳)

ترجمہ: اور قوم ثمود کی طرف بھیجا ان کے بھائی صالح کو

اِنَّا اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖo (نوح نمبر ۱)

ترجمہ: بیشک ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا۔

وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْيَزِيْدُوْنَo (الصّٰفّٰت نمبر ۱۴۷)

ترجمہ: اور بھیجا ہم نے (یونس) کو ایک لاکھ کی طرف یا اس سے زیادہ کی طرف۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ (الفتح نمبر ۲۹)

ترجمہ: محمد اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم)

فائدہ ضروری: متذکرہ بالا آیات اور اسی مضمون کی دوسری آیات میں غور وفکر سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں جن نبیوں کے نام صراحۃً آئے ہیں ان کی تعداد پچیس ہے۔ یعنی

محمد۔ آدم۔ نوح۔ ادریس۔ ابراہیم۔ لوط۔ اسمٰعیل۔ اسحٰق۔ یعقوب۔

یوسف یحییٰ۔ الیاس۔ صالح، ہود۔ داؤد۔ سلیمان۔ ایوب ۔ ذوالکفل۔ الیسع۔ زکریا۔ موسیٰ ہارون۔ یونس۔ شعیب۔ عیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام، ان انبیاء کرام میں سے چار کے نام دو دو آئے ہیں۔ یعنی یعقوب اور اسرائیل، یونس اور ذوالنون عیسیٰ اور مسیح، محمد اور احمد صلی اللہ علیہ وسلم اس لئے جس طرح جملہ انبیاء علیہم السلام پر اجمالی ایمان لانا ضروری ہے اسی طرح ان متذکرہ بالا انبیاء کرام پر ان کے ناموں کی تصریح کے ساتھ ایمان لایا جائے۔ علامہ جلال الدین سیوطی اور شیخ احمد سجاعی مصری نے اس موضوع پر علیحدہ رسائل تصنیف فرمائے ہیں۔ احقر کا ایک رسالہ پاک بندے اردو میں مفید اور جامع ہے۔

مقام رسالت

ایمان بالرسول کے لئے اس بات کا جاننا بھی نہایت ضروری ہے کہ رسول علیہ السلام صرف ایک مصلح، مبلغ اور ریفارمر ہی نہیں ہوا کرتا بلکہ انبیاء علیہم السلام خداوند علیم وخبیر کے منتخب کردہ خوش بخت پاکیزہ انسان ہیں۔ مقام نبوت میں مندرجہ ذیل باتوں کا جاننا ضروری ہے۔

ا: نبی علیہ السلام کا اپنی نبوت رسالت اور تعلیم پر ایمان لانا اور یقین رکھنا ضروری ہے۔ ارشاد فرمایا

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَا اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ (بقرہ نمبر ۲۸۵)

ترجمہ: ایمان لایا اللہ کا رسول اس ہدایت پر جو اتاری گئی اس پر اللہ کی طرف سے۔

ب: نبی علیہ السلام کو اپنے نظریئے اور تعلیم کی صحت پر یقین کامل ہوتا ہے وہ کسی کے بہکانے میں نہیں آسکتے۔ ارشاد فرمایا:

عَلٰى بَصِیْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ (یوسف نمبر ۱۰۸)

ترجمہ: روشنی پر ہوں میں اور جس نے میری پیروی کی۔

ج: انبیاء علیہم السلام پر جو تعلیم من جانب اللہ ہوئی وہ بلا کم و کاست[1] قوم کے سامنے پیش فرما دی۔ فرمایا:۔

[1] امت کا یہ اجماعی عقیدہ ہے کہ ہر نبی علیہ السلام نے حالات کی شدید ناسازی کے باوجود اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے میں کوئی کوتاہی نہیں کی پھر نامعلوم کون سی دلیل کی بنا پر مودودی صاحب نے سورۃ النصر کی تفسیر میں سید دوعالم ﷺ کے متعلق یہ لکھ دیا:۔

"یعنی اپنے رب سے دعا مانگو کہ جو خدمت اس نے تمہارے سپرد کی تھی اس کو انجام دینے میں تم سے جو بھول چوک یا کوتاہی بھی ہوئی ہو اس سے چشم پوشی اور درگزر فرمائے"۔ (تفہیم القرآن ج ۶ سورۃ النصر ص ۵۱۷)

حالانکہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر سید دوعالم ﷺ کے متعلق سب صحابہ کرام نے جن کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ تھی بہ یک زبان یہ اعتراف کیا کہ آپ نے اپنے رب کا پیغام پوری طرح پہنچا دیا۔ قرآن عزیز کی شہادت ہے کہ حضور انور ﷺ سے اداء فریضہ میں کوئی بھول نہیں ہوئی فرماسنقرئک فلاتنسی (الاعلیٰ نمبر ۱۶) ہم آپ کو پڑھائیں گے پس آپ نہ بھولیں گے۔ چہ جائیکہ کوتاہی ہی ہوئی ہو سید دوعالم کی سیرت اس امر پر گواہ ہے کہ آپ نے شدید مخالفت کے باوجود اللہ تعالیٰ کا پیغام اسی وقت پہنچایا صرف ایک مثال دی جاتی ہے۔

ابولہب حضور انور ﷺ کا حقیقی چچا ہے مالدار ہے قوم اس کے ساتھ ہے مگر جب سورۃ اللہب نازل ہوئی جس کا نزولی نمبر ۵ ہے اور جس میں ابولہب اور اس کی بیوی اولاد مال کی دنیاوی تباہی اور قیامت کے شدید عذاب کا ذکر ہے۔ حضور انور ﷺ علیہ وسلم نے اسی وقت منادی اور اعلان کر دیا اگر کوتاہی کرتے تو ایسے حالات میں کی جا سکتی تھی یہ نظریہ سید دوعالم ﷺ کی شان رفیع کے بالکل خلاف اور غیر اسلامی ہے مکہ کے لوگ چاہتے تھے کہ آپ ذرا نرمی برتیں ذرا کوتاہی کر جائیں مگر قرآن آپ کی شجاعت اور قوۃ تبلیغ پر یوں شہادت دیتا ہے۔ فرمایا:

ودوالوتدھن فیدھنون ۝ (القلم نمبر ۹)

وہ چاہتے ہیں کہ کسی طرح تو بھی ڈھیلا ہو تو وہ بھی ڈھیلے ہو جائیں۔

حالات ضرور ایسے تھے مگر آپ کو اللہ تعالیٰ نے اس قدر ثابت قدم رکھا کہ ذرہ بھی کوتاہی نہ ہو سکی ارشاد قرآنی ہے۔

ولولاان ثبتنٰک لقدکدت ترکن الیھم شیئا قلیلا۝ اذا لاذقنٰک ضعف الحیوۃ وضعف الممات ثم لاتجدلک علینا نصیرا۝ (اسراء نمبر ۷۴، ۷۵)

اور اگر یہ نہ ہوتا کہ ہم نے تجھ کو ٹھہرا رکھا تو لگ ہی جاتا جھکنے ان کی طرف تھوڑا سا تب ضرور چکھاتے ہم تجھ کو دونا مزہ زندگی میں اور دونا مرنے میں پھر نہ پاتا تو اپنے واسطے ہم پر مدد کرنے والا۔

علامہ آلوسی نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ اس سے واضح ہے کہ سید دوعالم ﷺ نے ان کی طرف جھکنے کا ارادہ بھی نہیں فرمایا۔ واللہ الموفق۔

اَلَّذِیْنَ یُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰہِ وَیَخْشَوْنَہٗ وَلَا یَخْشَوْنَ اَحَدً اِلَّا اللّٰہO (احزاب نمبر ۳۹)

ترجمہ: وہ رسول جو پہنچاتے ہیں اللہ کے پیغامات اور اس سے ڈرتے ہیں اور نہیں ڈرتے کسی سے بھی سوائے اللہ کے۔

یٰاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَابَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ ط (المائدہ نمبر ۶۷)

ترجمہ: اے رسول پہنچا دیجیئے وہ سب جو اتارا گیا آپ پر آپ کے رب کی طرف سے اور اگر آپ نے نہ کیا تو نہ پہنچایا آپ نے رب کے پیغاموں کو اور اللہ ہی حفاظت کرے گا آپ کی لوگوں سے۔

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ (الحجر نمبر ۹۴)

ترجمہ: پس آپ کھول کر بیان کر دیں جس کا آپ کو حکم دیا گیا ہے۔

د: ہر نبی علیہ السلام اپنے مقصد میں کامیاب رہا کوئی نبی اور رسول علیہ السلام ناکام نہیں گذرا اس لئے کہ انبیاء علیہم السلام کا کام تو اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانا تھا۔

فَھَلْ عَلَی الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِیْنُO (النحل نمبر ۳۵)

ترجمہ: نہیں رسولوں کے ذمے مگر کھول کر پہنچانا۔

اور وہ انہوں نے پہنچا دیا۔ قیامت کے دن انبیاء علیہم السلام سے رب حکیم یہ نہ پوچھیں گے ما ذابلغتم۔ بلکہ یہ پوچھا جائے گا کہ تمہاری کس حد تک بات مانی گئی۔ فرمایا:۔

یَوْمَ یَجْمَعُ اللّٰہُ الرُّسُلَ فَیَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ط (المائدہ نمبر ۱۰۹)

ترجمہ: جس دن اکٹھا کریگا اللہ تعالیٰ سب رسولوں کو پس پوچھے گا ان سے کیا جواب دیئے گئے تم (قوم کی طرف سے)

چنانچہ قرآن کریم میں موجود ہے کہ نبی علیہ السلام کو ان کی قوم کے انجام، قبولیت اور عدم قبولیت سے خداوند حکیم نے مطلع فرما دیا تھا۔ جیسا کہ نوح علیہ السلام سے فرما دیا تھا کہ تیری اس محنت کو میں نے قبول کرلیا۔

وَاُوْحِیَ اِلٰی نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ یُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ٥ (ھود نمبر ۳۶)

ترجمہ: اور وحی کی گئی نوح کو کہ ایمان نہ لائے گا تیری قوم سے مگر وہی جو ایمان لا چکے پس غم نہ کھا اس سے جو وہ کرتے تھے۔

قرآن کریم اس امر پر شاہد ہے کہ حالات کی ناسازی کے باوجود انبیاء علیہم السلام کو وعدہ خداوندی پر پورا یقین رہا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام عین اس موقع پر کہ آگے بحیرہ قلزم اور پیچھے فرعون کی فوجیں ہر قسم کے سامان حرب سے مسلح ہیں قوم کا گھبرا جانا یقینی ہے اس لئے قوم نے ظاہری حالات سے مایوس ہو کر کہا۔

قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰۤی اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ٥ (الشعراء نمبر ۶۱)

ترجمہ: موسیٰ کے ساتھیوں نے کہا ہم تو ضرور پکڑے گئے۔

مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس بے سروسامانی سے کچھ تاثر نہ لیا اور فرمایا:

قَالَ كَلَّا اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ ٥ (نمبر ۶۲)

ترجمہ: کہا موسیٰ نے ہرگز نہیں یقیناً میرے ساتھ میرا رب ہے ابھی میری راہنمائی فرما دے گا

اسی طرح سید دو عالم ﷺ ہجرت مدینہ کے موقع پر غار ثور میں آرام فرما رہے ہیں تعاقب کرنے والے غار ثور کے منہ پر آ پہنچتے ہیں۔ سیدنا ابوبکر صدیق

رضی اللہ عنہ کا گھبرا جانا طبعی امر ہے مگر نبی علیہ السلام کا یقین اس بے سروسامانی اور ظاہری محصوریت میں متزلزل نہیں ہوا فرمایا۔

لَاتَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا○ (توبہ نمبر۴۰)

ترجمہ: غم نہ کھا بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

فائدہ ضروری:

(۱) قرآن کریم کی سورۃ بقرہ آیت نمبر۲۱۴ میں قرآنی سیاق وسباق اور مقام نبوت کے لحاظ سے ترجمہ یہ ہوگا، فرمایا:۔

وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ○ (نمبر۲۱۴)

ترجمہ: اور وہ ہلائے گئے یہاں تک کہ کہنے لگے رسول اور وہ جو اسکے ساتھ تھے (آپس میں) اللہ کی مدد کب ہوگی یاد رکھو اللہ کی مدد قریب ہے۔

یعنی حتی نصر اللہ کہنے والی قوم ہے جس کا ظاہری اسباب دیکھ کر مایوس ہو جانا قدرتی امر ہے مگر نبی علیہ السلام جس کی نظر اللہ تعالیٰ کے وعدہ نصرت پر ہے وہ جواب میں فرماتا ہے الا ان نصر اللّٰہ قریب قرآن کریم میں دوسری جگہ سورۃ احزاب آیت نمبر۱۱ میں اسی مضمون کو یوں ادا فرمایا:۔

هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا○

ترجمہ: اس جگہ آزمائے گئے ایمان والے اور ہلائے گئے سخت ہلایا جانا

ایسے مقامات قرآن حکیم میں متعدد آئے ہیں جہاں دو متکلموں کے کلام کو ملا کر ایک کلام بنا دیا ہے۔ جس کو بظاہر ایک کلام سمجھا جاتا ہے جیسا کہ سورۃ یونس آیت ۶۵ میں فرمایا۔

وَلَا یَحۡزُنۡكَ قَوۡلُھُمۡ اِنَّ الۡعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِیۡعًا

ترجمہ: اور نہ غم میں ڈالے آپ کو ان کا کہنا یاد رہے یقیناً غلبہ سب اللہ ہی کو ہے۔

کافروں کا قول یہاں تو ذکر نہیں فرمایا ان العزة خداوند قدوس کا اپنا فرمان ہے غلبہ اور عزت سب کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اسی طرح سورۃ یٰس آیت نمبر ۵۲ میں دونوں کو یکجا کر کے یوں فرمایا:۔

قَالُوۡا یٰوَیۡلَنَا مَنۡۢ بَعَثَنَا مِنۡ مَّرۡقَدِنَا ۜ ھٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحۡمٰنُ وَصَدَقَ الۡمُرۡسَلُوۡنَ ۝

ترجمہ: کہیں گے وہ لوگ ہائے ہماری بدبختی ہم کو کس نے اٹھایا ہے ہمارے لیٹنے کی جگہ سے (اللہ کی طرف سے فرمایا جائے گا) یہ اٹھنا وہ ہے جس کا وعدہ کیا تھا رحمٰن نے اور سچ کہا تھا رسولوں نے۔

پہلا حصہ آیت شریف کا جس پر خط کھینچا گیا ہے قبور سے زندہ ہو کر میدان حشر میں نکلنے والوں کا ہے اور دوسرا اس کا جواب ہے جو اس وقت ان کو من جانب اللہ تعالیٰ کہا جائے گا ھٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحۡمٰنُ ۝ مقصد یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو اپنے نظریہ کی کامیابی پر پورا یقین تھا وہ متزلزل نہیں ہوئے۔

فائدہ ضروری (۲)

قرآن کریم کی سورۃ الاحقاف آیت نمبر ۹ میں جو یہ ارشاد قرآنی ہے:۔

قُلۡ مَا كُنۡتُ بِدۡعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَاۤ اَدۡرِیۡ مَا یُفۡعَلُ بِیۡ وَلَا بِكُمۡ ؕ اِنۡ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوۡحٰۤی اِلَیَّ وَمَاۤ اَنَا اِلَّا نَذِیۡرٌ مُّبِیۡنٌ ۝

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے میں نیا رسول نہیں ہوں (بلکہ مجھ سے پہلے بھی رسول آئے) اور میں نہیں جانتا کیا ہو گا میرے ساتھ اور کیا ہو گا تمہارے ساتھ میں تو اسی کی پیروی کرتا ہوں جس کی میری

طرف وحی کی جاتی ہے اور میں تو کھول کر ڈر سنانے والا ہوں۔

اس آیت سے یہ استدلال کرنا کہ آنحضرت ﷺ کو اپنی دنیاوی کامرانی کا پتہ نہ تھا اور نہ ہی اخروی کا، یہ استدلال ہرگز درست نہیں مطلب اس کا صاف ہے کہ میں از ذات خود کوئی بات نہیں کہہ سکتا کہ فیصلہ کس کے حق میں ہوگا جب اللہ تعالیٰ مطلع فرمادیں گے میں اعلان کردوں گا۔ چنانچہ آیات قرآنیہ میں واضح ہے کہ آپ اس دنیا میں بھی کامران ہوں گے فرمایا:۔

اِنَّافَتَحۡنَالَكَ فَتۡحًا مُّبِيۡنًاO (الفتح نمبر ۱)

ترجمہ: بیشک ہم نے آپ کے لئے فتح دی روشن فتح۔

اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ وَالۡفَتۡحُ وَرَاَيۡتَ النَّاسَ يَدۡخُلُوۡنَ فِىۡ دِيۡنِ اللّٰهِ اَفۡوَاجًاO (النصر)

ترجمہ: جب اللہ کی مدد آجائے گی اور فتح (مکہ) اور دیکھیں گے آپ لوگوں کو داخل ہوں گے اللہ کے دین میں فوجوں کی فوجیں۔

وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوۡرِهٖ وَلَوۡ كَرِهَ الۡكٰفِرُوۡنَO هُوَالَّذِىۡ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰى وَدِيۡنِ الۡحَقِّ لِيُظۡهِرَهٗ عَلَى الدِّيۡنِ كُلِّهٖ وَلَوۡ كَرِهَ الۡمُشۡرِكُوۡنَ (الصّف نمبر ۸،۹)

ترجمہ: اور اللہ اپنے نور کو پورا کرنے والا ہے اگرچہ کافر برا منائیں اسی اللہ نے بھیجا اپنے رسول کو ہدایت اور نہ مٹنے والا دین دے کر تاکہ غالب کرے اسے سب دینوں پر اگرچہ مشرک برا منائیں۔

اسی طرح قیامت کی سربلندی اور سرفرازی کے لئے کئی آیات قرآنیہ بطور شہادت موجود ہیں۔ مدنی سورۃ التحریم کی آیت نمبر ۸ میں ارشاد فرمایا:۔

يَوۡمَ لَا يُخۡزِى اللّٰهُ النَّبِىَّ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَهٗ نُوۡرُهُمۡ

يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ

ترجمہ: جس دن غمزدہ نہ کرے گا اللہ نبی کو اور ان کو جو ایمان لائے اس کیساتھ ان کی روشنی ان کے آگے اور دائیں جانب دوڑتی ہو گی سورۃ بنی اسرائیل آیت نمبر ۷۹ میں فرمایا۔

عَسٰى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا○

ترجمہ: قریب ہے کہ آپ کا رب آپ کو مقام محمود میں بھیجے۔

سورۃ والضحیٰ میں قسمیں کھا کھا کر قرآن مجید نے اس امر کا اظہار فرمایا:

وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى○

ترجمہ: یقیناً آخرت آپ کیلئے اس پہلی سے زیادہ بہتر ہے۔

اس لئے یہ عقیدہ قرآنی تعلیمات کے قطعاً خلاف ہے کہ نبی کریم ﷺ کو اپنے نظریہ کی صداقت پر یقین نہ تھا یا آپکو اپنی نجات اخروی کا علم نہ تھا۔ ﷺ

”مقام رسالت“

انبیاء علیہم السلام کے متعلق قرآن حکیم کی مقدس تعلیم یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے مطیع اور سراپا مقام عبدیت سے موصوف برگزیدہ انسان تھے۔ لوگوں کو ان کی پیروی کا حکم دیا گیا۔ بلاچون و چرا اور تنقید اور تنقیح کے اپنے اپنے نبی کی بات ماننے کا ان کی امتوں کو حکم دیا گیا تھا اگر ان میں کچھ نقص اور عیب ہوتا تو اطاعت کا حکم نہ دیا جاتا ارشاد قرآنی ہے۔

وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ (الصفت نمبر ۱۸۱)

ترجمہ: اور سب رسولوں پر سلام اور سلامتی ہے۔

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ○ (النساء نمبر ۱۶۴)

ترجمہ: اور ہم نے نہیں بھیجا کوئی بھی رسول مگر اس لئے کہ اس کی پیروی

کی جائے اللہ کے حکم سے۔

چنانچہ قرآنی تعلیمات شاہد ہیں کہ ہر نبی علیہ السلام نے اپنی اپنی قوم کو دو باتوں کا بنیادی طور پر حکم دیا۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ (شعراء)

ترجمہ: پس اللہ سے ڈرو اور میری پیروی کرو۔

یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈرو اس کو واحد لاشریک مانو اور اس تقویٰ کا جو نظام میں قولاً و عملاً پیش کروں اس میں میری پیروی اور میری اطاعت کرو۔ کیونکہ وہ جس راہ ہدایت کی طرف تم کو بلائے وہ میرا ہی حکم ہے۔ فرمایا۔

وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ۝ (انبیاء نمبر ۷۳)

ترجمہ: اور ہم نے ان کو راہ نما بنایا راہ نمائی کرتے تھے ہمارے حکم سے اور ہم نے وحی کی ان کی طرف بھلائیوں کے کرنے اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کی اور یہ سب ہمارے ہی عابد تھے۔

انبیا علیہم السلام ہر وقت مقام ہدایت پر فائز رہتے ہیں۔ وہ اپنے منصب میں ثابت قدم اور راسخ العقیدہ ہوتے ہیں ان سے کوئی ایسا فعل یا ایسی بات سرزد نہیں ہوسکتی جس سے ہدایت پر حرف آتا ہو اور اس کا انتظام ان کے لئے من جانب اللہ کیا جاتا ہے۔ ارشاد قرآنی ہے:۔

فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ۝ لِّيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَاَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا ۝ (الجن نمبر ۲۷،۲۸)

ترجمہ: تو وہ (اللہ) چلاتا ہے اس کے آگے اور پیچھے چوکیدار تا کہ جانے کہ انہوں نے پہنچائے اپنے رب کے پیغام اور قابو میں رکھا ہے جو ان کے پاس ہے اور گن لیا ہے ہر چیز کو پوری طرح گننا۔

سورۃ انبیاء میں قرآن کریم نے یہ تصدیق فرمادی کہ ہر رسول (۱) واجب الاحترام ہے۔ (۲) اللہ تعالیٰ کی اجازت سے پہلے بات بھی نہیں کرتا (۳۲) جو اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے وہ کرتے ہیں اس سے زیادہ مقام رسالت اور عصمت رسالت کے اثبات کے لئے ایک مسلمان کے سامنے کیا دلیل پیش کی جا سکتی ہے ارشاد فرمایا

بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ۝ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ۝ (آیت نمبر ۲۶، ۲۷)

ترجمہ: لیکن وہ ایسے بندے ہیں جن کو عزت دی گئی ہے اس سے بڑھ کر نہیں بولتے اور اس کے حکم پر کام کرتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ نبی علیہ السلام عالم خواب میں بھی محفوظ رہتے ہیں جو وہ خواب میں دیکھتے ہیں وہ وحی ہوتا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ اسی استدلال کی صورت میں موجود ہے۔

قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ؕ قَالَ يٰاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ (الصّٰفّٰت نمبر ۱۰۲)

ترجمہ: کہا اے بیٹے میں دیکھتا ہوں خواب میں کہ تجھ کو ذبح کرتا ہوں پھر دیکھ تو کیا سمجھتا ہے کہا اے میرے باپ کر ڈال جو تجھ کو حکم ہوا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی خواب کو وحی سمجھ کر اسماعیل علیہ السلام کے سامنے پیش فرمایا تو حضرت اسماعیل نے بھی اس کو خواب کے طور پر نہیں سمجھا بلکہ عرض کر دیا۔ افعل ماتؤمر

سید دو عالم ﷺ کے متعلق اسلامی عقیدہ اجماعی طور پر ہے کہ آپ کی نیند وحی تھی اور آپ کی آنکھ سوتی تھی آپ کا قلب منور جاگتا تھا اس لئے کہ قلب منور پر قرآن مجید کا نزول ہوتا تھا ارشاد قرآنی ہے:۔

فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (بقرہ نمبر ۹۷)

ترجمہ: پس بیشک اس نے اتارا یہ قرآن آپ کے دل پر اللہ کے حکم سے۔

اور یہی عقیدہ سب انبیاء علیہم السلام کے متعلق ہے امام بخاری نے اپنی صحیح میں اس کو مستقل علیحدہ ترجمۃ الباب سے بیان فرمایا۔ امام الہند حضرت شاہ ولی نور اللہ مرقدہ نے فرمایا:

فیجب ان لاینام قلوبھم لیعواما اوحی الیھم کما
قال من قال واجادفی المقال ؎

لاتنکرالوحی من رویاہ ان لہ
قلبا اذا نامت العینان لم ینم

(تراجم الابواب ص ۲۰)

حضرت شاہ ولی اللہ نے آیات اور احادیث کے استدلال کو قصیدہ برالداء کے اس شعر پر ختم فرمایا کہ سید دو عالم ﷺ کی آنکھیں سوتی ہیں دل نہیں سوتا اس لئے آپ کی خواب بھی وحی ہے...............قرآن مجید نے اس عقیدہ۔

مقام رسالت

کو تائیدی اور دفاعی طور پر بیان فرمایا۔ یہود اور نصاریٰ نے انبیاء علیہم السلام کے متعلق جن غلط نظریات کو فروغ دے رکھا تھا قرآن مجید نے اس کا دفاع کرتے

ل (نوٹ) اس سلسلہ کی پوری تحقیق میری کتاب ''رحمت کائنات'' میں ملاحظہ فرمائیں۔ مطبوعہ بار دوازدہم جمہور علمائے اسلام کا عقیدہ کتاب وسنت کی روشنی میں تو یہ ہے مگر چند افراد نے اس کی مخالفت کی جیسا کہ ان کا نظریہ ہے ینام قلبی ولا ینام عینی خاص موقع تھا۔

ہوئے شان رسالت اور مقام نبوت کو اجاگر فرمایا۔ یہود اور نصاریٰ نے اپنی الہامی کتابوں میں کس قدر تحریف کرتے ہوئے انبیاء علیہم السلام کی توہین کر رکھی تھی بطور نمونہ چند سطور پیش ہیں۔

''اور آدم سے اس نے کہا چونکہ تو نے اپنی بیوی کی بات مانی اور اس درخت کا پھل کھایا جس کی بابت میں نے تجھے حکم دیا تھا کہ نہ کھانا اس لئے زمین تیرے سبب لعنتی ہوئی'' پیدائش ب ۳۔ آیت ۲۔ ۵

قرآن کریم نے حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق فرمایا:۔

ا: اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً

ترجمہ: میں بنانے والا ہوں زمین میں ایک خلیفہ۔

ب: وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ ۝

ترجمہ: اور جب کہا ہم نے فرشتوں سے آدم کو سجدہ کرو پس سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔

ج: وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّھَا ۝ (بقرہ نمبر ۳۰، ۳۴، ۳۱)

ترجمہ: اور سکھلائے اللہ نے آدم کو نام سب۔

واقعی جنت کے باغات کے ایک پھل کھانے سے منع فرمایا تھا مگر حضرت آدم علیہ السلام سے جو اس کا صدور ہوا وہ قرآن ہی کے الفاظ میں۔

فَنَسِیَ وَلَمْ نَجِدْ لَہٗ عَزْمًا ۝ (طٰہٰ نمبر ۱۱۵)

ترجمہ: پس بھول گیا اور نہ پایا ہم نے ان کے لئے ارادہ۔

ثُمَّ اجْتَبٰہُ رَبُّہٗ فَتَابَ عَلَیْہِ وَھَدٰی (طٰہٰ نمبر ۱۲۲)

ترجمہ: پھر اس کو نوازا اس کے رب نے پھر متوجہ ہوا اس پر اور راہ نمائی کی۔

حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق بائبل نے کہا

نوح مے پی کر نشے میں آیا اور اپنے ڈیرے کے اندر ننگا ہوا (ب ۹ آیت ۲۰)

قرآن کریم نے حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق فرمایا:

سَلٰمٌ عَلٰی نُوْحٍ فِی الْعٰلَمِیْنَ ۝ (الصفت نمبر ۷۹)

ترجمہ: سلام ہے نوح پر دونوں جہانوں میں۔

حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت اور ان کی حیات تبلیغی کے مفصل حالات کے لئے سورہ نوح نازل فرمائی۔

حضرت ہارون علیہ السلام پر بائبل نے یہ الزام لگایا کہ ہارون نے اس (سامری کے بچھڑے) کے لئے قربانیاں بھی کیں۔ مگر قرآن مجید نے حضرت ہارون علیہ السلام کو نبی تصدیق قرار دیتے ہوئے فرمایا:۔

سَلٰمٌ عَلٰی مُوْسٰی وَهٰرُوْنَ ۝ (والصفت نمبر ۱۲۰)

ترجمہ: سلام ہے موسیٰ اور ہارون پر۔

اور اس الزام کا جواب یوں دیا:

وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ یٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِیْ وَاَطِیْعُوْا اَمْرِیْ (طٰہٰ نمبر ۹۰)

ترجمہ: اور کہا ان سے ہارون نے پہلے سے اے میری قوم تم کو فتنے میں ڈالا گیا ہے اس بچھڑے کیوجہ سے اور تمہارا رب رحمٰن ہی ہے پس میری پیروی کرو اور میرا حکم مانو۔

حضرت داؤد علیہ السلام جیسے صاحب کتاب نبی کو بائبل نبی مانتی ہی نہیں بلکہ ان کے متعلق جو نظریہ بائبل کا ہے وہ سیموئیل ب ۲ میں ملاحظہ کر لیں اور مزید تشریح کے لئے انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا ج نمبر ۷ ص ۸۰ میں دیکھ لیا جائے۔

مگر قرآن کریم حضرت داؤد علیہ السلام کو نبی اور صاحب کتاب نبی قرار

دیتا ہے ارشاد قرآنی ہے۔

وَاٰتَیۡنَا دَاوٗدَ زَبُوۡرًا (النساء نمبر ۱۶۳)

ترجمہ: اور دی ہم نے داؤد کو زبور (آسمانی کتاب)

یَادَاوٗدُ اِنَّا جَعَلۡنٰکَ خَلِیۡفَۃً فِی الۡاَرۡضِ ۝ (ص نمبر ۲۶)

ترجمہ: اے داؤد بنایا ہم نے تجھے خلیفہ زمین میں

علیٰ ہذا القیاس اجماعی طور پر جملہ انبیاء علیہم السلام کے مقام رسالت کو قرآن مجید نے بنیادی حیثیت دی۔ اسی مقام رسالت کو عقائد میں عصمت انبیاء علیہم السلام کے عنوان سے بھی تعبیر فرمایا۔ اس کو سمجھنے سے پہلے یہ بات ذہن نشین کر لی جائے کہ انسان میں خیر و شر دونوں پہلو موجود ہیں مگر یہ ضروری نہیں کہ کوئی انسان بھی ایسا نہ ہو جو گناہوں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے محفوظ رہا خداوند حکیم نے یوم الست ہی میں ابلیس کو ارشاد فرمایا تھا کہ میرے بندے تیرے دھوکوں سے محفوظ رہیں گے۔ ان پر تیرا غلبہ نہ ہو سکے گا۔ فرمایا:

قَالَ ھٰذَا صِرَاطٌ عَلَیَّ مُسۡتَقِیۡمٌ ۝ اِنَّ عِبَادِیۡ لَیۡسَ لَکَ عَلَیۡھِمۡ سُلۡطَانٌ (الحجر نمبر ۴۱،۴۲)

ترجمہ: فرمایا خداوند تعالیٰ نے یہ راستہ میری طرف سیدھا ہے بیشک میرے بندوں پر تیرا زور نہ چل سکے گا۔

اور اس کا اقرار خود ابلیس نے بھی دربار الوہیت میں کیا تھا۔ کہا

قَالَ فَبِعِزَّتِکَ لَاُغۡوِیَنَّھُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ ۝ اِلَّا عِبَادَکَ مِنۡھُمُ الۡمُخۡلَصِیۡنَ ۝ (ص نمبر ۸۲،۸۳)

ترجمہ: بولا تیری عزت کی قسم میں ان سب کو ضرور بدراہ کروں گا مگر ان میں سے تیرے چنے ہوئے بندے (بچ جائیں گے)

یعنی غیر نبی بعض انسان بھی ایسے ہو سکتے ہیں اور ہو گذرے ہیں کہ جن پر شیطان کا داؤ نہ چلے گا۔ اگرچہ ایسے انسان بہت کم ہیں۔ اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَقَلِیۡلٌ مَّا ھُمۡ (ص نمبر ۲۴) مگر ہیں ضرور۔ خود صحابہ کرام کے متعلق قرآن مجید نے یہ فیصلہ صادر فرمایا ہوا ہے کہ:۔

اُولٰٓئِکَ کَتَبَ فِیۡ قُلُوۡبِھِمُ الۡاِیۡمَانَ وَاَیَّدَھُمۡ بِرُوۡحٍ مِّنۡہُ ؕ وَیُدۡخِلُھُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِھَا الۡاَنۡھٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡھَا ؕ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡھُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡہُ ؕ اُولٰٓئِکَ حِزۡبُ اللّٰہِ اَلَاۤ اِنَّ حِزۡبَ اللّٰہِ ھُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ۝ (المجادلۃ نمبر ۲۲)

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں ایمان لکھ دیا ہے اور ان کی مدد فرمائی ہے اپنی طرف سے روح کیساتھ اور داخل کرے گا ان کو ایسی جنتوں میں بہتی ہیں۔
ہیں جن کے نیچے نہریں ہمیشہ رہیں گے ان جنتوں میں اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی یہی اللہ کا گروہ ہیں یاد رہے اللہ کا گروہ ہی کامیاب ہونے والا ہے۔

وَلٰکِنَّ اللّٰہَ حَبَّبَ اِلَیۡکُمُ الۡاِیۡمَانَ وَزَیَّنَہٗ فِیۡ قُلُوۡبِکُمۡ وَکَرَّہَ اِلَیۡکُمُ الۡکُفۡرَ وَالۡفُسُوۡقَ وَالۡعِصۡیَانَ ؕ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الرّٰشِدُوۡنَ ۝ فَضۡلًا مِّنَ اللّٰہِ وَنِعۡمَۃً ؕ وَاللّٰہُ عَلِیۡمٌ حَکِیۡمٌ ۝ (الحجرات نمبر ۷، ۸)

ترجمہ: لیکن اللہ نے محبوب کر دیا تمہاری طرف ایمان کو اور مزین کر دیا ایمان کو تمہارے دلوں میں اور برا دکھایا تمہارے دلوں میں کفر

اور گناہ اور نافرمانی کو وہی لوگ ہیں راہ پر یہ اللہ کی طرف سے
فضل اور نعمت ہے اور اللہ تعالیٰ علم والا حکمت والا ہے۔

جب صحابہ محمد رسول اللہ ﷺ کی یہ شان اطاعت اور مقام انقیاد ہے تو انبیاء علیہم السلام کس طرح گناہ کا ارتکاب کر سکتے ہیں جب کہ وہ اس اللہ تعالیٰ کے منتخب شدہ پاکیزہ انسان ہیں جو علیم اور حکیم ہے اور پھر قرآن مجید نے اس قدر روشن الفاظ میں عصمت انبیاء علیہم السلام کو واضح فرما دیا۔

(۱) اَللّٰهُ يَجْتَبِىٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ (الشوریٰ نمبر ۱۳)

ترجمہ: اللہ چن لیتا ہے اپنی طرف جسے چاہے۔

(۲) اُولِى الْاَيْدِىْ وَالْاَ بْصَارِ ۝ اِنَّآاَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَ الدَّارِ ۝ وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ ۝

(ص نمبر ۴۵ تا ۴۷)

ترجمہ: ہاتھوں والے اور آنکھوں والے ہم نے ممتاز کر دیا ان کو ایک خاص صفت کیساتھ وہ یاد اس گھر (قیامت) کی ہے اور بیشک وہ سب ہمارے ہاں چنے ہوئے پسندیدہ لوگوں میں سے ہیں۔

(۳) وَكُلٌّ مِّنَ الْاَخْيَارِ ۝ (ص نمبر ۴۸)

ترجمہ: سب کے سب خوبیوں والے۔

(۴) عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ۝ (الانبیاء نمبر ۲۶)

ترجمہ: بندے عزت دیئے گئے۔

جن انبیاء علیم السلام کے متعلق نکتہ چینوں کے الزامات اور اعتراضات کا امکان تھا خدائے علیم وخبیر نے ان کی عصمت کو مستقل اور علیحدہ شان کے ساتھ بیان فرمایا۔ جیسا کہ:۔

سیدنا یوسف علیہ السلام اور امراۃ العزیز کے واقعہ کو نہایت ہی وضاحت کے ساتھ عصمت کا نشان قرار دیتے ہوئے فرمایا:۔

كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَاءَ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ○ (یوسف نمبر۲۴)

ترجمہ: اور وہ یوں اسلئے ہوا کہ پھیر دیں ہم اس سے برائی اور بے حیائی بے شک وہ ہمارے چنے ہوئے بندوں میں سے ہے۔

قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ○ (یوسف نمبر۵۱)

ترجمہ: عزیز کی بیوی نے کہا اب سچی بات کھل گئی بے شک میں نے ہی اس کو پھسلانا چاہا تھا اس کے جی سے اور بے شک وہ سچا ہے۔

حضرت یونس علیہ السلام کا اپنے وطن سے دل برداشتہ ہو کر بااراده ہجرت نکل جانا ہرگز مقام نبوت میں نقص اور کمی پیدا نہیں کرتا۔ قرآن مجید نے ان کے متعلق ارشاد فرمایا:۔

وَاِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ○ (الصّٰفّٰت نمبر۱۳۹)

ترجمہ: اور بے شک یونس بھی رسولوں میں سے ہے۔

اولوالعزم انبیاء علیہم السلام کی فہرست میں ان کا ذکر فرمایا جو سورۃ النساء کی آیت نمبر۱۶۳ اور سورۃ الانعام کی آیت نمبر ۸۶ میں مذکور ہے۔ ان کی اس ہجرت کی برکات کو قرآن مجید نے بیان فرما کر اس ہجرت کو باعث رحمت و شفقت خداوندی قرار دیا اور وہ رحمت یہ ہے کہ وہ قوم ساری کی ساری دولت ایمان سے مشرف ہو گئی۔ جیسا کہ سورۃ والصفت میں مذکور ہے۔

وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ ○ فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ

اِلٰی حِیۡنٍ○ (نمبر ۱۴۷، ۱۴۸)

ترجمہ: اور بھیجا ہم نے اس (یونس) کو ایک لاکھ یا زیادہ کی طرف پس وہ ایمان لے آئے پس ہم نے برتنے دیا ان کو ایک وقت مقرر تک کے لئے (موت تک)

اسی طرح مستقل سورۃ یونس قرآن مجید میں موجود ہے اس میں بھی اسی احسان عظیم کو بیان فرمایا جو اس ہجرت پر مرتّب ہے۔ فرمایا:

فَلَوۡلَا كَانَتۡ قَرۡيَةٌ اٰمَنَتۡ فَنَفَعَهَاۤ اِيۡمَانُهَاۤ اِلَّا قَوۡمَ يُوۡنُسَؕ لَمَّاۤ اٰمَنُوۡا كَشَفۡنَا عَنۡهُمۡ عَذَابَ الۡخِزۡىِ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَمَتَّعۡنٰهُمۡ اِلٰى حِيۡنٍ○ (نمبر ۹۸)

ترجمہ: سو کیوں نہ ہوئی کوئی بستی کہ ایمان لاتی پھر نفع دیتا ان کو ایمان لانا (عذاب کے مشاہدے پر) مگر قوم یونس جب ایمان لائی ہم نے کھول دیا ان سے ذلت کا عذاب دنیا کی زندگی میں اور فائدہ دیا ان کو ایک وقت مقرر تک کیلئے۔

امام الانبیاء مصدق الرسل جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:۔

لَا تَقُوۡلُوۡا اَنَا خَيۡرٌ مِّنۡ يُوۡنُسَ بن متی

ترجمہ: نہ کہو کہ میں متی کے بیٹے یونس سے بہتر ہوں۔

قرآن مجید نے انبیاء علیہم السلام کے حالات میں جن کلمات کو ارشاد فرمایا ہے۔ وہ عصمت کے لئے نہایت ہی اہم مقام رکھتے ہیں جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ ہجرت مدین قرآن مجید کی سورہ القصص میں موجود ہے اس لئے ضروری ہے کہ قرآن کریم کی آیات کا ترجمہ کرتے وقت اس امر کو ملحوظ رکھا جائے کہ عصمت انبیاء علیہم السلام پر حرف نہ آئے جہاں تک قرآنی الفاظ کا صحیح ترجمہ قواعد

اور اصول کی روشنی میں کیا جا سکے اس کو اختیار کیا جائے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق قرآن مجید کا یہ ارشاد:۔

اِنَّ هٰذَا اَخِیْ لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّلِیَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ فَقَالَ اَكْفِلْنِيْهَا وَعَزَّنِیْ فِی الْخِطَابِ ○ قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ اِلٰی نِعَاجِهٖ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ لَيَبْغِیْ بَعْضُهُمْ عَلٰی بَعْضٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ ○ (ص ۲۳، ۲۴)

ترجمہ: یہ میرا بھائی ہے اس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس صرف ایک دنبی ہے پھر کہتا ہے اس کو میرے حوالے کر دے اور زبردستی کہتا ہے بات کہا (داؤد علیہ السلام نے) بے شک ظلم کیا تجھ پر کہ مانگتا ہے تیری دنبی اپنی دنبیوں میں ملانے کے لئے۔ اور اکثر شریک زیادتی کرتے ہیں ایک دوسرے پر مگر جو ایمان لائے اور (سب) نیک عمل کئے اور بہت ہی تھوڑے لوگ ہیں ایسے"

اس کی بالکل واضح اور روشن تفسیر تو یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے صرف مدعی کی بات سن کر فیصلہ صادر فرما دیا اور مدعا علیہ سے نہ پوچھا شاید اس کے سکوت کو کافی سمجھا حالانکہ بطور قاضی ہونے کے مدعا علیہ کو جواب دعویٰ کا موقع دینا چاہیئے تھا۔ پھر آپ نے اس فیصلے میں غور کیا تو سمجھا کہ یوں فیصلہ نہ کرنا چاہئے تھا۔ علامہ شوکانی نے فتح القدیر میں اس کو مفصل اور مدلل بیان فرمایا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے اوصاف میں سے ایک وصف فصل الخطاب بھی ہے (ص ۲۰) حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا

"بلکہ اس کی بے غبار تفسیر تو یہ ہے کہ داؤد علیہ السلام نے جو ایک فریق کا بیان سن کر فرمایا لقد ظلمك بسوال نعجتك الایته گو مقصود اس سے قضیہ شرطیہ ہے مگر صورۃً جملہ خبر یہ ہے اس لئے داؤد علیہ السلام نے اس سے استغفار فرمایا"
(اصلاح ترجمہ دہلویہ ص ۲۴)

اسی طرح قرآن مجید میں قصہ ایوب علیہ السلام موجود ہے کہ ایوب علیہ السلام کس قدر صابر اور اَوّاب نبی تھے ارشاد فرمایا:

اِنَّاوَجَدْنٰهُ صَابِرًا ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ۝ (ص نمبر ۴۴)

ترجمہ: ہم نے پایا اس کو صبر کرنے والا بہت اچھا بندہ بار بار ہماری طرف لوٹنے والا

یعنی حضرت ایوب علیہ السلام اواب تھے خداوند قدوس کے برگزیدہ نبی تھے۔ اور انبیاء علیہم السلام کے متعلق اجماع امت (نووی شرح مسلم شریف۔ ہے کہ ظاہری باطنی عیبوں اور اخلاقی کمزوریوں سے پاک ہوتے ہیں اس لئے ان پر جو ابتلا آتے ہیں ان کو عذاب یا سزا نہیں کہا جا سکتا۔ تو ایوب علیہ السلام پر جو بدنی بیماری یا دوسرے ابتلا آئے تھے وہ عذاب خداوندی یا سزا کے طور پر نہ تھے۔ اس لئے آپ کے حق میں یہ کہنا۔

"اس کو اتنا لاچار کیا کہ اس کے پاس کوئی بھی نہ جاتا تھا اولاد بھی سب ہلاک ہوگئی لاچار ہو کر اللہ تعالیٰ سے اس نے مغفرت مانگی تو معافی ہوئی"

مقام نبوت کے ساتھ بے انصافی ہے۔

یاد رہے کہ عصمت انبیاء قرآنی تعلیمات کا اساسی عقیدہ ہے جس پر علمائے اہل سنت والجماعۃ کا اجماع ہے پھر ایسے عقیدہ کے متعلق سید ابوالاعلیٰ مودودی کا یہ لکھنا:-

''اللہ (تعالیٰ) ہر نبی سے کسی نہ کسی وقت اپنی حفاظت اٹھا کر ایک دو لغزشیں ہو جانے دیتے ہیں'' (تفہیمات جلد دوم ص ۴۳)

کس قدر عظیم لغزش ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اس سے رجوع کی توفیق عطا فرماوے۔ کیونکہ انبیاء علیہم السلام تو ہر وقت اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں رہتے ہیں جیسا کہ سورۃ الجن کی آیت نمبر ۲۸ کی تفصیل گذر چکی ہے انبیاء علیہم السلام کا ہر کام امت کے لئے حجۃ اور نور ہدایت ہوتا ہے جس کام میں تخصیص فرما دی جائے وہ صرف انبیاء علیہم السلام کا خاصہ ہوتا ہے۔ ورنہ نبی کی ساری زندگی امت کے لئے مشعل ہدایت ہوتی ہے۔

وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ (الانبیاء نمبر ۷۳)

ترجمہ: اور ہم نے بنا دیا ان کو پیشوا۔ راہ نمائی کرتے ہیں ہمارے حکم سے اور وحی کی ان کی طرف بہترین کام کرنے کی

قرآنی تعلیم سے معلوم ہوتا ہے کہ ملائکہ انبیاء علیہم السلام سے درجہ اور مرتبہ میں کم ہیں تو جب ملائکہ کے متعلق قرآن مجید کا یہ فیصلہ ہے کہ لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَا اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ○ (التحریم نمبر ۶) تو انبیاء علیہم السلام کے متعلق کس طرح لغزش کا اور وہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بالارادہ لغزش کرانے کا تصور درست سمجھا جا سکتا ہے؟۔

(۳) ختم نبوت

معتقدات میں سے عقیدہ ختم نبوت بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اگر چہ وصف رسالت اور نبوت میں سب انبیاء علیہم السلام کو شریک بنایا ہے مگر رسالت کے مقامات اور خصوصیات میں باہمی فرق بھی اللہ تعالیٰ ہی نے مقرر فرمایا ہے ارشاد قرآنی ہے۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ○ (بقرہ نمبر ۲۵۳)

ترجمہ: یہ سب رسول ہیں بڑائی دی ہم نے بعض کو بعض پر کسی سے کلام کیا اللہ نے (بلا واسطہ) اور بلند کئے کسی کے بڑے درجے۔

بعضہم کا مصداق سید دو عالم جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں آپ کے درجات رفیعہ کیا کیا ہیں قرآن مجید ہی نے ان کے متعلق فرمایا وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ (الم نشرح نمبر ۴) وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ○ (النساء نمبر ۱۱۳) آپ پر ہونے والی وحی کے بارے میں ارشاد فرمایا:۔

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ○ (الانعام نمبر ۱۱۶)

ترجمہ: تیرے رب کے کلمے صداقت اور حقیقت کے اعتبار سے کامل ہو چکے

آپ جس دین کو لے کر آئے اس دین کی تکمیل کا اعلان فرمایا:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ○ (المائدہ نمبر ۳)

ترجمہ: آج کے دن کامل کر دیا میں نے تمہارے لئے تمہارا دین اور پوری کر دی تم پر اپنی نعمت اور پسند کر لیا تمہارے لئے اسلام کو دین کے طور پر

دوسرے انبیاء علیہم السلام کو اپنے اپنے علاقے میں اپنی اپنی قوم اور اپنے زمانے کے لئے مبعوث فرمایا مگر سید دوعالم ﷺ کے متعلق فرمایا:۔

وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ بَشِیۡرًا وَّنَذِیۡرًا (السباء نمبر ۲۸)

ترجمہ: اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر سب انسانوں کیلئے بشیر اور نذیر بنا کر

قُلۡ یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ اِنِّیۡ رَسُوۡلُ اللّٰہِ اِلَیۡکُمۡ جَمِیۡعًاۨO

(الاعراف نمبر ۱۵۸)

ترجمہ: اعلان کر دیجئے اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔

ان تمام انعامات اور عطیات کا خلاصہ ختم نبوت کی شکل میں فرمایا:۔

مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنۡ رِّجَالِکُمۡ وَلٰکِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ؕ وَکَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمًاO

(احزاب نمبر ۴۰)

ترجمہ: اور نہیں محمد (ﷺ) کسی ایک کے بھی باپ تمہارے مردوں میں سے بلکہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور مہر سب نبیوں پر اور اللہ ہر چیز جانتا ہے۔

یعنی آپ کی نرینہ اولاد باقی نہ رکھنے کی یہ بھی ایک حکمت ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی ہونے والا نہیں ورنہ ہوسکتا تھا کہ آپ کے بعد آپ کے بیٹے کی نبوت کا بھی امکان محسوس کیا جاتا جیسا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے بعد ان کے بیٹے حضرت سلیمان کو نبوت عطا ہوئی۔ آپ کی صاحبزادیوں کو باقی رکھا گیا مگر عورت نبی نہیں ہوسکتی اس لئے آیت میں لفظ رجالکم فرمایا اور ساتھ ہی اس امر کا بھی اعلان فرمایا کہ آپ خاتم النبیین ہیں سب سے آخری نبی۔ سلسلہ نبوت کو بند کرنے والی مہر سیل (SEAL) یعنی وہ مہر نہیں جس کو اردو میں ٹھپہ کہا جاتا ہے کیونکہ ختم

ہونے سے مراد بند کرنا ہے نہ کہ کھولنا ہے قرآن مجید میں سورۃ تطفیف آیت نمبر ۲۵ میں جنتیوں کو دیئے جانے والے مشروب کا ذکر فرمایا:۔

یُسۡقَوۡنَ مِنۡ رَّحِیۡقٍ مَّخۡتُوۡمٍ خِتٰمُهٗ مِسۡكٌ ۝

ترجمہ: ان کو پلائی جاتی ہے شراب منہ بند (برتن سے) جس کی مہر جمتی ہے مشک پر۔

ابرار کو جو پینے کا مشروب دیا جائے گا وہ صرف ان ہی کے لئے مخصوص ہو گا پہلے سے ان کے منہ بند ہوں گے اور ان کے منہ پر مہر بھی مشک کی لگی ہوگی۔ رہا یہ شبہ کہ آخر آپ ہی کو کیوں آخری نبی بنایا گیا اب نبوت کا دروازہ کیوں بند کر دیا گیا۔ یہ راز اور حکمت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے وہ ہر چیز اور ہر کام کی حکمت اور اس کے فوائد سے پورا باخبر ہے۔ پہلے گذر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وحی کے نازل فرمانے کا سلسلہ آپ تک ہی محدود رکھا ہے بعد میں کسی وحی کا ذکر نہیں فرمایا۔ سارے قرآن مجید میں وحی اور رسالت کا ذکر من قبلک کے ساتھ آیا ہے کہیں بھی من بعدک کے ساتھ نہیں سورۃ بقرہ کی آیت نمبر ۴ میں فرمایا وَالَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡكَ وَمَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِكَ اگر آپ کے بعد بھی کوئی وحی آنے والی ہوتی تو من بعدك بھی ارشاد فرمایا ہوتا۔ سورۃ الشوریٰ کی ابتدائی آیات میں لفظ وحی صراحت کے ساتھ ذکر فرمایا اور اس میں لفظ قبلك پر اکتفا فرمایا ارشاد ہے۔

حٰمٓ ۝ عٓسٓقٓ ۝ كَذٰلِكَ یُوۡحِیۡۤ اِلَیۡكَ وَاِلَی الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِكَ اللّٰهُ الۡعَزِیۡزُ الۡحَكِیۡمُ ۝ (الشوریٰ نمبر ۳)

ترجمہ: اسی طرح وحی کرتا ہے اللہ آپ کی طرف اور ان کی طرف بھی کی جو آپ سے پہلے گذرے ہیں وہ اللہ جو غالب اور حکمت والا ہے۔

حروف مقطعات کے فوائد پر لکھا جا چکا ہے کہ ان کی ایک حکمت یہ بھی ہے

کہ جس طرح ان کلمات کا معنیٰ نہ جاننے کے باوجود ان کے کلام الٰہی ہونے پر ایمان اور یقین رکھنا ضروری ہے۔ اسی طرح آنے والا مضمون اگر تمہاری ناقص سمجھ میں نہ آئے تب بھی اس پر ایمان لاؤ اسی طرح اسماء حسنیٰ اور آیات کے اواخر پر غور و تدبر کے فوائد میں لکھا جا چکا ہے کہ ترجمے میں ان کا خاص لحاظ رکھا جائے۔ یہاں بھی فرمایا جس طرح آپؐ پر وحی نازل کی اسی طرح آپ سے پہلے برگزیدہ انسانوں پر نازل کی اب بعد میں کوئی وحی کیوں نازل نہ ہو گی اس میں اللہ کی حکمت ہے اور وہ جس حکمت کو روبکار لائے اسے کوئی نہیں روک سکتا وہ العزیز الحکیم ہے یعنی اب آپ کے بعد انقطاع وحی ہے یعنی کسی بھی قسم کی وحی اب نازل نہ ہو سکے گی اب سب کے لئے یہی نبی ہیں ﷺ اور سب کے لئے آپ ہی کا لایا ہوا پیغام پیغامِ نجات رہے گا۔ سورۃ الجمعہ میں بالکل واضح طریقہ سے ارشاد فرما دیا:۔

هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝

(آیت نمبر ۲ تا ۴)

ترجمہ: اسی اللہ نے بھیجا امیوں میں (بڑا) رسول ان ہی میں سے جو پڑھتا ہے ان پر اللہ کی آیات اور پاکیزہ بناتا ہے ان کو اور سکھاتا ہے ان کو کتاب اور دین کی باتیں اگرچہ اس کے آنے سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں تھے اور دوسروں کے لئے ان میں جو ابھی نہیں ملے ان سے اور وہ اللہ غالب، حکمت والا ہے یہ

(نبوت کاملہ ابدیہ) اللہ کا فضل ہے دیتا ہے جس کو چاہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

آیات بالا میں مندرجہ ذیل عقائد کا ذکر صراحت کے ساتھ موجود ہے جو بلا کسی تاویل اور تشریح کے سمجھ میں آ سکتا ہے۔

ا: جناب رسول اللہ ﷺ امیین میں مبعوث فرمائے گئے۔

ب: مگر آخرین (سب پچھلوں) کے لئے بھی آپ ہی مبعوث ہیں اب کسی دوسرے نبی کا انتظار نہ کیا جائے۔

ج: آپ ہی کو صرف یہ اعزاز کیوں عطا کیا آپ سے پہلے کسی نبی کو نبوت عامہ کاملہ کیوں عطا نہ فرمائی اس کی وجہ بھی فرما دی میری اپنی مرضی جس کو میں ایسے فضل و مرتبت سے نوازوں اس میں کسی کا کیا دخل ہے۔ سید دو عالم ﷺ کے متعلق جملہ آیات قرآنیہ کو جمع کرنے پر عقیدہ ثابت ہو جاتا ہے کہ آپ پر نبوت ختم کر دی گئی۔

جیسا کہ قرآنی معارف کے بہترین معلم اور راز دان حکمت وحی حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے سید دو عالم ﷺ کی رحلت کے بعد غسل دیتے ہوئے اسی کی وضاحت اور تشریح کی آپ فرماتے جاتے تھے۔

بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ لَقَدْ اِنْقَطَعَ بِمَوْتِكَ مَالَمْ یَنْقَطِعْ بِمَوْتِ غَیْرِكَ مِنَ النُّبُوَّةِ وَالْاَنْبَاءِ وَاَخْبَارِ السَّمَآءِ○

(نہج البلاغۃ ص ۲۰۵)

ترجمہ: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ کی رحلت سے وہ سلسلہ بند ہو گیا جو آپ سے پہلے کسی نبی کی رحلت پر بند نہ ہوا تھا یعنی نبوت اور غیب کی خبریں اور آسمان کی خبریں۔

قرآن مجید میں سید دو عالم ﷺ پر نازل ہونے والی وحی کو روح کے ساتھ تعبیر کیا گیا۔

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ۝ (الشوریٰ نمبر۵۲)

ترجمہ: اور اسی طرح بھیجا ہم نے آپ کی طرف روح اپنے حکم سے۔

یہ خصوصیت صرف سید دو عالم ﷺ پر نازل ہونے والی وحی کو حاصل ہے کہ اس کو روح کے ساتھ ذکر فرمایا تو جس طرح روح کے نزول پر بدن میں زندگی پیدا ہو جاتی ہے اب اس کے بعد زندگی دینے والی کوئی چیز نہیں ہوتی۔ اسی طرح قرآن مجید کے نزول کے بعد جو کلمات الٰہیہ کا مجتمع اور مکمل ہے کسی اور کلام الہام کی ضرورت نہیں ورنہ قرآنی کلمات نعوذ باللہ ناقص ٹھہریں گے اور ان سے ثابت ہونے والا نظام ناقص ٹھہرے گا حالانکہ قرآن مجید نے اس نظام کو اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ کے کامل اعلان سے مشرف فرمایا ہے۔ (واللہ الموفق)

یہ وہ تین مقاصد ہیں جن کو تعلیمات قرآنیہ کا مرکز اور محور کہا جا سکتا ہے۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور دوسری تمام عبادات بدنیہ مالیہ قولیہ سب توحید ہی کے لئے تربیت ہیں امر بالمعروف نہی عن المنکر انفرادی اور اجتماعی زندگی ملی، قومی زندگی اور اس کے تمام شعوب کے لئے سب سے بڑی راہ نما ذات سید دو عالم ﷺ کی ہے جن کی پیروی کو ہدایت فرمایا جیسا کہ ارشاد قرآنی ہے:۔

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ؕ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ؕ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝ (النور نمبر۵۴)

ترجمہ: آپ فرما دیجئے حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا پس اگر تم منہ پھیرو گے تو اس پر ہے ذمہ اس کا جو اس پر رکھا گیا اور تم پر ہے ذمہ اس کا جو تم پر رکھا گیا اور اگر اس (رسول) کا حکم مانو گے ہدایت پالو گے اور رسول کا ذمہ صرف کھول کر پہنچا دینا ہے (ﷺ)

(۱۲) قیامت (معاد)

قرآنی تعلیمات میں سے بنیادی تعلیم قیامت پر ایمان لانے کی ہدایت کی گئی ہے۔ قرآن حکیم میں سورۃ فاتحہ سے لے کر قرآن عظیم کی ہر بڑی سورۃ میں کسی نہ کسی طریقہ سے اس عقیدہ پر ایمان لانا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ اس کی ضرورت، حقیقت، عظمت اور اہمیت کو اس کے ان کثیر ناموں میں سمجھا جا سکتا ہے جو تقریباً دوسودس آیات میں پائے جاتے ہیں جیسا کہ:۔

یوم القیمۃ، یوم التغابن، الیوم الحق، الیوم الآخر، الیوم الموعود، الآزفہ، یوم عسیر، یوم عظیم، یوم عصیب، یوم البعث، یوم التلاق، ، یوم التناد یوم الحسر ۃ، یوم الجمع۔ یوم الحساب، یوم الخروج، یوم الفصل، یوم الدین۔

النباء العظیم، الحاقۃ، الواقعہ، الطامۃ الکبریٰ، الوعدالحق، امر اللہ، الصاخۃ، الاخرۃ وغیرہا۔

یہ عقیدہ انسانیت کی ابتداء ہی سے لازم قرار دیا گیا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام پر جو وحی نازل ہوئی اس میں اسی یوم الحساب کے نتائج سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا:۔

فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○

(بقرہ آیت نمبر ۳۸، نمبر ۳۹)

ترجمہ: پس جو آئے گی تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت، پس جو کوئی میری ہدایت کی پیروی کرے گا پس ان پر نہ خوف ہو گا

نہ وہ غمناک ہوں گے اور جو کفر کریں گے اور جھٹلائیں گے
میری آیتوں کو وہ آگ والے ہیں ہمیشہ اس میں رہیں گے۔
حضرت نوح علیہ السلام (جن کو آدم ثانی کہا گیا ہے) نے اپنی قوم کو یہ
عقیدہ سمجھاتے ہوئے فرمایا:۔

وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِنَ الْاَرْضِ نَبَاتًاO ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا
وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًاO (نوح نمبر ۱۷، ۱۸)

ترجمہ: اور اللہ ہی نے اگایا تم کو زمین سے خاص طریقہ پر اگانا پھر
لوئے گا تم کو اس میں اور نکالے گا اس سے خاص طریقہ پر۔

اسی طرح بعض انبیاء علیہم السلام کو اعادہ حیات بدنی کا مشاہدہ کرایا گیا
حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بامر خداوندی چار پرندوں کو پکڑ کر ذبح کے بعد ان کے
گوشت بال و پر سب یک جا کر کے پہاڑوں پر رکھنا اور ان کو بلانا جس پر ان کا دوڑ
کر حاضر خدمت ہو جانا یہ سب اسی عقیدہ احیاء موتی کا ثبوت ہے۔

فائدہ: یہ قصہ سورۃ بقرہ کی آیت نمبر ۲۵۹ سے آیت نمبر ۲۶۰ پر مشتمل ہے۔ اس
میں چند باتیں بطور حکمت ارشاد فرمائیں۔

ا: چار پرندوں کو ذبح کرنے کا حکم فرمایا کہ انسان چار اخلاط (ہوا، پانی،
آگ، مٹی) سے مرکب ہے۔

ب: انسان کا بدن تو مٹی سے بنایا مگر روح آسمانی کائنات سمجھی جاتی ہے پرندہ
بھی اپنے بدنی تقاضے آب و دانہ تو زمین سے حاصل کرتا ہے مگر اس کی بود و باش اور
وظیفہ حیات اڑنا اور فضائی زندگی آسمان سے متعلق ہے۔

ج: پرندوں کا آواز دینے پر دوڑ کر آنا اس میں بھی یہ حکمت ہے اگر اُڑ کر
آتے تو شاید کوئی دوسرے پرندے متصور کیئے جا سکتے۔

حضرت عزیز علیہ السلام کا قصہ بھی سورۃ بقرہ میں آیت نمبر ۲۵۸، ۲۵۹ میں موجود ہے آپ پر ایک سو سال تک موت طاری رہی آپ کا بدن اور لباس وغیرہ اسی طرح محفوظ رہے آپ کا طعام اور پانی تک سالم رہا، یہ بھی اسی عقیدہ احیاء موتی کا مشاہدہ کرایا گیا۔

فائدہ: یہ قصہ حضرت عزیر علیہ السلام ہی کا ہے۔ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بحوالہ روح المعانی فرمایا:

بروایت حاکم از علی، اور روایت اسحٰق بن بشر عن عبداللہ وعن ابن عباس کہ یہ حضرت عزیز علیہ السلام ہیں البتہ شیخ زادہ شارح بیضاوی نے فرمایا کہ معتزلہ کا قول یہ ہے کہ یہ سائل کافر تھا۔ (نعوذ باللہ)

سورۃ بقرہ ہی میں بنی اسرائیل کے گائے ذبح کر کے اس کے بدن کے ایک حصے کو اس مقتول کے بدن پر مارنے کا ذکر ہے جس کا قاتل معلوم نہ ہوتا تھا جب اس گائے مذبوحہ کے بدن کا کچھ حصہ مقتول کے بدن پر مارا تو مقتول نے قاتل کا نام بتا دیا فرمایا:۔

كَذٰلِكَ يُحۡيِ اللّٰهُ الۡمَوۡتٰى ۙ وَيُرِيۡكُمۡ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ۝

(بقرہ نمبر ۷۳)

ترجمہ: یوں ہی اللہ مردوں کو زندہ کرے گا اور دکھاتا ہے تم کو اپنی نشانیاں تاکہ بات کو سمجھ لو۔

سورۃ کہف میں اصحب کہف کا مفصل تذکرہ موجود ہے کہ وہ اسی غار میں تین سو نو سال سونے کے بعد شعور میں آئے یہ واقعہ خداوند قدوس نے انسانوں کو اس لئے دکھایا کہ:۔

وَكَذٰلِكَ اَعۡثَرۡنَا عَلَيۡهِمۡ لِيَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقٌّ

وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَارَیْبَ فِیْھَاo (آیت نمبر۲۱)

ترجمہ: اور اسی طرح خبردار کر دیا ہم نے ان لوگوں کو ان پر تاکہ وہ جان لیں اللہ کا وعدہ حق ہے اور قیامت کے آنے میں کوئی شک نہیں۔

عقیدہ قیامت کو سمجھانے کے لئے بیسیوں دلائل بطور مشاہدات کے بیان فرمائے جن میں سے چند تو ذکر ہو چکے تھے اور کچھ یہاں ذکر کئے جاتے ہیں۔

(۱) یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَ یُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ وَیُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِھَاؕ وَ کَذٰلِکَ تُخْرَجُوْنَo

(الروم نمبر۲۱)

ترجمہ: نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے اور نکالتا ہے مردہ کو زندہ سے اور زندہ کرتا ہے زمین کو اس کی موت کے بعد اسی طرح تم بھی نکالے جاؤ گے۔

(۲) اِنَّ اللّٰہَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰیؕ یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَ مُخْرِجُ الْمَیِّتِ مِنَ الْحَیِّؕ ذٰلِکُمُ اللّٰہُ فَاَنّٰی تُؤْفَکُوْنَo (الانعام نمبر۹۶)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ چیرنے والا ہے بیج کو اور گٹھلی کو نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے اور نکالنے والا ہے مردہ کو زندہ سے یہ تمہارا اللہ ہے پس تم کہاں بھٹکے ہوئے ہو۔

جس طرح مردہ زمین آسمانی بارش سے زندہ ہو جاتی ہے اور دوسری کائنات کو زندگی بخشتی ہے اسی طرح وہ ابدان اور ان کے ذرات جن کو ناقص انسانی علم مردہ سمجھتا ہے۔ یہ بھی وقت معینہ پر زندہ ہو جائیں گے جو خداوند قدوس اس بیج کو اور اس گٹھلی کو جو مردہ سمجھا جاتا ہے نہ حس و حرکت اور نہ نشوونما ہے مگر وہ زمین

سے اُگ کرتن آور پودا بن جاتا ہے اور پھر اسی سے بیج ظاہر ہوتے ہیں جو بظاہر مردہ ہیں پھر انسان کیوں احیاء بعد الموت کا منکر بن کر شک و وہم کی وادیوں میں گم ہو جاتا ہے۔

سورۃ الحج میں متعدد اور متنوع دلائل بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا:۔

(۳) ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَالْحَقُّ وَاَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَاَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّارَيْبَ فِيْهَا ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ ۝ (آیت نمبر ۶، نمبر ۷)

ترجمہ: یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ اللہ تعالیٰ یقیناً ہے اور وہی زندہ کرے گا مردوں کو اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اور بیشک قیامت آنے والی ہے جس میں شک نہیں اور اللہ اٹھائے گا قبروں میں دفن ہونے والوں کو۔

انسانی تخلیق کو بیان فرما کر بطور نتیجہ کے فرمایا:

اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ۝ (القیامۃ)

دوسری جگہ فرمایا

كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ؕ وَعْدًا عَلَيْنَا ؕ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ۝ (الانبیاء نمبر ۱۰۴)

اسی طرح انسانی توہمات اور شکوک کا پوری طرح ازالہ کرتے ہوئے بعث بعد الموت کا عقیدہ تفصیلاً بیان فرمایا۔ مثلاً یہ شبہ کہ

ءَ اِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجْعٌ ۢ بَعِيْدٌ ۝

ترجمہ: آیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی ہو جائیں گے یہ تو بڑے دور کا لوٹنا ہے (یہ ناممکن ہے)

اس کا جواب ارشاد فرمایا:۔

قَدْ عَلِمْنَا مَاتَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ ○ (ق نمبر ۳،۴)

ترجمہ: بے شک ہم جانتے ہیں ان سے جو زمین کم کر دے گی اور ہمارے پاس نگہبان دفتر موجود ہے۔

اسی بدنی اعادہ کو اسی شکل وصورت اور اعضاء و جوارح کے ساتھ دوبارہ زندہ کرنے پر اعتراض کرتے ہوئے منکرین نے کہا زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْاَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا اس کا جواب نہایت ہی تاکید سے فرمایا:

قُلْ بَلٰى وَرَبِّىْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَاعَمِلْتُمْ ؕ وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ○ (التغابن نمبر ۷)

ترجمہ: آپ فرما دیجئے ہاں کیوں نہیں مجھے قسم ہے میرے رب کی تم ضرور اٹھائے جاؤ گے پھر تم کو تمہارے اعمال کی خبر دی جائے گی اور یہ بات اللہ پر آسان ہے۔

خلاصۃ المرام آنکہ قرآن حکیم نے پوری تفصیل اور تشریح کے ساتھ معاد بدنی کا عقیدہ بیان فرمایا کہ مسلمان کا اس عقیدہ پر ایمان لانا ضروری ہے فرمایا بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ○ (بقرہ نمبر ۴) اور کافر اس کے منکر ہیں جیسا کہ فرمایا بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كَافِرُوْنَ (ھود نمبر ۱۹) قرآن مجید کے آخری حصہ میں خصوصیت کے ساتھ قیامت کے وقوع اور اس کی علامات ارضی وسماوی کائنات میں رد و بدل وغیرہ ہا تمام جزئیات کو تفصیل سے بیان فرمایا ہے اور ان سورتوں کی تلاوت پر جناب رسول اللہ ﷺ نے بہت اجر وثواب کی بشارت فرمائی ہے۔

فائدہ ضروری:

عقیدہ قیامت کی ابتدائی منزل حیات قبر ہے جس کو قرآن کریم نے برزخ کے ساتھ بھی تعبیر فرمایا ہے کہ عرفی موت کے بعد وہ بدن اور اس کے واردات واحوال اگرچہ انسانوں کی نظر سے اوجھل ہوتے ہیں مگر وہ قبر یا اس حیثیت میں جو موت کے بعد ان کو لاحق ہو جاتی ہے اس زندگی میں ہوتے ہیں، ارشاد فرمایا:۔

وَمِنْ وَّرَآءِ هِمْ بَرْزَخٌ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ○ (المؤمنون نمبر ۱۰۰)

ترجمہ: **اور ان کے آگے ایک پردہ ہے اس دن تک جس دن وہ اٹھائے جائیں گے۔**

یوم حشر میں قبروں سے ان کو نکالا جائے گا زندگی ان میں پہلے سے کسی نہ کسی حیثیت سے موجود ہوگی فرمایا کافر جس طرح قیامت کے منکر ہیں اسی طرح وہ حیات برزخی (حیات قبر) کے بھی منکر ہیں، اسی لیے کہ اس کو مشکل سمجھتے ہیں۔

قَدْ یَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ كَمَا یَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ (الممتحنہ نمبر ۱۳)

ترجمہ: **یہ قیامت سے اس طرح ناامید ہیں جس طرح کافر قبروں والوں سے ناامید ہو گئے (کہ وہ دوبارہ نہ اٹھیں گے)**

ضروری

قبر سے مراد یہی قبر ہے جس میں کسی میت کو دفن کر دیا جاتا ہے یا وہ جگہ جہاں اس کا بدن روح سے خالی ہو جاتا ہے قرآن عزیز میں اس عقیدہ کی تشریح موجود ہے

(۱۴) قرآنی قصے

قرآن کریم میں انبیاء علیہم السلام کے قصے بھی آئے ہیں اور کچھ اور قصے بھی بیان فرمائے جیسا کہ اصحاب کہف کا قصہ، کچھ قصے تو تفصیلی طور پر آئے ہیں جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ اور کچھ اجمالی طور پر جیسا کہ حضرت الیاس علیہ السلام کا، ان سب قصوں میں سے حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت یوسف علیہم السلام کے قصے تفصیلاً آئے ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ متعدد اور متنوع طریقوں پر آیا ہے، عرب میں موجودہ اقوام (یہود و نصاریٰ اور مشرکین کا یہ دعویٰ تھا کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہیں، اس لئے قرآن حکیم نے توحید، قیامت، احیاء موتی کے عقائد کو بیان کرتے ہوئے جگہ جگہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعات کا تذکرہ فرمایا اور ساتھ ہی بعثت نبی کریم ﷺ کے ذکر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا کو پیش فرمایا جو آپ نے بیت اللہ کی تعمیر پر فرمائی تھی اور جس کا ذکر سورۃ بقرہ کی آیت نمبر ۱۲۹ میں آیا ہے اور یہ فرمایا کہ اب ملت ابراہیمی کا صحیح نقشہ وہی ہے جو سید الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ نے پیش فرمایا۔

قُلْ اِنَّنِیْ هَدَانِیْ رَبِّیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرَاهِیْمَ حَنِیْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ۔

(الانعام نمبر ۱۶۲)

ترجمہ: آپ فرما دیجئے مجھے چلا دیا میرے رب نے سیدھی راہ پر پختہ دین جو ملت ابراہیمی ہے اور ابراہیم مشرکوں سے نہ تھا۔

اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر بار بار آیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ سید دو عالم ﷺ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تشبیہ دی گئی، فرمایا:۔

اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَیْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَیْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ

اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ○ (المزمل نمبر۱۵)

ترجمہ: بیشک ہم نے بھیجا تمہاری طرف رسول گواہی دینے والا تم پر جیسا کہ بھیجا ہم نے فرعون کی طرف رسول۔

عرب اور مصر کی سرحدات ملی ہوئی تھیں، عرب والے مصریوں کے حالات سے باخبر تھے تو ان کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات بتائے گئے کہ جس طرح فرعون جیسی جابر طاقت اور فرعونیوں کی کثیر تعداد پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو غلبہ اور فتح ونصرت حاصل ہوئی اسی طرح سید الانبیاء ﷺ کو بھی ان فرعونوں پر فتح حاصل ہو گی۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ بھی تفصیل سے آیا کہ آپ کو بھی حضرت یوسف علیہ السلام سے مشابہت ہے، بھائیوں کا حسد وطن سے اخراج، مصر میں ابتدائی زندگی، آخر حکومت مصر، حضرت یوسف علیہ السلام کی حیات طیبہ کے چار مرکزی مقام ہیں۔ علیٰ ھذا القیاس قریش مکہ کی مخالفت، ہجرت مدینہ منورہ، مدینہ پہنچتے ہی غزوات کا ابتلاء اور ان کی کثرت، مگر انجام کار فتح مکہ مکرمہ اور ان ہی قومی بھائیوں کا غلامانہ طریقہ پر حاضر خدمت ہو کر عفو و کرم کی درخواست کرنا، سید دو عالم ﷺ کی حیات مبارکہ کے مرکزی مقام ہیں چنانچہ سید دوعالم ﷺ نے فتح مکہ کے دن اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:۔

لا اقول الا کما قال الاخ الصالح لاتثریب علیکم الیوم انتم الطلقاء

ترجمہ: آج میں وہی کہوں گا جو نیک بخت بھائی یوسف علیہ السلام نے کہا تھا کہ آج تم پر کوئی گرفت نہیں تم سب آزاد ہو۔

قرآن کریم میں ان قصوں کے لانے کی حکمت میں یہ کہا جاتا ہے کہ:۔

اول

دنیا والوں کو یہ بتانا کہ انبیاء علیہم السلام کے منکر اور مخالف ہمیشہ تباہ ہو جاتے ہیں جیسا کہ انبیاء سابقین کے مخالف تباہ ہوئے اور انبیاء علیہم السلام کامیاب ہوئے فرمایا:۔

لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ (یوسف نمبر ۱۱۱)

ترجمہ: بیشک ان کے قصوں میں مغز والوں کے لئے عبرت ہے۔

دوم

سید دوعالم ﷺ کی تسلی اور تسکین ہے کہ انبیاء سابقین پر بھی ایسے واقعات اور حالات آئے جو آپ پر آئے ہیں، انجام کار آپ کامران اور کامیاب ہوں گے، فرمایا:۔

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْبَآءِ الرُّسُلِ مَانُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ○ (ھود نمبر ۱۲۰)

ترجمہ: یہ سارے قصے انبیاء علیہم السلام کی خبروں کے ہم آپ پر بیان کرتے ہیں جن سے آپ کے دل کو برقرار رکھتے ہیں۔

سوم

آپ کی صداقت کی دلیل ہے وہ حالات اور تاریخی واقعات جو کسی کو معلوم نہ تھے پھر آپ کی شان یہ ہے کہ آپ امی ہیں، لکھنا پڑھنا نہ جاننے والے ﷺ نے ان سب واقعات کو بیان فرمایا اس دور میں جو تعلیمی دوڑ میں بہت پیچھے تھا یہ آپ کی صداقت کی دلیل ہے، چنانچہ نوح علیہ السلام کے حالات آپ نے بتائے آپ نے کس طرح بامر خداوندی کشتی بنائی اور کس طرح طوفان آیا اور قوم کا بیڑا غرق ہوا، ارشاد فرمایا:۔

تِلْكَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ مَاكُنْتَ تَعْلَمُهَآ

اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا (ھود نمبر ۴۹)

ترجمہ: یہ غیب کی خبروں سے تھا جن کی آپ کی طرف ہم نے وحی کی ان کو نہ آپ اور نہ آپ کی قوم اس سے پہلے جانتی تھی۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ بنی اسرائیل کی تاریخ داخلہ مصر کو بیان کرتی ہے، عربوں کو اس کا علم نہ تھا جیسا کہ اس قصہ کے شروع میں فرمایا وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغَافِلِيْنَ ○

اسی طرح حضرت مریم علیہا السلام کی ولادت اور ان کی تربیت کا حال **بیان کرتے ہوئے فرمایا:۔**

مَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ○ (آل عمران نمبر ۴۴)

ترجمہ: آپ ان کے پاس نہ تھے جب وہ اپنی اپنی قلمیں ڈال رہے تھے کہ ان میں سے کون مریم کا سرپرست بنے اور نہ آپ ان کے پاس تھے جب وہ اس بات میں بحث کر رہے تھے۔

چہارم

اقوام سابقہ اور خصوصیت سے بنی اسرائیل نے جو خرافات اور من گھڑت باتیں جزو دین بنالی تھیں ان کی بھی تردید کی، جیسا کہ کفارۃ المسیح کا مسئلہ، آگ میں اَيَّامًا مَّعْدُوْدَاتٍ تک رہنا وغیرھا واقعات میں قطع و برید کیا گیا تھا، قرآن مجید نے ان کی حقیقت واضح فرمادی، ارشاد فرمایا:

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِىٓ اِسْرَآئِيْلَ اَكْثَرَ الَّذِىْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ○ (النمل نمبر ۲۶)

اَنۡتَ وَلَاقَوۡمُكَ مِنۡ قَبۡلِ هٰذَا (هود نمبر۴۹)

ترجمہ: یہ غیب کی خبروں سے تھا جن کی آپ کی طرف ہم نے وحی کی ان کو نہ آپ اور نہ آپ کی قوم اس سے پہلے جانتی تھی۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ بنی اسرائیل کی تاریخ داخلہ مصر کو بیان کرتی ہے، عربوں کو اس کا علم نہ تھا جیسا کہ اس قصہ کے شروع میں فرمایا وَاِنۡ كُنۡتَ مِنۡ قَبۡلِهٖ لَمِنَ الۡغَافِلِيۡنَ ۝

اسی طرح حضرت مریم علیہا السلام کی ولادت اور ان کی تربیت کا حال **بیان کرتے ہوئے فرمایا:۔**

مَاكُنۡتَ لَدَيۡهِمۡ اِذۡيُلۡقُوۡنَ اَقۡلَامَهُمۡ اَيُّهُمۡ يَكۡفُلُ مَرۡيَمَ وَمَاكُنۡتَ لَدَيۡهِمۡ اِذۡيَخۡتَصِمُوۡنَ ۝ (آل عمران نمبر۴۴)

ترجمہ: آپ ان کے پاس نہ تھے جب وہ اپنی اپنی قلمیں ڈال رہے تھے کہ ان میں سے کون مریم کا سرپرست بنے اور نہ آپ ان کے پاس تھے جب وہ اس بات میں بحث کر رہے تھے۔

چہارم

اقوام سابقہ اور خصوصیت سے بنی اسرائیل نے جو خرافات اور من گھڑت باتیں جزو دین بنالی تھیں ان کی بھی تردید کی، جیسا کہ کفارۃ المسیح کا مسئلہ، آگ میں اَيَّامًا مَّعۡدُوۡدَاتٍ تک رہنا وغیرھا واقعات میں قطع و برید کیا گیا تھا، قرآن مجید نے ان کی حقیقت واضح فرمادی، ارشاد فرمایا:

اِنَّ هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِىۡۤ اِسۡرَآئِيۡلَ اَكۡثَرَ الَّذِىۡ هُمۡ فِيۡهِ يَخۡتَلِفُوۡنَ ۝ (النمل نمبر۲۶)

ترجمہ: بے شک یہ قرآن صحیح طور پر بیان کرتا ہے بنی اسرائیل پر اکثر وہ باتیں جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔

حضرت شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ نے فرمایا:۔

''بعضے قصے ان کے ہاں کئی طرح روایت تھے اس میں اسی طرح فرمایا جو صحیح تھا''۔

سوال

انبیاء علیہم السلام کے وہ قصے جو قرآن مجید میں آئے ہیں اگر وہ ایک ہی جگہ بیان فرما دیئے جاتے تو کیا وہ کافی نہ تھا۔ متفرق سورتوں میں علٰیحدہ علٰیحدہ سیاق و سباق کے ساتھ ان کو بیان فرمانے میں کیا حکمت ہے؟

جواب

قرآنی قصوں کا مطلب صرف تاریخی حکایات نہیں بلکہ ان کو بطور شہادت اور تعلیم وتبلیغ کے لئے پیش فرمایا اس لئے جہاں جہاں جس شہادت یا دلیل کو پیش کرنا تھا اسے پیش کر دیا گیا جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر مبارک کئی آیات اور سورتوں میں آیا ہے مگر اس کا علٰیحدہ علٰیحدہ ہر جگہ افادی پہلو ہے جس کا تجزیہ یوں کیا جا سکتا ہے۔

(۱) یہودیوں کا یہ زعم تھا کہ وہ انبیاء کی اولاد ہیں ان کو یہ شرف نجات کے لئے کافی ہے کوئی بھی عمل نہ کریں تب بھی ان کی نجات ہو جائے گی اور وہ اولاد یعقوب ہونے کی وجہ سے قابل احترام اور اللہ تعالیٰ کے مقرب ہیں، اس کی تردید فرماتے ہوئے حضرت یعقوب علیہ السلام کے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے کیئے ہوئے عہد کو سورۃ بقرہ میں ذکر فرمایا:۔

قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ۖ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ ۝

(بقرہ نمبر۱۲۴)

ترجمہ: حضرت ابراہیم نے کہا (یہ عہد امامت) میری اولاد کو بھی دیا جائے فرمایا میرا یہ اقرار ظالموں کو نہیں پہنچتا۔

یعنی اگر ایک آدمی یا قوم تیری اولاد میں سے ہوگی مگر میری نافرمان ہوگی تو اس کو میرا یہ عہد و اقرار ہرگز فائدہ نہ دے گا وہ میری طرف سے اعزازات خاندان نبوت کی مستحق نہ ہوگی۔

(۲) سورۃ بقرہ ہی کی آیت نمبر ۲۵۸ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر نمرود کے ساتھ بحث و مباحثہ کے سلسلے میں آیا کہ جس کو اللہ تعالیٰ نور حق سے منور اور مشرف فرما دیتے ہیں وہ تو کفر و شرک، شک و وہم کے اندھیروں سے محفوظ رہتا ہے اور جسے نور ہدایت حاصل نہ ہو وہ اس اندھیرے میں بری طرح پھنس جاتا ہے وہ سادہ اور حقیقی بات کو بھی نہیں سمجھ سکتا، فرمایا:۔

قَالَ اِبْرٰهِیْمُ فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۝ (بقرہ نمبر ۲۵۸)

ترجمہ: کہا (ابراہیم علیہ السلام نے) بیشک اللہ تعالیٰ لاتا ہے سورج کو مشرق سے پس تو لے آ مغرب سے پس شکست کھا گیا وہ کافر اور اللہ راہ نہیں دیتا ظالم قوم کو۔

اسی طرح سورۃ الانعام میں آپ کا اپنی قوم کے ساتھ ستارے، چاند اور سورج کے موضوع پر بحث کر کے ان کو دلائل سے لاجواب کر دینے کا ذکر ہے جس کے نتیجے میں فرمایا:

وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَیْنٰهَآ اِبْرٰهِیْمَ عَلٰی قَوْمِهٖ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِیْمٌ عَلِیْمٌ ۝ (نمبر ۸۴)

ترجمہ: اور یہ ہماری دلیل تھی جو دی ہم نے براہیم کو اس کی قوم پر بلند کرتے ہیں درجے جس کے چاہیں بیشک تیرا رب حکمت والا علم والا ہے۔

(۳) سورۃ توبہ میں کفار سے انقطاع تعلقات کی تاکید فرمائی اور مسلمانوں کو یہ سمجھایا کہ تمہارے لئے سبب اتحاد اور مودت صرف اللہ تعالیٰ پر ایمان ہے، اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس مقاطعہ کا ذکر فرمایا جو آپ نے اپنے باپ سے کیا تھا، فرمایا:

فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ اَنَّهٗ عَدُوٌّلِّلّٰهِ تَبَرَّاَمِنْهُ، اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ۝ (نمبر۱۱۴)

ترجمہ: پس جب کھل گیا اس کے سامنے کہ وہ (اس کا باپ) اللہ کا دشمن ہے تو بیزار ہوا اس سے بیشک ابراہیم انابت کرنے والا بردبار ہے۔

اسی طرح سورۃ الانبیاء نمبر۲۲ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں آپ کی زوجہ محترمہ کا ذکر فرمایا کہ ان کی فرنبرداری اور اپنے خاوند علیہ السلام کی اطاعت کا اجر دنیاوی زندگی میں بھی بیٹے اور پوتے کی بشارت دی گئی مگر حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی جو اسی زمانے میں گذری ہے اس کو عذاب میں ہلاک کر دیا گیا کہ وہ خاوند کے دینی امور میں خائن تھی۔

(۱) اسی طرح قرآن مجید میں آنے والے تمام قصوں کو متفرق مقامات پر فوائد کیلئے بیان فرمایا جو ان کے مناسب تھے۔

فائدہ: قرآنی قصوں کیلئے قصص القرآن مرتبہ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی رحمۃ اللہ علیہ کا مطالعہ کیا جائے۔

(۱۴) اقسام القرآن

ہر زبان میں یہ طریقہ تکلم مستعمل ہے کہ کسی مضمون کو جو اہم اور ضروری ہو اس کو قسم کے ساتھ بیان کرتے ہیں اسلام سے پہلے عربوں میں یہ طریقہ تکلم رائج تھا ان لوگوں کے ہاں بھی کسی بات کو صحیح ثابت کرنے کے لئے تین راستے تھے۔ حاکم وقت کا فیصلہ، شہادت اور قسم۔ زہیر شاعر عرب نے کہا

فان الحق مقطعة ثلاث

یمین اونفار اوجلاء

ترجمہ: بے شک حق کا فیصلہ تین دلیلوں سے ہو سکتا ہے قسم یا حاکم کے پاس جانا یا شہادت

قسم کھاتے وقت اسلام سے پہلے بھی عرب اپنے دوسرے معبودات کے علاوہ رب العالمین کی ذات کی بھی قسم کھایا کرتے تھے، ارشاد قرآنی ہے:۔

وَاَقۡسَمُوۡا بِاللّٰهِ جَهۡدَ اَيۡمَانِهِمۡ لَا يَبۡعَثُ اللّٰهُ مَنۡ يَّمُوۡتُ ۝ (النحل نمبر ۳۸)

ترجمہ: اللہ کے نام کی پکی قسمیں کھا کر کہتے ہیں اللہ نہ اٹھائے گا اسے جو مر جاتا ہے۔

جیسا کہ لات، مناۃ، عزیٰ، پانی، آسمان، ستاروں، روشنی، اندھیرے وغیرہا کی قسمیں بھی کھایا کرتے تھے۔ (ایمان العرب از کاتب م ۴۲۳ھ)

قرآن مجید میں لفظ قسم، یمین، حلف، تینوں آئے ہیں، قسم کی قدر مشترک میں تو یہ تینوں کلمات برابر ہیں اس لئے بعض جگہ ہم معنی بھی آئے ہیں، سورۃ المائدہ میں فرمایا ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيۡمَانِكُمۡ اِذَا حَلَفۡتُمۡ مگر ان کا محل استعمال جدا جدا مفہوم

پر دلالت کرتا ہے، لفظ قسم جہاں لایا گیا وہاں عموماً مراد اس سے شہادت ہے اور یہی مفہوم زیادہ طور پر قرآن مجید کی دوسری قسموں میں بھی ہے کیونکہ شہادت کا بدل قسم کو قرار دیا گیا ہے، سورۃ نور میں لعان کا طریقہ بیان کرتے ہوئے بجائے گواہوں کے چار قسمیں کھانے کا حکم دیا ان قسموں کو لفظ شہادت سے تعبیر فرمایا، ارشاد قرآنی ہے۔

وَالَّذِينَ يَرْمُونَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّا اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهَادٰتٍ ۢبِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الصَّادِقِيْنَ ○ (آیت نمبر ٦)

ترجمہ: اور وہ جو تہمت لگاتے ہیں اپنی بیویوں کو اور نہیں ہوتے ان کے لئے گواہ مگر صرف وہ خود ہی تو ان میں سے ہر ایک کی شہادت یہ ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ وہ سچوں میں سے ہے۔

اسی طرح کائنات ارضی اور سماوی بھی وجود خداوند قدوس پر شہادت ہے ،مصنوع صانع پر گواہ ہوتا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

وَالْفَجْرِ ○ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ○ وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ○ وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ ○ هَلْ فِيْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِيْ حِجْرٍ ○ (الفجر نمبر ا تا نمبر ۵)

ترجمہ: قسم ہے فجر کی اور دس راتوں کی اور جفت اور طاق کی اور رات کی جب وہ چلے بیشک ان میں قسم ہے عقلمندوں کے لئے۔

لفظ یمین کا معنی دایاں ہاتھ ہے عموماً کسی عقد اور معاہدہ کے وقت ہاتھ میں ہاتھ ملایا جاتا ہے، عرب کے مشہور شاعر امراؤالقیس نے کہا ہے ؎

فقلت يمين الله ابرح قاعداً

قرآن کریم میں بھی یہ کلمہ زیادہ تاکید کے مقام پر آیا ہے، فرمایا:۔

وَاَوۡفُوۡا بِعَهۡدِاللّٰهِ اِذَا عَاهَدۡتُّمۡ وَلَا تَنۡقُضُوۡاالۡاَيۡمَانَ بَعۡدَ تَوۡكِيۡدِهَا (النحل نمبر ۹۱)

ترجمہ: اور پورا کرو اللہ کے ساتھ کیا ہوا عہد جب عہد کر لو اور نہ توڑو قسموں کو ان کی پختگی کے بعد۔

اس آیت میں معاہدہ کے ضمن میں لفظ یمین فرمایا اور ساتھ ہی اس کی تاکید اور پختگی کو بھی ذکر فرمایا۔

حلف کا لفظی معنی ہیں معاہدہ یعنی دوسرے کو اپنے اعتماد میں لینا۔ دور جاہلیت میں عرب کے بادشاہ نعمان بن المنذر کو کسی نے جا کر کہا کہ نابغہ شاعر تیری بیوی پر عاشق ہے تو نابغہ نے اپنی پاکدامنی کو پیش کرتے ہوئے کہا

حلفت فلم اترك لنفسك ريبة

وليس وراء الله للمرء مذهب

ترجمہ: میں نے اللہ کی قسم کھا کر اپنی پاکدامنی کو بیان کر دیا اب تجھے بھی اس پر یقین کر لینا چاہیئے کہ اللہ کا نام آ جانے کے بعد انسان کے لئے کوئی جائے فرار نہیں۔

تنبیہ

دور جاہلیت میں اللہ تعالیٰ کے نام کا غیر مسلم بھی احترام کرتے تھے اسلئے اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم کو قابل اعتماد سمجھا جائے، قسم کھانے والا بھی اللہ تعالیٰ ہی کے اسم پاک پر اعتماد رکھے اور قسم دینے والا بھی، سید دو عالم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے مَاحَلَفَ بِالطَّلَاقِ مُؤۡمِنٌ وَلَا اِسۡتَحۡلَفَ بِهٖ اِلَّامُنَافِقٌ (کنوز الحقائق للمناوی جلد۲ ص ۱۵۷) یعنی مومن کی نظر میں اللہ تعالیٰ کا اسم عظیم سب سے زیادہ قابل قدر و احترام ہے اس لئے وہ تو اسی نام پر اکتفا کرے گا اور اگر اس کا مقابل

بجائے اللہ تعالیٰ کے نام پاک کے طلاق کی قسم کا مطالبہ کرے جیسا کہ آجکل عام رواج ہے تو وہ بھی منافقوں والا کام کررہا ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کے اسم عظیم پر اعتماد نہیں رہا۔

فائدہ: قرآن مجید میں حلف کا ذکر ان ہی مقامات پر آیا ہے جہاں قسم کھانے والے نے دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے جس کو اصطلاح قرآنی میں منافق اعتقادی کہا جاتا ہے، چنانچہ یحلفن کا کلمہ پ ۱۱ میں اور یحلفون کا کلمہ پ ۵، ۱۰، ۱۱، ۲۸ میں آیا ہے اور ان سب آیات میں منافقوں ہی کے تذکرہ میں آیا ہے، سید دو عالم ﷺ کو حلاف کی بات پر اعتماد نہ کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:۔

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ ۝ (ن نمبر ۱۰)

ترجمہ: زیادہ قسمیں کھانے والے ذلیل پر اعتماد نہ کیجئے۔

حروف قسم

قرآن حکیم میں خداوند قدوس نے قسم کا کلمہ اکثر مقامات پر ارشاد فرمایا ہے مگر بعض مقامات پر ان حروف کو بھی ارشاد فرمایا جن سے مراد قسم ہے، جیسا کہ حشر اجساد کو تاکید کے ساتھ فرمایا:۔

قُلْ اِىْ وَرَبِّىْٓ اِنَّهٗ لَحَقٌّ (یونس نمبر ۵۳)

ترجمہ: آپ فرمادیجئے ہاں اور قسم ہے میرے رب کی یہ قیامت حق ہے۔

قُلْ بَلٰى وَرَبِّىْ لَتُبْعَثُنَّ (تغابن نمبر ۷)

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کیوں نہیں قسم ہے میرے رب کی تم ضرور اٹھائے جاؤ گے۔

قُلْ بَلٰى وَرَبِّىْ لَتَاْتِيَنَّكُمْ (سباء نمبر ۳)

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے ہاں کیوں نہیں مجھے قسم ہے اپنے رب کی وہ

ضرور تم پر آئے گی۔

عربی زبان میں حروف قسم تین ہیں واؤ، تا اور باء قرآن مجید میں ان تینوں کا ذکر ہے، فرمایا:۔

یٰسٓ ۝ وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ ۝ اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ۝

(یٰس نمبر ۱، ۲، ۳)

ترجمہ: اے سردار دو عالم ﷺ حکمت والے قرآن کی قسم آپ رسولوں میں سے ہیں۔

قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ (یوسف نمبر ۸۵)

ترجمہ: برادران یوسف نے کہا اللہ کی قسم تو یوسف کو یاد ہی کرتا رہے گا۔

فائدہ: تا کا حرف صرف اللہ ہی کے اسم پاک میں آتا ہے اور کسی پر نہیں آتا، با کا حرف قسم کے طور پر قرآن مجید میں آیا ہے فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ (ص نمبر ۸۲) کہا ابلیس نے تیری عزت کی قسم میں ان سب کو گمراہ کر دوں گا۔ مگر......

لام کا حرف بھی قسم کے لئے آیا ہے اور وہ صرف سید دو عالم ﷺ کی حیات مبارکہ کی قسم ہے ارشاد قرآنی ہے:۔

لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝ (الحجر نمبر ۷۲)

ترجمہ: آپ کی جان کی قسم وہ اپنی مستی میں مدہوش ہیں۔

ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کا ترجمہ لعمرك لعيشك فرمایا ہے (بخاری کتاب التفسیر)

حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ فرمایا:۔

---

[۱] یہ آیت حروف مقطعات میں سے نہیں بلکہ یہ جملہ ہے یا حرف نداء اور اس سے مراد سید سردار ہے جس کا مصداق نبی کریم ﷺ ہیں چونکہ س سید الحروف ہے اس لئے سید الانس ﷺ کو سید الحروف سے پکارا۔

''یہ اللہ تعالیٰ! حضرت کو فرماتا ہے قسم ہے تیری جان کی''

حضرت عبداللہ بن عباس نے فرمایا کہ یہ بھی سید دوعالم ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کی زندگی کی قسم نہیں کھائی سوائے جناب رسول اللہ ﷺ کے۔ (البیان ص ۴۲۹)

علامہ ابن قیم نے اقسام القرآن پر مستقل کتاب تحریر فرمائی ہے جس میں تصریح فرمائی کہ:۔

تمام علمائے سلف کا اس پر اتفاق ہے کہ اس آیت میں سید دوعالم ﷺ کی حیات طیبہ کی قسم ہے، البتہ معتزلہ اور ان کے پیرو (جو ہر اس آیت کی تحریف معنوی کرنے کا نام تفسیر رکھتے ہیں جس سے سید دوعالم ﷺ کی توقیر اور ادب ظاہر ہوتا ہو) اس آیت کی تفسیر یوں کرتے ہیں کہ یہ فرشتوں کا کلام ہے اور اس سے مراد حضرت لوط علیہ السلام ہیں۔ (زمخشری)

ربنا یعلم کا کلمہ بھی قسم کے لئے آیا ہے، قاضی بیضاوی نے فرمایا ہے کہ یہ قسم کے سب جملوں سے زیادہ موکد قسم ہے۔

لقد میں بھی لام موطئہ للقسم ہے یعنی لَقَدْ کا ترجمہ بھی مجھے قسم ہے ہوگا۔

فائدہ: قرآن مجید میں سات مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات عظیم کی قسمیں کھائی ہیں اور باقی مقامات پر اپنی مخلوقات کی قسم کھائی ہے، جیسا کہ فرمایا والتین والزیتون تو یہاں لفظ رب مخذوف ہے، ورب الزیتون سے شرح کی جائے گی اور یہ اس لئے قسم کھائی گئی کہ عرب ان کا احترام کرتے تھے، ایک قسم عمومی اشیاء کی بھی کھائی ہے:۔

فَلَا اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ۝ وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ ۝ (الحاقہ نمبر ۳۸)

ترجمہ: پس میں قسم کھاتا ہوں ان چیزوں کی جو تم دیکھتے ہو اور ان کی

بھی جو تم نہیں دیکھتے۔

فائدہ: بعض آیات میں قسم سے پہلے لَا کا حرف بھی آیا جس کو بعض علماء تفسیر نے زیادہ قرار دیا اور معنٰی یہ فرمایا کہ میں قسم کھاتا ہوں، لیکن یہ لا مخاطب کے ذہن میں موجود ہونے والے شبہ کو دور کرنے کیلئے لایا جاتا ہے اور پھر اس پر قسم کھا کر مضمون کو محقق کیا جاتا ہے، فرمایا:۔

فَلَاوَرَبِّكَ لَايُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَاشَجَرَبَيْنَهُمْ (النسآء نمبر ۶۵)

یعنی جو بات ان کے ذہنوں میں موجود ہے کہ آپ پر صرف زبانی طور سے اقرار ایمان ہی کافی ہے، یہ بات درست نہیں مجھے تیرے رب کی قسم یہ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک آپ کو حَکَمْ نہ مان لیں ......الخ

فائدہ: اکثر جگہ قسم کا جواب ساتھ ہی موجود ہے جیسا کہ فرمایا یٰسٓ ○ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ○ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اور بعض جگہ جواب قسم کے بعد میں آتا ہے، جیسا کہ فرمایا صٓ ○ وَالْقُرْاٰنِ ذِى الذِّكْرِ مگر جواب قسم آیت نمبر ۳ میں فرمایا: كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ اب عبارت یوں ہو گی والقرآن ذی الذکر لنهلكن اعداء ك ○ (اشارہ نمبر ۱۴)

فائدہ: مقسم بہ کا تعلق قسم کے مضمون کے ساتھ دلیل اور شہادت کا تعلق بھی ہوتا ہے، جیسا کہ فرمایا:

وَالضُّحٰى ○ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ○ مَاوَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ○ (الضحی نمبر ۱ تا ۳)

ترجمہ: قسم ہے دوپہر کی اور رات کی جب وہ چھا جائے نہ چھوڑا آپ کو آپ کے رب نے اور نہ ناراض ہوا۔

یعنی جس طرح دو پہر کو سورج کی روشنی اور تاریک رات کی تاریکی میں کوئی شبہ نہیں کرسکتا اسی طرح آپ کی نبوت اور رسالت اور دربار خداوندی میں قبولیت تامہ اور کامیابی کا انکار نہیں ہوسکتا اور جیسا کہ فرمایا وَالْعٰدِیٰتِ ضَبْحًا فَالْمُوْرِیٰتِ قَدْحًا فَالْمُغِیْرٰتِ صُبْحًا ...... اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّہٖ لَکَنُوْدٌ ان آیات میں گھوڑوں کے مختلف حالات اور ان کی چالوں کی قسم کھائی پھر جواب قسم میں یہ فرمایا اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّہٖ لَکَنُوْدٌ انسان کو تبلیغ کے ساتھ تحریص اور تنبیہ کی گئی کہ وہ گھوڑا جو اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق ہے جس کا مجازی مالک انسان کو بنایا گیا، وہ گھوڑا اس مجازی مالک کے حکم پر اس قدر خطرناک مقامات میں گھس کر اپنی جان کو خطرے میں ڈال دیتا ہے، اس جذبہ اطاعت اور جان نثاری سے انسان کو سبق حاصل کرنا چاہیئے کہ وہ خلیفۃ اللہ ہوکر اپنے رب کا کس قدر نافرمان اور معاند ہے۔

(۱۵) امثال القرآن

قرآن کریم انسانوں کی ہدایت کیلئے خداوند حکیم نے نازل فرمایا اسلئے اس میں اسلوب بیان کے سلسلے میں وہ طریق خطاب بھی موجود ہے جس سے کسی مخاطب کو زود فہمی کے طریقہ پر سمجھایا جاتا ہے کسی چیز کے حسن اور قبح کو مثال ہی کے ذریعہ زیادہ واضح کیا جاتا ہے، چونکہ قرآن حکیم میں امثال کو بیان فرمایا اسلئے قرآنیات کے طالبعلم کیلئے امثال القرآن کا سمجھنا ضروری ہے، علمائے تفسیر نے اپنی اپنی تفاسیر میں امثال پر سیر حاصل تبصرہ کرنے کے علاوہ مستقل اور علیحدہ کتابیں بھی تحریر فرمائی ہیں جن میں سے شیخ محمد بن حسین سلمی نیشاپوری (م ۴۵۰ھ) علی بن محمد ماوردی شافعی (م ۴۵۰ھ) اور شیخ شمس الدین بن قیم الجوزیہ (م ۷۵۴ھ) کی امثال القرآن قابل استناد ہیں، قرآن مجید نے ضرب الامثال کی حکمت بیان فرمادی۔

وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ○
(الحشر نمبر ۲۱)

ترجمہ: اور یہ مثالیں ہم بیان کرتے ہیں تاکہ لوگ فکر کریں۔

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ○ (الزمر نمبر ۲۷)

ترجمہ: اور بے شک ہم نے لوگوں کے لئے اس قرآن میں ہر مثال بیان کردی تاکہ نصیحت حاصل کریں۔

مگر امثال کو سمجھنے کے لئے قواعد کا جاننا ضروری ہے جو تشبیہ اور مجاز کے لئے وضع کئے گئے ہیں قرآن حکیم ہی کا ارشاد گرامی ہے۔

وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ○ (العنکبوت نمبر ۴۳)

ترجمہ: اور یہ مثالیں ہم بیان کرتے ہیں لوگوں کے لئے اور ان کو عالم ہی سمجھ سکتے ہیں۔

جہلا اور دین کے معاندین نے قرآنی امثال پر اعتراض کیا تو قرآن مجید نے امثال کی حکمت اور ان کے فوائد بیان فرمائے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسۡتَحۡیٖۤ اَنۡ يَّضۡرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوۡضَةً فَمَا فَوۡقَهَا فَاَمَّا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا فَيَعۡلَمُوۡنَ اَنَّهُ الۡحَـقُّ مِنۡ رَّبِّهِمۡ وَاَمَّا الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا فَيَقُوۡلُوۡنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا يُضِلُّ بِهٖ كَثِيۡرًا وَّيَهۡدِىۡ بِهٖ كَثِيۡرًا (بقرہ نمبر ۲۶)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نہیں رکتا اس بات سے کہ بیان کرے کوئی بھی مثال مچھر کی یا اس سے زیادہ کی، پس وہ لوگ جو ایمان لائے وہ تو جانتے ہیں کہ یہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے اور جو کافر ہیں وہ کہتے ہیں کیا چاہا اللہ نے اس کو مثال دے کر گمراہ رکھتا ہے اللہ اس کے ساتھ بہتوں کو اور ہدایت دیتا ہے بہتوں کو۔

یعنی بعض مسائل کو سمجھانے کیلئے تمثیل اور امثال کا بیان کرنا ضروری ہے اس پر اعتراض کرنے والے اور ان کو غیر مناسب کہنے والے کافر اور اعتقادی منافق ہیں جیسا کہ فرمایا:

وَلِيَقُوۡلَ الَّذِيۡنَ فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ وَّالۡكٰفِرُوۡنَ مَاذَاۤ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ؕ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنۡ يَّشَآءُ وَيَهۡدِىۡ مَنۡ يَّشَآءُ (المدثر نمبر ۳۱)

ترجمہ: اور تاکہ کہیں وہ جن کے دلوں میں مرض ہے اور کافر بھی، کیا چاہا اللہ تعالیٰ نے اس کو مثال دے کر یونہی گمراہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ

جس کو چاہتا ہے اور ہدایت کرتا ہے جس کو چاہتا ہے۔

قرآن کریم میں کلمہ مثل، مثل، مثلات اور کاف، مثل اور کمثل بھی آیا ہے، امام لغت قرآن امام راغب نے کہا ہے کہ مثل کا کلمہ قرآن مجید میں تشبیہ کے لئے آیا ہے تاکہ ایک قول سے دوسرے کی وضاحت کی جائے جیسا کہ فرمایا:

مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ ○

وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ ۨ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَالَهَا مِنْ قَرَارٍ ○ (ابراہیم آیت نمبر ۲۴ تا ۲۶)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے پاکیزہ کلمہ کی مثال اس پاکیزہ پودے کی بیان فرمائی جس کی جڑ زمین میں اور ٹہنی آسمان میں ہے اور گندی بات کی مثال اس گندے پودے کی ہے جسے اکھاڑ لیا گیا زمین کے اوپر سے نہیں اس کے لئے ٹھہرنا۔

کلمہ طیبہ کی مثال بقاء اور دوام میں انسانی دست برد سے محفوظ رہنے میں شجرہ طیبہ کھجور کے پودے کی ہے اور کلمہ خبیثہ کی مثال فناء اور عارضی وجود، ذلت اور خست میں جھاؤ اور جھاڑی جیسی ہے، مثل کا دوسرا معنی عبرت بھی ہے جیسا کہ سورۂ زخرف میں اقوام سابقہ کی تباہی اور بربادی کے متعلق فرمایا فَجَعَلْنَا هُمْ سَلَفًا وَّمَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ ○ (زخرف نمبر ۵۶) (ترجمہ) پھر کر ڈالا ان کو گئے گذرے اور ایک نظیر پچھلوں کے واسطے۔

تیسرا معنی صورت اور کیفیت کا بیان کرنا بھی ہے فرمایا مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ○ (محمد نمبر ۱۵) سورہ محمد آیت نمبر ۳ میں فرمایا كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ (ترجمہ) یونہی اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے لوگوں کے لئے ان

کے احوال۔ یہی معنی قرآن کریم کی آیت وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (روم نمبر ۲۷) کا ہے کہ اللہ کی شان اور حقیقت آسمانوں اور زمین میں سب سے بالا اور بلند ہے۔

مَثُلَاتُ مثلہ کی جمع ہے اس کا معنی اشباہ اور امثال آتا ہے، لفظ مثل کا متبادر استعمال عزت اور شرافت کے لئے بھی آتا ہے اور اس معنی سے قرآن کریم کا ارشاد بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى (طٰہٰ نمبر ۶۳) مُثْلٰى اسم تفضیل کا صیغہ ہے اس کا مذکر اَمْثَل آتا ہے۔

قرآن کریم میں جو امثال بیان فرمائی ہیں ان کی حکمت اطاعت کی طرف ترغیب اور نافرمانی سے نفرت کا پیدا کرنا ہے، نیک اعمال میں سے انفاق فی سبیل اللہ کے اجر وثواب کے بڑھنے کی مثال سورۃ بقرہ آیت نمبر ۲۶۱ میں فرمائی كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِىْ كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ایک بیج سے سات سو دانے نکل سکتے ہیں، اسی طرح صدقات کا اجر کئی گنا بڑھتا رہتا ہے، کافروں کے اعمال کی بے ثباتی اور بے نتیجہ ہونے کی مثال فرمائی وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ (ابراہیم نمبر ۱۸) جس طرح راکھ جو ویسے بھی اڑ جاتی ہے پھر جبکہ وہ سخت آندھی کا شکار ہو جائے تو اس کا نام ونشان تک نہیں رہتا۔

خلاصہ

یہ کہ امثال کے بیان کرنے کی حکمت مندرجہ ذیل چھ باتیں ہیں:۔
(۱) نیکی کی ترغیب (۲) بدی سے نفرت (۳) مدح (۴) مذمت جیسا کہ کلمہ طیبہ اور کلمہ خبیثہ کی مثالیں گذر چکی ہیں۔ (۵) اعمال بد پر ملامت (۶) تنبیہ
(کتاب الاشارہ ص ۲۱۴)

فوائد

(۱) قرآن کریم میں اکثر واقعات کو لفظ مثل کے ساتھ تعبیر فرمایا تو وہ عبرت کے لئے ہے نہ کہ تشبیہ اور مماثلت کے لئے، جیسا کہ فرمایا:۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ (یٰس نمبر۱۳)

ترجمہ: ان کیلئے بیان کیجئے بستی والوں کا قصہ عبرت کے لئے۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّ امْرَاَتَ لُوْطٍ...... وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ۝ (آیت نمبر۱۰،۱۱)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی مثال (نمونہ) کافروں کا، نوح اور لوط علیہما السلام کی بیویوں کی......اور بیان فرمائی اللہ تعالیٰ نے مثال (نمونہ) مومنوں کا فرعون کی بیوی کو۔

ان الفاظ میں لفظ مثل سے مراد نمونہ لیا جائے گا کہ اگر مومن دیکھنا ہو تو امراۃ فرعون کو دیکھو اور کافر دیکھنا ہو تو امراۃ لوط کو دیکھو۔ پہلی کا دل کفر کے اس قدر غلبہ اور احاطہ کے باوجود نور ایمان سے مشرف اور دوسری عورت کا دل دینی اور ایمانی برکات کے مرکز میں بھی کفر کا شکار رہا ہے۔

(۲) تشبیہ کی حکمت ترغیب اور ترہیب ہی ہوتی ہے اس لئے ضروری نہیں کہ مشبہ بہ کی تمام کیفیات سے مخاطب واقف ہو یا مشبہ میں مشبہ بہ کی تمام اوصاف پائی جائیں بلکہ صرف وجہ شبہ کا پایا جانا ضروری ہے جیسا کہ اردو میں کسی چیز کے نہ پائے جانے کو عنقا سے تعبیر کیا جاتا ہے حالانکہ عنقا کسی نے دیکھا ہی نہیں، قرآن مجید میں ایسی تشبیہات بھی موجود ہیں جیسا کہ حوروں کی آنکھ کو بیض مکنون شتر مرغ کے انڈوں سے تشبیہ دی حالانکہ عرب ان کی پوری حقیقت سے ناواقف تھے یا جیسا کہ

دوزخ کے پھل زقوم کو رؤس الشیاطین سے تشبیہ دی حالانکہ شیطان کے سر سے قرآن مجید کے مخاطب اولین ناواقف تھے۔ امام لغت ابو عبیدہ (م ۱۸۸ھ) سے ہارون الرشید کی علمی مجلس میں یہی سوال کیا گیا تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ ان امثال اور تشبیہات سے مقصد ترغیب یا ترہیب ہے جیسا کہ مشہور شاعر عرب نے نیزوں کو غول کے نوکدار دانتوں سے تشبیہ دی ہے حالانکہ بعض ارباب لغت نے یہاں تک لکھ دیا ہے کہ غول کوئی جانور ہے ہی نہیں۔ (واللہ اعلم)

(۳) ضرب الامثال میں ملحوظ وجہ شبہ ہی ہوا کرتا ہے، اس مثال اور تشبیہ کو اس وجہ شبہ پر مبنی رکھا جائے جیسا کہ عالم بے عمل کی مثال میں گدھے کی مثال دی جس پر کتابیں لادی ہوں تو یہاں وجہ شبہ پر عمل نہ کرنا ہے، یہ معنی نہ لیا جائے گا کہ گدھا طاقتور ہے بوجھ اٹھاتا ہے، یہ تو اس کی اچھی صفت ہے۔ اسی فائدے کے سمجھنے کیلئے آیات کے آخری کلمات کو ساتھ ملایا جائے، جیسا کہ اسی مثال کے آخر میں فرمایا

بئس مثل القوم الذین کذبوا بایت اللہ (الجمعہ نمبر ۵)

اسی طرح نفس پرست اور خواہشات نفسانی کے پیروکار کی تشبیہ کتے کے ساتھ دی تو اس میں وجہ شبہ کتے کی وہ صفات مذمومہ ہیں جو باعث نفرت ہیں ورنہ کتے میں کچھ اچھے اوصاف بھی ہیں وفاداری جفاکشی وغیرہما، اس لئے اسی آیت کے آخر میں فرمایا ذٰلِکَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا (اعراف نمبر ۱۷۶)

فائدہ (۱): قرآن کریم کی امثال دونوں معانی کیلئے آتی ہیں۔ بطور عبرت کے کوئی واقعہ اور بطور وضاحت قباحت یا حسن وخوبی کے، اس لیے ترجمہ کرتے وقت ان تمام فوائد کا لحاظ ضروری ہے۔

فائدہ (۲): مثلات کا کلمہ صرف ایک جگہ سورۃ الرعد آیت نمبر ۶ میں آیا ہے جس کا معنی عبرتناک سزائیں ہے۔

(۱۶) محاورات القرآن

جس طرح ترجمہ اور تفسیر کے لئے امثال اور تشبیہات کا جاننا ضروری ہے اسی طرح محاورات القرآن کا جاننا بھی ضروری ہے، اس قاعدہ کو سمجھنے سے پہلے یہ بات ملحوظ رہے کہ قرآن کریم کے اولین مخاطب عرب تھے اسلئے قرآن مجید میں زیادہ طور پر ان ہی اشیاء کو پیش فرمایا، جیسا کہ سب پھلوں کا پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے اور سب پھلوں میں خداوند قدوس کی صفت صانع جلوہ نما ہے، اس لئے اجمالی طور پر لفظ ثمر ہی ارشاد فرمایا:

ا: اُنۡظُرُوۡا اِلٰی ثَمَرِہٖ اِذَا اَثۡمَرَ (الانعام نمبر ۹۹) لیکن جب پھلوں کی تشریح فرمائی تو صرف رمان (انار) عنب (انگور) نخیل (کھجور) کو ذکر فرمایا بلکہ کچھ ایسے پھل بھی ذکر فرمائے جن سے بعض دوسرے ممالک کے لوگ ناواقف تھے جیسا کہ تین اور زیتون۔

ب: اسی طرح سارے چار پائے خداوند قدوس کی مخلوق ہیں اور اس کی صفت خالقیت کی دلیل جیسا کہ فرمایا وَاِنَّ لَكُمۡ فِیۡ الۡاَنۡعَامِ لَعِبۡرَۃً (النحل نمبر ۶۶) مگر تفصیلی مشاہدہ کے لئے اونٹ کو پیش فرمایا اَفَلَا یَنۡظُرُوۡنَ اِلَی الۡاِبِلِ كَیۡفَ خُلِقَتۡ (الغاشیہ نمبر ۱۷) کہ یہ خلقت میں عجیب ہونے کے علاوہ عرب میں بہت زیادہ پایا جاتا ہے۔

ج: سواری اور بار برداری کے لئے سب مناسب حیوانات عطیہ خداوندی ہیں، فرمایا وَذَلَّلۡنٰهَا لَهُمۡ فَمِنۡهَا رَكُوۡبُهُمۡ وَمِنۡهَا یَاۡكُلُوۡنَ ۝ (یٰس نمبر ۷۲) لیکن تفصیلی مشاہدے کے لئے ان ہی چار پایوں کو پیش فرمایا جن سے قرآن کے اولین مخاطب عرب مانوس تھے، فرمایا وَالۡخَیۡلَ وَالۡبِغَالَ وَالۡحَمِیۡرَ (النحل نمبر ۸)

(ترجمہ) اور پیدا کیا گھوڑے اور خچر اور گدھوں کو۔

د: پیمائش کے لئے دنیا میں اور بھی آلات موجود تھے مگر قرآن کریم کے اولین مخاطب جن آلات سے متعارف اور شناسا تھے وہ قوس، رمح، سوط، ذراع، باع تھے اس لئے شب معراج قرب نبوت کو یوں ذکر فرمایا فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْاَدْنٰی ○ (النجم نمبر۹)

ر: کسی چیز کی خست اور قلت کو اور الفاظ سے بھی ذکر کیا جا سکتا ہے مگر عرب جن الفاظ سے شناسا تھے ان کو ذکر فرمایا، جیسا کہ قطمیر (فاطر نمبر۱۳) کھجور کی گٹھلی کی جھلی اور نقیر (النساء نمبر۵۳) وہ گڑھا جو کھجور کی گٹھلی میں ہوتا ہے فتیل (النساء نمبر۴۹) کھجور کی گٹھلی میں ایک دھاگہ ہوتا ہے، یہ سب چیزیں عربوں کے ہاں بڑی خسیس اور ردی تھیں، اس لئے مشرکوں کے بنائے ہوئے شریکوں کی بے اختیاری کو بیان فرمایا کہ وہ اسقدر معمولی چیز کے بھی مالک نہیں۔ اس طرح عربی میں فواق اس مہلت اور اس وقفے اور مہلت کو کہا جاتا ہے جو دودھ دوہتے وقت تھنوں سے دودھ نکالتے ہوئے ہوتی ہے، قیامت کے آجانے پر کسی مہلت کے نہ ملنے کو یوں ذکر فرمایا

وَمَا يَنْظُرُ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً مَّالَهَا مِنْ فَوَاقٍ ○ (ص نمبر۱۵)

ترجمہ: یہ انتظار نہیں کر رہے مگر صرف ایک چیخ کا جس کے لئے کوئی مہلت نہ ہوگی۔

و: علیٰ ھذا القیاس نزول قرآن مجید کے وقت عرب میں جو دوسری اقوام آباد تھیں ان کے محاورات کو بھی تفہیم کے لئے ذکر فرمایا ہے ان کا لحاظ بھی ضروری ہے۔ ذیل میں ایک جامع اور مختصر فہرست اسی عنوان کی تشریح میں دی جاتی ہے۔

ارشادات قرآنی	محل ذکر	ترجمہ	خلاصہ مطلب
لَوْ یُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ	بقرہ نمبر ۹۶	کاش اس کی عمر ہزار برس ہو جائے	مجوسیوں کا شاہی سلام یہ ہوتا تھا، عش الف نوروز اور جب کوئی مجوسی چھینکتا تو دوسرا اس کو یوں کہتا عش الف سنۃ
صِبْغَةَ اللّٰهِ	بقرہ نمبر ۱۳۸	ڈھونڈ و اللہ کا رنگ	عیسائی بچے کی پیدائش پر اس کو زعفرانی پانی سے غسل دیا کرتے ہیں قرآن نے اس رسمی دین کو چھوڑنے کا حکم فرمایا
یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّار	بقرہ نمبر ۱۷۴	وہ پیٹ بھر کر کھاتے ہیں	فی بطونہم محاورہ ہے پیٹ بھر کر کھانے کا۔
كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ	بقرہ نمبر ۲۶۱	اس بیج کی طرح جو اگائے سات بالیں	عربوں کے ہاں سات بڑا عدد ہے اسلئے آٹھویں پرواز زیادہ کی جاتی ہے مطلب سات سے کثرت اجر وثواب ہے۔
عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ	آل عمران نمبر ۱۱۹	تم پر انگلیاں کاٹ کاٹ کر کھاتے ہیں	اس سے مراد غصے کا اظہار ہے اسی کے ساتھ قل موتوا بغیظکم فرمایا۔
حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِىْ سَمِّ الْخِيَاطِ	اعراف نمبر ۴۰	جب تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے کے اندر نہ چلا جائے	یہ تعلیق بالمحال ہے

وَلٰكِنَّهٗ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ	اعراف نمبر ۱۷۶	لیکن وہ زمین کی طرف مائل ہوگیا	یعنی خواہشات نفسانی کی پیروی میں ذلیل ہوکر زمین پکڑ لی اور منہ پر مٹی ڈال لی۔
وَلَمَّا سُقِطَ فِىْ اَيْدِيْهِمْ	اعراف نمبر ۱۴۹	اور جب وہ پشیمان ہوئے	سقط فی یدفلاں پشیمانی اور ندامت کے وقت کہا جاتا ہے
وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ	انفال نمبر ۴۶	اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی	جب بادبانی کشتی کا بادبان پھٹ جائے تو ملاح بے بس ہوجاتا ہے یعنی تمہاری حالت ناقابل اصلاح ہوجائے گی۔
اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ	یونس نمبر ۲	ان کے لئے سچائی کا قدم ہے ان کے رب کے ہاں	اس سے مراد یا تو اعمال ہیں جیسا کہ کہا گیا قدمت ایدیکم اور یا اس سے مراد جناب رسول ﷺ کی شفاعت ہے۔
مَادَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ	ھود نمبر ۱۰۷	جب تک زمین وآسمان رہیں گے	ہمیشہ کے معنی میں آیا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے مااختلف اللیل والنہار
اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ	الرعد نمبر ۱۴	اس آدمی کی طرح جو ہاتھ لمبے کرے پانی کی طرف تاکہ منہ پہنچا سکے	یہ مثال مشرک کی ہے۔

فَرَدُّوْا اَيْدِيَهُمْ فِيْ اَفْوَاهِهِمْ	ابراهیم نمبر۹	سو کافروں نے اپنے ہاتھ اپنے منہ میں دیئے	یعنی جس بات کا حکم دیا گیا اس پر عمل کرنے سے رک گئے
فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ	النحل نمبر۲۶	پس گر پڑا ان پر چھت اوپر سے	یعنی کامل طور پر ہلاک ہو گئے
ثَانِيَ عِطْفِهٖ	الحج نمبر۹	پھیرنے والا اپنے پہلو کا	پہلو تہی کرنے والا، لاپرواہی کرنے والا
يَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ	الفرقان نمبر۲۷	جس دن کاٹے گا ظالم اپنے دونوں ہاتھوں پر	اپنے ہاتھوں کو غصے سے کاٹنا نامرادی اور ناکامی کا اظہار ہے
اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ	الذریت نمبر۲۴	یہ بات اس طرح حق ہے جس طرح تم بولتے ہو	ایک آدمی جب بولتا ہے اس کو اپنی کلام پر یقین ہوتا ہے کہ وہ بول رہا ہے۔
فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ	الدخان نمبر۲۹	نہ رویا ان پر آسمان اور نہ زمین	ان کی ہلاکت پر کسی کو صدمہ نہ ہوا
وَاِنْ يَّكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَيُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ	القلم نمبر۵۱	اور قریب ہیں کافر کہ حملہ کر دیں آپ پر اپنی آنکھوں سے	یہ بھی غصے اور غضب کے ساتھ دیکھنے کا کنایہ اور محاورہ ہے۔

سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ	الرحمٰن نمبر۳۱	اے انسانو اور جنو ہم تمہارے لئے فارغ ہو جائیں گے۔	اللہ تعالیٰ فارغ ہی فارغ ہیں یہ محاورہ ہے لاتفرغن لك کہا جاتا ہے
سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ	القلم نمبر۱٦	ہم داغ دیں گے ان کی ناک پر	ناک پر داغ اشارہ ہے ذلت کا محاورہ میں ناک کٹنا کہا جاتا ہے
يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ	القلم نمبر۴۲	جس دن پنڈلی کو کھولا جائے گا	پنڈلی کا ننگا کرنا محنت اور مصروفیت کے لئے محاورہ ہے یعنی وہ دن سخت محنت اور مشقت کا ہوگا۔
حَمَّالَةَ الْحَطَبِ	لھب نمبر۴	اٹھانے والی ایندھن کو	اس کا معنی چغلخور بھی لیا گیا ہے جیسے کہا جاتا ہے جلتی پر تیل ڈالا۔

علیٰ ہذا القیاس سورۃ المائدہ آیت نمبر ١٠٦ میں ایک واقعہ کا ذکر ہے جس میں عیسائیوں سے قسم لی گئی تھی ارشاد فرمایا تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ اس نماز سے مراد باتفاق مفسرین عصر کی نماز ہے چونکہ یہود و نصاریٰ کے ہاں طلوع شمس اور غروب آفتاب دونوں وقت باعزت اور مقدس ہیں اس لئے ان کے عندیہ کے مطابق اس وقت میں ان سے قسم لی گئی (ق ا ص ۱۴۴) مقصد یہ ہے کہ قرآنی آیات کا ترجمہ اور تفسیر کرتے وقت ان محاورات کا لحاظ ضروری ہے جو عرب اپنی بولی میں بولا کرتے تھے۔ فہرست بالا میں صرف چند مقامات کا ذکر ہے قرآن مجید ایسی بلیغ اور فصیح کتاب ہے کہ اس کا مقابلہ کرنے سے ساری دنیا کے فصیح اور بلیغ لوگ

عاجز ہیں۔ ایک فرانسیسی ادیب نے لکھا ہے کہ ارشادِ قرآنی هَلْ مِنْ مَّزِيْد (قٓ نمبر ۳۰) پر میں نے کافی غور و تدبر کیا کہ اس کا بدل لایا جا سکے مگر مجھے ماننا پڑا کہ اس کا بدل کوئی جملہ نہیں ہو سکتا۔ عربی زبان کے مشہور ادیب عبداللہ بن المقنع (مقتول ۱۴۲ھ) نے قرآنی ارشادات کا معارضہ کیا مگر جب ارشادِ قرآنی وَفَارَ التَّنُّوْر (المومنون نمبر ۲۷) تک پہنچا تو آخر ضد اور عناد چھوڑنے پر مجبور ہوا اور وہ سب لکھا ہوا مضمون پھاڑ ڈالا۔ (المشوق نمبر ۱۷۸)

اسی طرح کلام حکیم میں بعض جگہ عام انسانی بصارت اور مشاہدہ کے مطابق کلام فرمایا اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ درحقیقت یونہی ہے بلکہ عام انسانوں کے ہاں ان کے ادراک اور بصیرت میں یوں محسوس ہوتا ہے اسلئے اسے اسی طرز پر ذکر فرمایا، جیسا کہ سورج کے متعلق فرمایا وَتَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ...... اِذَا غَرَبَتْ (کہف نمبر ۱۷) سورج کا طلوع اور غروب ہر مقام اور ہر جگہ کے انسانوں کی بصارت کے پیش نظر ہے ورنہ سورج تو ہر وقت اپنی منزل کو طے کرتا رہتا ہے۔ ہم کہتے ہیں سورج ڈوب گیا یعنی ہماری نظروں سے چھپ گیا ورنہ وہ تو اپنے مستقر میں گردش کرتا رہتا ہے، اسی طرح چاند کے متعلق فرمایا حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْم (یٰسٓ نمبر ۲۹) چاند گھٹتے گھٹتے پرانی ٹہنی کی طرح ہو گیا، یعنی ابتدائی تاریخوں میں ہلال کی شکل یونہی ہوتی ہے اور پھر آخری ایام میں زوال پذیر ہو جاتی ہے، تو یہ ہماری دید و دانش کے اعتبار سے ہے ورنہ چاند تو اپنے وجود میں اسی طرح رہتا ہے سورج کے مقابلہ پر روشنی کی کمی بیشی ہمیں نظر آ جاتی ہے اسی طرح فرمایا يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِنْ فَوْقِهِمْ (النحل نمبر ۵۰) رب کریم تو ہر جگہ ہے اوپر کی کیا تخصیص، چونکہ انسانی نظر اور عقیدہ میں بلندی کی جہت عزت اور عظمت کی جہت ہے جسے عزت دی جاتی ہے اسے بلند نشست پر بٹھایا جاتا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ کے متعلق انسان کے دل میں

عظمت بلندی کا تصور پیش کرتی ہے ورنہ وہ تو ہر جگہ ہے وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيط (حم السجدہ نمبر۵۴) وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ (وغیرہ آیات ہیں) اس لئے ترجمہ کرتے وقت ان سب قواعد اور ضوابط کا لحاظ نہایت ضروری ہے۔

(۱۷) مبہمات القرآن

قرآن کریم میں کچھ ایسے کلمات بھی آئے ہیں جن کی مراد کو متعین کرنا تفسیر اور ترجمے کیلئے ضروری ہے، اس موضوع کو مبہمات القرآن کہا جاتا ہے صحابہ کرام میں اس کا تجسس اور تلاش کا شوق موجود تھا، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں پورا ایک برس موقع کا منتظر رہا کہ موقع ملے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے پوچھوں کہ ازواج مطہرات میں سے وہ کونسی دو ازواج ہیں جنکے متعلق قرآن مجید نے فرمایا وَاِنْ تَظَاهَرَا عَلَيْهِ (تحریم نمبر۴) آخر ایک سال کے بعد موقع ملنے پر دریافت کیا تو آپ نے فرمایا یہ حضرت عائشہ وحفصہ رضی اللہ عنہما ہیں اسی طرح سورۃ النساء کی آیت نمبر۱۰۰ میں وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا یہ کس خوش بخت صحابی کا ذکر ہے حضرت عکرمہ فرماتے ہیں میں چودہ سال تک اس کے متعلق پوچھتا رہا آخر معلوم ہوا کہ وہ ضمرۃ بن جندب صحابی تھے۔

اس موضوع پر علماء کرام نے مستقل علیحدہ کتابیں لکھی ہیں۔ علامہ سیوطیؒ کی مبہمات القرآن اسی موضوع پر ہے مختلف بستیوں اور شہروں کی نشاندہی کے لئے سید سلیمان ندوی کی ارض القرآن اردو زبان میں مفید کتاب ہے، چند مثالوں کے ساتھ اس موضوع کو سمجھنے کی ضرورت واضح کی جاتی ہے۔

(۱) سورۂ بقرہ آیت نمبر ۲۵۹ میں فرمایا اَوْ كَالَّذِىْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ یہ کون تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حاکم نے بروایت صحیحہ نقل فرمایا کہ یہ حضرت عزیر علیہ السلام تھے۔

(۲) سورۃ توبہ آیت نمبر ۲ فرمایا فَسِیۡحُوۡا فِی الۡاَرۡضِ اَرۡبَعَۃَ اَشۡهُرٍ یہ چار مہینے کون سے تھے ۹ھ کے شوال، ذیقعدہ اور ذی الحج اور ۱۰ھ کا محرم اس سے مراد ہے۔

(۳) سورۃ توبہ آیت نمبر ۸۴ میں فرمایا وَلَا تُصَلِّ عَلٰۤی اَحَدٍ مِّنۡهُمۡ مَّاتَ اس اَحَدٍ سے مراد عبداللہ بن ابی بن سلول ہے جو کہ مدینہ کے منافقوں کا سردار اور سید دو عالم ﷺ کا سخت معاند قلبی تھا۔

(۴) سورۃ توبہ آیت نمبر ۹۲ میں فرمایا وَلَا عَلَی الَّذِیۡنَ اِذَا مَاۤ اَتَوۡكَ لِتَحۡمِلَهُمۡ یہ کون سے فقراء صحابہ کرام جہاد کے دلدادہ تھے، یہ انصار مدینہ میں سے سات آدمی تھے جن کو پھر حضرت عباس، حضرت عثمان اور یامین بن نضری رضی اللہ عنہم نے سواریاں عطا کر دی تھیں۔

(۵) سورۃ توبہ آیت نمبر ۱۰۷ میں فرمایا کہ مسجد ضرار بنانے کی غرض اِرۡصَادًا لِّمَنۡ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ یہ کون تھا؟ یہ عیسائی راہب ابو عامر تھا جس کی پشت سے اللہ تعالیٰ نے عاشق رسول حضرت حنظلہؓ غسیل الملائکہ کو پیدا فرما دیا۔

(۶) سورۃ الحجر آیت نمبر ۹۵ میں فرمایا اِنَّا كَفَیۡنٰكَ الۡمُسۡتَهۡزِءِیۡنَ وہ کونسے بدبخت تھے جو سید دو عالم ﷺ کے ساتھ ٹھٹھا کر کے اپنی عاقبت برباد کرتے تھے، سعید بن جبیر م ۹۵ھ نے فرمایا ہے کہ وہ پانچ بدبخت تھے، ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل، ابو زمعہ، حارث بن طلاطلہ، اسود بن عبد یغوث۔

(۷) سورۃ الشعراء آیت نمبر ۱۹۷ میں صداقت سید الانبیاء کی شہادت میں فرمایا اَوَلَمۡ یَكُنۡ لَّهُمۡ اٰیَةً اَنۡ یَّعۡلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ ان علماء بنی اسرائیل کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ وہ پانچ تھے عبداللہ بن سلام، ابن یامین، ثعلبہ، اسد، اسید۔

(۸) سورۃ زخرف آیت نمبر ۳۱ میں کفار مکہ کا یہ اعتراض بیان فرمایا لَوۡ لَا نُزِّلَ

هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْیَتَیْنِ عَظِیْمٍ ان دو بستیوں سے کونسی دو بستیاں مراد ہیں باتفاق علماء تفسیر ان سے مراد مکہ اور طائف ہیں۔

(۹) سورۃ عبس آیت نمبر۱ میں اشاد فرمایا عَبَسَ وَتَوَلّٰی اَنْ جَآءَہُ الْاَعْمٰی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس سے مراد حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ ہیں۔

(۱۰) اگرچہ اقوام کا ذکر فرماتے ہوئے ان کی طرف مبعوث نبی اور رسول علیہ السلام کے نام کی تصریح فرمائی، مثلاً فرمایا اِلٰی عَادٍ اَخَاھُمْ ھُوْدًا، اِلٰی مَدْیَنَ اَخَاھُمْ شُعَیْبًا مگر سورۃ المومنون آیت نمبر۳۲ میں حضرت نوح علیہ السلام کے بعد ایک رسول علیہ السلام کی آمد کا ذکر فرمایا فَاَرْسَلْنَا فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ اس رسول سے کون سا رسول مراد ہے۔ بعض علماء تفسیر و تاریخ نے فرمایا کہ قوم عاد کے نبی ہود علیہ السلام ہیں اور بعض نے کہا قوم ثمود کے نبی صالح علیہ السلام ہیں۔

اسی طرح ایک کلمہ کئی جگہ آیا ہے مگر اس سے الگ الگ مقامات مراد ہیں، جیسا کہ لفظ قریہ قرآن مجید میں انیس دفعہ آیا ہے مگر اس سے الگ الگ مقامات مراد ہیں۔

محل ذکر	مراد	محل ذکر	مراد
بقرہ نمبر ۵۸	یروشلم یا بیت المقدس	یس نمبر ۱۳	انطاکیہ
بقرہ نمبر ۲۵۹	اریحا	الانبیاء نمبر ۷۴	سدوم عمورہ
النساء نمبر ۷۵	مکہ مکرمہ	عنکبوت نمبر ۳۱	سدوم
اعراف نمبر ۸۸	مدین	محمد نمبر ۱۳	مکہ مکرمہ
اعراف نمبر ۱۶۱	اریحا	زخرف نمبر ۳۱	مکہ مکرمہ اور طائف
یوسف نمبر ۸۲	مصر کا شہر		

اسی طرح لفظ مدینہ قرآن مجید میں گیارہ دفعہ آیا ہے اور ہر جگہ اس سے علیٰحدہ علیٰحدہ شہر مراد ہیں، فرمایا

توبہ نمبر ۱۰۱، نمبر ۱۰۲، احزاب نمبر ۶۰، منافقوں نمبر ۸۰	مدینہ منورہ
یس نمبر ۲۰	انطاکیہ
اعراف نمبر ۱۲۴، یوسف نمبر ۳۰، القصص نمبر ۱۸	مصر کا شہر
الحجر نمبر ۶۷	قوم لوط کا شہر سدوم یا عمورہ
الکہف نمبر ۱۹	مینج
الکہف نمبر ۸۲	انطاکیہ
النمل نمبر ۴۸	حجر کا شہر

خلاصہ اس باب کا اور فائدہ اس موضوع کا یہ ہے کہ اس سے قرآن مجید کے وہ حقائق بھی اچھی طرح سمجھ میں آ جائیں گے جن کا تعلق اس زمانہ کی تاریخ اور تہذیب و تمدن سے ہے۔

(۱۸) قرآن حکیم میں مذکور انسانوں کی اقسام

قرآن حکیم میں مخاطبین کی اقسام مندرجہ ذیل ہیں:۔

(۱) عام انسانوں کو خطاب فرمایا

يَآيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى (الحجرات نمبر ۱۳) ان کے مخاطب سب انسان بلالحاظ عقیدہ اور عمل و دین کے ہیں، اسی کو خطاب جنسی بھی کہا گیا۔

(۲) خطاب خاص بطریقہ نوع

فرمایا یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا۔ یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ

(۳) خطاب عتاب

یٰٓاَیُّھَا الْاِنْسَانُ مَاغَرَّکَ بِرَبِّکَ الْکَرِیْمِ (الانفطار نمبر ۶) اس میں انسان کو تنبیہ کی گئی ہے۔

(۴) خطاب مودت و دلجوئی

حضرت ہارون علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی ناراضگی کے وقت یوں کہا یَبْنَؤُمَّ (طٰہٰ نمبر ۹۴) اے میری ماں کے جائے۔ اسی طرح استعطاف کیلئے طریق تکلم کو ادا فرمایا فَمَنْ عُفِیَ لَہٗ مِنْ اَخِیْہِ شَیْءٌ (بقرہ نمبر ۱۷۸) یعنی قاتل تو مقتول کا دینی بھائی ہی تھا اتفاقاً غلطی ہوگئی اس کو ابدی رنج اور عداوت کا ذریعہ نہ بنایا جائے اور قاتل کو پورا قتل یا کچھ حصہ معاف کر دیا جائے۔

(۵) خطاب عزت و کرامت

یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ۔ یٰٓاَیُّھَا الرَّسُوْلُ سید دوعالم ﷺ کی یہ بھی خصوصیت ہے کہ آپ کا نام لے کر آپ کو خطاب نہیں فرمایا جبکہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کو یا آدم، یا نوح، یا عیسی ابن مریم، یا ابراھیم وغیرہم علیہم السلام کے ساتھ قرآن مجید میں فرمایا گیا۔

(۶) خطاب تحریض

طریقہ خطاب سے عمل پر متوجہ کرنا، یہود کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اے اولاد یعقوب تم تو نبی علیہ السلام کی اولاد ہو تم کو تو کفر نہ کرنا چاہئے۔

(۷) خطاب خاص مگر مراد عام ہے

کبھی تو اس پر قرینہ مقالی موجود ہوتا ہے جیسا کہ سورۃ الطلاق میں فرمایا:۔
یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ اے نبی ﷺ، مگر اس کے مخاطب عام مسلمان ہیں اسلئے کہ بعد میں جمع مخاطب کا صیغہ آرہا ہے اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ اس صیغہ کا خطاب سمجھنا نہایت ضروری ہے جیسا کہ سورۃ یونس کی آیت نمبر ۹۴ میں ارشاد ہے فَاِنْ کُنْتَ فِیْ شَکٍّ (ترجمہ) پس اگر تو شک میں ہے ان باتوں سے جن کو ہم نے نازل کیا۔ تو اس سے مراد سید دو عالم ﷺ کی ذات نہیں بلکہ یہ خطاب دوسرے انسانوں کو ہے، اسی سورہ میں آیت نمبر ۱۰۴ میں اس کی تشریح یوں موجود ہے۔

قُلْ یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنْ کُنْتُمْ فِیْ شَکٍّ مِّنْ دِیْنِیْ فَلَا اَعْبُدُ الَّذِیْنَ (الآیۃ)

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے اے لوگو! اگر تم شک میں ہو میرے دین سے تو سن لو میں نہ پوجوں گا ان کو جن کو تم پوجتے ہو اللہ کو چھوڑ کر۔

اسی طرح سورۃ الزمر کی آیت نمبر ۶۵ میں ارشاد قرآنی ہے:۔

لَئِنْ اَشْرَکْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُکَ وَلَتَکُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ۝

ترجمہ: اگر تم نے شرک کیا اے انسان تو تیرا عمل ضرور برباد ہو جائے گا اور تو نقصان والوں سے ضرور ہو جائے گا۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ انبیاء کرام سے بھی شرک کا صدور ممکن ہے بلکہ جیسا کہ امام ابن تیمیہ نے بھی تصریح کر دی ہے کہ یہ کلمات اوحی الیک والی الذین من قبلک کا بدل ہیں، مطلب یہ کہ سب انبیاء علیہم السلام نے اپنی امتوں کو یہ وحی سنا دی کہ اگر تم نے شرک کیا تو تمہارے سب اعمال ضائع ہو جائیں گے،

علیٰ ہذا القیاس طریق خطاب کے ایک سو سے زیادہ طریقے ہیں جن کو علامہ ابن القیم نے اپنی کتاب المشوق میں بیان فرمایا ہے۔

قرآنیات کے طالبعلم کو اس بات کا سمجھنا بھی ضروری ہے کہ تعلیمات قرآنیہ کو قبول کرنے یا نہ کرنے کی حیثیت میں چار قسم کے انسانوں کا ذکر ہے مومن، کافر، منافق، فاسق، مومن اور متقی، محسن اور مسلم، ان سب الفاظ کا معنی قرآنی ارشادات کی روشنی میں یہ ہے کہ جس کا عقیدہ، قول، عمل سب اطاعت خداوندی کے تابع ہوں تو وہ مومن ہے۔ کافر اس کے بالمقابل سب عقیدہ، قول، عمل میں انکار اور مخالفت ہو تو وہ کافر کہلاتا ہے۔ ظالم مشرک بھی اسی معنی میں آتا ہے، مگر اصطلاحی فرق یہ ہے کہ شرک کا معنی خدا کو مانتے ہوئے اس کی ذات یا صفات میں کسی کو شریک کرے۔

منافق وہ ہے جو زبان سے ضروریات دین کا اقرار کرے مگر دل سے ان کے خلاف ہو سورۃ المنافقون میں اور دوسری آیات میں اسی منافق کا ذکر ہے اس کو منافق اعتقادی کہا جاتا ہے جیسا کہ سورۃ المنافقون میں ارشاد فرمایا:

اِذَا جَآءَ كَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۝ (المنفقون نمبر ۱)

ترجمہ: جب آئے آپ کے پاس منافق اور کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ آپ اس کے رسول ہیں مگر اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق یقیناً جھوٹے ہیں۔

سورۃ بقرہ میں فرمایا:۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا

هُم بِمُؤمِنِينَ○ يُخٰدِعُونَ اللّٰهَ وَالَّذِينَ اٰمَنُوا وَمَا يَخدَعُونَ اِلَّا اَنفُسَهُم وَمَا يَشعُرُونَ○ فِی قُلُوبِهِم مَّرَضٌ فَزَادَهُم اللّٰهُ مَرَضًا○ (آیت نمبر ۸، ۹، ۱۰)

ترجمہ: اور لوگوں میں سے کچھ کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ پر اور آخری دن پر حالانکہ وہ مومن نہیں دھوکہ دیتے ہیں اللہ کو اپنے آپ سے اور وہ سمجھتے نہیں ان کے دلوں میں بیماری ہے پس اللہ تعالیٰ نے ان کی بیماری بڑھا دی۔

فائدہ: اس مرض سے مراد کیا ہے؟ مفسر القرآن سدیؒ نے فرمایا کہ سید دو عالم ﷺ کے زمانہ اقدس میں منافق تین قسم کے تھے۔

(۱) وہ منافق جن کے عقائد خراب تھے چال چلن خراب نہ تھے جیسا کہ عبداللہ بن ابی، عبداللہ بن نفیل، مالک بن داعس۔

(۲) وہ منافق جن کا چال چلن بھی خراب تھا وہ زنا کے لئے تگ و دو تو نہ کرتے تھے مگر موقع کی تلاش میں رہتے تھے ایسے ہی لوگوں کے متعلق سورۃ احزاب میں فرمایا

فَیَطمَعَ الَّذِی فِی قَلبِہٖ مَرَضٌ۔ آیت نمبر ۳۲

(۳) یہ وہ گروہ تھا جس کی تگ و دو اسی عمل بد کے لئے رہتی تھی سورۃ الاحزاب میں حجاب کا حکم دیتے ہوئے منافقوں کو سرزنش فرمائی، آیت نمبر ۶۰، ۶۱

لَئِن لَّم یَنتَہِ المُنٰفِقُونَ وَالَّذِینَ فِی قُلُوبِہِم مَّرَضٌ وَّالمُرجِفُونَ فِی المَدِینَۃِ لَنُغرِیَنَّکَ بِہِم ثُمَّ لَایُجَاوِرُونَکَ فِیہَا اِلَّا قَلِیلًا○ مَلعُونِینَ اَینَمَا ثُقِفُوا اُخِذُوا وَقُتِّلُوا تَقتِیلًا○

ترجمہ: اگر نہ رکیں منافق اور وہ جن کے دلوں میں مرض ہے اور غلط

خبریں اڑانے والے مدینہ میں تو ہم ضرور لگا دیں گے آپ کو
ان کے پیچھے پھر وہ اس شہر میں آپ کے پاس نہ ٹھہر سکیں گے
مگر بہت ہی کم لعنت کیے گئے جہاں کہیں پائے گئے پکڑے
جائیں گے اور قتل کیے جائیں گے۔

منافقوں میں سب سے زیادہ خطرناک مہلک عقیدہ جو تھا وہ سید دوعالم ﷺ کی شان مقدس کو برداشت نہ کرنا تھا، وہ مشہور واقعہ جس کی اطلاع سید دوعالم ﷺ کو ہو چکی تھی اس واقعہ کا مفتری عبداللہ بن ابی تھا لوگوں نے جب اس کو ملامت کیا کہ جا کر رسول اللہ ﷺ سے معافی مانگ لے تو اس نے جواب میں یہ کہا:۔

"تم لوگوں نے مجھے ایمان لانے کا مشورہ دیا جس کو میں نے
قبول کر لیا پھر تم نے مجھے زکوٰۃ دینے کو کہا اس کو بھی میں نے
قبول کر لیا اب تم مجھے یہ رائے دیتے ہو کہ میں محمد (ﷺ) کو
سجدہ کروں یہ بات مجھ سے نہ ہو سکے گی"۔

اس پر قرآن حکیم کا نزول ہوا وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ۔ الآیتہ (روح) (المنافقون نمبر ۵)

قرآن حکیم میں منافقوں کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ جن کا خاتمہ کفر پر ہوا اور دوسرے وہ جن کی اصلاح ممکن تھی اور ان کی اصلاح ہو بھی گئی، سورۂ بقرہ میں فرمایا:۔

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِى اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّا اَضَآءَتْ مَا
حَوْلَهٗ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِىْ ظُلُمٰتٍ
لَّا يُبْصِرُوْنَ ○ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْىٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ○
(بقرہ آیت نمبر ۱۷،۱۸)

ترجمہ: ان کی مثال اس کی ہے جس نے آگ سلگائی پس جونہی آگ

نے اس کا اردگرد روشن کیا لے گیا اللہ تعالیٰ ان کی روشنی اور چھوڑ دیا ان کو اندھیروں میں ان کو نظر نہیں آتا، بہرے ہیں گونگے ہیں اندھے ہیں پس اب وہ (کفر سے) نہ لوٹیں گے۔

یعنی نور ایمان نے ان کے اردگرد کو منور تو کر دیا مگر ان بدبختوں نے قدم ہی نہیں اٹھایا کہ صراط مستقیم پر چل پڑتے اس لئے یہ اب نہ لوٹیں گے، ان کے بارہ میں سورہ توبہ آیت نمبر ۱۰۱ میں فرمایا:

وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ لَاتَعْلَمُهُمْ ط نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ط سَنُعَذِّبُهُمْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ۝

ترجمہ: مدینہ کے کچھ لوگ نفاق پر اڑے رہے آپ ان کو نہیں جانتے ہم ان کو جانتے ہیں ہم ان کو سزا پر سزا دیں گے پھر بڑے عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

ان ہی کے بارے میں آپ کو اللہ تعالیٰ سے طلب مغفرت کرنے، ان کی نماز جنازہ پڑھنے، ان کی قبروں پر مغفرت کی دعا کرنے سے قرآن مجید نے منع فرما دیا جس کی تفصیل سورۃ توبہ کی آیت نمبر ۸۴ میں موجود ہے۔

دوسری قسم وہ منافق اعتقادی جن کی اصلاح ممکن ہے فرمایا:۔

كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا ط وَلَوْشَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ط اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ (بقرہ نمبر ۲۰)

ترجمہ: جب کبھی چمکتی ہے ان کے لئے چلتے ہیں اس میں اور جب ان پر اندھیرا پڑ جاتا ہے کھڑے ہو جاتے ہیں اور اگر چاہتا اللہ تعالیٰ

لے جاتا ان کے کان اور آنکھیں اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

یعنی اگر چہ تا حال یہ حیلے بہانے بنا کر نور ایمان سے بھاگ رہے ہیں مگر یہ راستہ پر چل رہے ہیں قدم دو قدم آگے ہی بڑھاتے ہیں ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ ان کو مشرف بالا یمان کر دے جیسا کہ سورۃ توبہ آیت نمبر ۱۰۲ میں فرمایا:۔

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًاؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌO

ترجمہ: اور بعضوں نے مان لیا اپنا گناہ ملایا نیک کام اور دوسرا برا شاید اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کرے بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

شیخ التفسیر مولانا احمد علی نور اللہ مرقدہٗ نے فرمایا:

''منافقین میں سے یہ وہ لوگ ہیں جو قابل معافی ہیں کیونکہ یہ دل سے اسلام کے دشمن نہیں یہ رائے بعض مفسرین کی ہے''۔

قرآن حکیم میں ذکر ہونے والے انسانوں کی چوتھی قسم فسق ہے ہم فسق کی اصلاحا یہ تعبیر کر سکتے ہیں کہ عقیدہ بھی درست، زبانی اقرار بھی موجود، البتہ عمل میں کمزوری موجود ہے چنانچہ قرآن حکیم میں صحابہ کی شان یہ بیان فرمائی کہ ان کو کفر، فسوق اور عصیان سے نفرت ہے، ارشاد قرآنی ہے:۔

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَO (الحجرات نمبر ۷)

تنبیہ۔ چونکہ نفاق کا تعلق دل کے ساتھ ہے اور دل کے حالات صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے واللہ علیم بذات الصدور اسی کی ذات ہے اس لئے سید دو عالم ﷺ کے بعد اب کوئی کسی کو منافق نہیں کہہ سکتا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ارشاد کہ اب یا مومن ہے یا کافر (بخاری ج ۲ ص ٦٦)

ترجمہ: پر اللہ تعالیٰ نے محبت ڈالی تمہارے دل میں ایمان کی اور اچھا دکھایا اس کو تمہارے دلوں میں اور برا دکھایا تم کو کفر اور گناہ اور نافرمانی وہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔

عملی انحراف کو فسوق اور فسق سے تعبیر فرمایا جیسا کہ مسلمانوں ہی کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر لین دین میں کمی بیشی کر کے لکھو گے تو یہ فسوق ہے فرمایا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌ بِكُمْ (بقرہ نمبر ۲۸۲) اور حج میں بے حکمی کو بھی فسوق سے تعبیر فرمایا فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِی الْحَجِّ (بقرہ نمبر ۱۹۷)

سارے ارشادات قرآنی اور تعلیمات ان ہی چار قسموں پر مشتمل ہیں ان کی تفصیل اور تشریح اگرچہ اقسام کثیرہ پر حاوی ہے مگر مخزن اور مقسم یہی چار اقسام ہیں۔

(۱۹) مشکلات القرآن

کتاب کے شروع میں گذر چکا ہے کہ کلمات قرآنی ترجمہ اور اپنی حکمت کے اعتبار سے لاثانی ہیں۔ اس لئے ایسے حکیم اور علیم خدا کے کلام میں تضاد اور مخالفت نہ ہوگی جب کہ انسانوں کی کلاموں میں کئی دفعہ اختلاف اور تضاد پایا جاتا ہے، چنانچہ قرآن کریم نے اپنی صداقت کی ایک دلیل یہ بھی فرمائی ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا:۔

وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ٥ (سورۃ النساء آیت نمبر ۸۲)

ترجمہ: اور اگر یہ (قرآن) اللہ کے سوا کسی اور کا کلام ہوتا تو اس میں ضرور پاتے بہت اختلاف اور فرق۔

اس لئے مترجم اور مفسر کے لئے ضروری ہے کہ قرآنی آیات کے باہمی

تعارض کو دور کرے جس کے لئے کئی قواعد ہیں، تفصیل کا تو یہ موقع نہیں البتہ اتنا عرض ہے کہ:۔

(۱) اضداد القرآن کو سمجھا جائے یعنی بعض کلمات ایسے ہیں جن کے معانی متضاد ہیں ان پر علیحدہ کتابیں لکھی گئی ہیں۔ علامہ انباری (م ۳۲۸ھ) کی کتاب اضداد القرآن حکومت کویت کی علم پروری سے طبع ہو چکی ہے اس کی مثال یہ پیش کی جاتی ہے کہ قرآن کریم کی سورۃ النساء آیت نمبر ۲۴ میں فرمایا:۔

حُرِمَتُ عَلَیُکُمُ.......... وَالُمُحُصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ

ترجمہ: تم پر حرام ہیں فلاں فلاں عورتیں اور خاوند والی عورتیں بھی۔

لیکن اسی سورۃ کی آیت نمبر ۲۵ میں فرمایا وَالُمُحُصَنٰتُ حلال ہیں تمہارے لئے محصنات تو اب جس کو محصنات کا وہی ایک معنی معلوم ہوگا وہ ان دونوں میں شدید تعارض پائے گا لیکن جب یہ معلوم ہو جائے گا کہ محصنات کا معنی کنواری بھی ہے اور یہی معنی آیت نمبر ۲۵ میں مراد ہے اور محصنات کا معنی خاوند والیاں بھی ہے تو اب تعارض نہ ہوگا۔

(۲) اس موضوع کے متعلق جملہ آیات کو پڑھا جائے اور ان کے سیاق وسباق سے آیات کو سمجھا جائے انشاء اللہ بات واضح ہو جائے گی جیسا کہ قیامت کے متعلق قرآن حکیم کے ارشادات تین قسم کے ہیں:۔

ا: قیامت کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے اِنَّ اللّٰہَ عِنُدَہٗ عِلُمُ السَّاعَۃِ (لقمان نمبر ۳۴)

ب: قیامت کی علامات ظاہر ہو چکی ہیں اِقُتَرَبَتِ السَّاعَۃُ وَانُشَقَّ الُقَمَرُ (القمر نمبر ۱) فَقَدُ جَآءَ اَشُرَاطُھَا (محمد نمبر ۱۸) (ترجمہ) قیامت قریب آ گئی اور چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ پس بیشک قیامت کی علامات آ چکی ہیں۔

ج: قیامت اچانک آئے گی، سورۃ الاعراف آیت نمبر۱۸۷ میں فرمایا لَاتَاْتِیْکُمْ اِلَّا بَغْتَةً مگر ان تینوں میں کوئی تضاد اور اختلاف نہیں قیامت کا صحیح علم کہ وہ کس وقت، کس تاریخ، کس ماہ اور کس سنہ میں آئے گی، اس کا علم صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کو ہے جس کو پہلی سورۃ میں فرمایا، البتہ قیامت کی علامات ظاہر ہوچکی ہیں سعید اور نیک بخت ان سے نصیحت اور عبرت حاصل کرسکتا ہے، شق قمر اور خود سید دو عالم ﷺ کی تشریف آوری بطور خاتم النبیین علامات میں سے ہے اس لئے خداوند قدوس پر کامل ایمان والے تو ہر وقت لرزاں ترساں رہتے ہیں البتہ جو قیامت کے منکر ہیں ان کے لئے قیامت کا آجانا اچانک ہوگا وہ ان سب واقعات اور علامات کو زمانے کے اتفاقی حوادث اور انقلابات سمجھتے رہیں گے، اسلئے ان کے نزدیک قیامت کا آجانا اچانک ہوگا، جیسا کہ کسی انسان کا پیدا ہونا ہی علامت ہے موت کی، لیکن غافل اور بے خبر انسان موت کو اچانک اور بے خبری کا حادثہ سمجھتا ہے۔

اسی طرح قرآن مجید کی آیات میں تضاد معلوم ہوتا ہے مگر غور وفکر سے رفع ہوسکتا ہے، جیسا کہ سورۃ یٰس آیت نمبر ۶۵ میں فرمایا اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓی اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ٥ ان کے منہ پر مہر کردی جائے گی اور اعضاء اور جوارح شہادت دیں گے مگر سورۃ الملک آیت نمبر ۹، ۱۰، ۱۱ میں فرمایا کہ وہ بولیں گے اور کہیں گے قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِيْرٌ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ٥ وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ٥ فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ٥ اسی طرح کی متعدد آیات کو ملانے سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء تو وہ عذر و معذرت پیش کریں گے شاید عذاب سے بچ جائیں پھر اقرار بھی کرلیں گے اور پھر اتمام حجت کے لئے ان کے اعضاء اور بدن

کے سارے حصے بلوا دیئے جائیں گے۔

سورۃ آل عمران آیت نمبر ۷۷ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں سے کلام نہ فرمائے گا اور دوسری بعض آیات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے باز پرس فرماویں گے، تو کلام کے بغیر باز پرس کیسی؟ اس میں کوئی تضاد نہیں، جہاں کلام نہ کرنے کا ذکر ہے اس سے مراد رحمت اور شفقت کی کلام ہے جیسا کہ اہل جنت کو کہا جائے گا سَلَامٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبِّ الرَّحِيْمِ، اور جہاں کلام کا ذکر ہے وہاں قہر اور غضب کی کلام مراد ہے، فرمایا وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ο (یٰسٓ نمبر ۵۹)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ ط اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ο (التحریم نمبر ۷)

ترجمہ: اے منکرو آج بہانے مت بناؤ تم کو وہی بدلہ ملے گا جو تم کرتے تھے۔

سورۃ عبس کی آیات از نمبر ۳۴ تا ۳۷ میں آیا ہے کہ قیامت کے دن لوگ رشتہ داروں سے بھاگیں گے اور سورۃ الطّور نمبر ۲۱ میں فرمایا اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ ان دونوں میں کوئی تضاد نہیں پہلی آیات کا تعلق کافروں سے ہے کہ وہ اپنے رشتہ داروں سے بھاگیں گے اور دوسری آیت مومنوں کے متعلق ہے جیسا کہ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ (ترجمہ) اور وہ جو ایمان لائے اور پیروی کی ان کی اولاد نے ایمان سے پہنچا دیں گے ہم ان تک ان کی اولاد اور نہ گھٹائیں گے ہم ان کے عمل سے کچھ بھی۔

شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:۔

''نیکوں کی اولاد کو یہ فائدہ ہے کہ اگر ایمان رکھیں اور ان کی راہ پر چلیں تو ان کے درجے میں پہنچیں''

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری نور اللہ مرقدہ نے فرمایا:۔

''مومنوں کی اولاد اگر ایماندار ہوگی تو وہ بھی ان کے ساتھ کر دی جائے گی''

اسی طرح سورۃ الرحمٰن آیت نمبر ۳۹ میں فرمایا فَیَوۡمَئِذٍ لَّا یُسۡئَلُ عَنۡ ذَنۡبِهٖۤ اِنۡسٌ وَّلَا جَآنٌّ کہ قیامت کے دن انسانوں اور جنوں سے پوچھ نہ ہوگی ان کے گناہوں کی۔

اور سورۃ الانعام نمبر ۱۳۱ میں فرمایا کہ ان سے باقاعدہ سوال ہوگا یٰمَعۡشَرَ الۡجِنِّ وَالۡاِنۡسِ اَلَمۡ یَاۡتِکُمۡ رُسُلٌ مِّنۡکُمۡ (الآیۃ) تو اس کا بھی حل یہی ہے کہ ان سے اسلئے نہ پوچھا گیا کہ اللہ تعالیٰ کو علم نہ ہوگا بلکہ اللہ تعالیٰ کو تو سب علم ہے اور جہاں ذکر ہے کہ پوچھا جائے گا تو یہ سوال تبکیت اور اتمام حجت کیلئے ہوگا تاکہ وہ یہ نہ کہہ سکیں کہ ہم کو اس کا علم نہ تھا کہ خدا تعالیٰ کا حکم کیا ہے، چنانچہ اسی آیت کے آخر میں فرمایا:۔

وَشَهِدُوۡا عَلٰۤی اَنۡفُسِهِمۡ اَنَّهُمۡ کَانُوۡا کَافِرِیۡنَ ○

اور اپنے خلاف گواہی دے جائیں گے کہ وہ منکر تھے۔

فائدہ: بعض آیات ایسی بھی ہیں کہ ان میں بظاہر تضاد اور اختلاف کی وجہ نسخ ہے، نسخ کا سادہ سا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید انسانوں کی تعلیم اور راہنمائی کے لئے نازل ہوا، فرمایا:۔

یُعَلِّمُکُمۡ مَّا لَمۡ تَکُوۡنُوۡا تَعۡلَمُوۡنَ ○ (بقرہ نمبر ۱۵۱)

ترجمہ: سکھاتا ہے (وہ نبی ﷺ) تم کو جو تم نہ جانتے تھے۔

عَلَّمَکُمۡ مَّا لَمۡ تَکُوۡنُوۡا تَعۡلَمُوۡنَ ○ (بقرہ نمبر ۲۳۹)

ترجمہ: سکھایا (اس اللہ تعالیٰ نے) تم کو جو تم نہ جانتے تھے۔

اور تعلیم میں اسلوب احسن یہ ہے کہ تدریجاً ضوابط اور قواعد کی تعلیم ہو اس کا مطلب یہ نہیں کہ معلم نعوذ باللہ اس بات کو پہلے نہ جانتا تھا یا معالج کی رائے پہلے سے تبدیلی نسخہ کی نہ تھی بلکہ نسخہ کا مفہوم ہی یہ ہے کہ بیمار کے حالات کے ساتھ ساتھ معالج کا علاج اور ادویہ کی مقدار بدلتی جائے۔ لفظ نسخ ہی یہ بتاتا ہے کہ اس سے مراد طریقہ تعلیم میں وہ اثر پیدا کرنا ہے جو طلباء کے لئے مفید ہو، چنانچہ قرآن مجید کی بعض آیات میں نسخ ثابت ہے اور اس کا اعلان خود قرآن مجید نے فرمایا:۔

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ط اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (بقرہ نمبر ۱۰۶)

ترجمہ: جو موقوف کرتے ہیں ہم کوئی آیت یا بھلا دیتے ہیں لے آتے ہیں اس سے بہتر یا اس جیسی کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

چنانچہ قرآن مجید کے نزول کے زمانہ میں نسخ ہوا اور کفار نے اس پر اعتراض بھی کیا جس کا جواب قرآن مجید نے اس وقت دیا۔

وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ ط بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ o قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ o (النحل نمبر ۱۰۱، ۱۰۲)

ترجمہ: اور جب بدلتے ہیں ہم ایک آیت کی جگہ دوسری آیت اور اللہ بہتر جانتا ہے۔ جو اتارتا ہے تو کہتے ہیں تو بنا لاتا ہے بلکہ ان میں سے بہتوں کو خبر نہیں آپ کہہ دیجئے اس کو اتارا پاک فرشتے نے تیرے رب کی طرف سے ساتھ تحقیق کے تاکہ

ثابت رکھے یقین والوں کو اور ہدایت اور خوشخبری ہے مسلمانوں کو۔

اس کی مثال میں صرف ایک ہی حکم پیش کیا جاتا ہے خاوند کے مرنے پر بیوہ کیلئے عدت ایک سال لازمی رکھی گئی بلکہ خاوند کو حکم دیا گیا کہ وہ موت کے وقت ورثاء کو اس کی وصیت کر جائے، ارشاد قرآنی ہے:۔

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا وَّصِيَّةً لِاَزْوَاجِهِمْ مَتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَافَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ (بقرہ نمبر ۲۴۱)

ترجمہ: اور وہ جو مر جاویں تم سے اور چھوڑ جاویں عورتیں، وصیت کر جائیں اپنی عورتوں کے واسطے خرچ دینا ایک برس کا نہ نکالنے کے ساتھ پس اگر وہ از خود نکل جائیں تو تم پر کچھ گناہ نہیں جو کریں اپنے حق میں دستور کے موافق اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔

لیکن جب وہ لوگ جو عورتوں کے حقوق کے قائل ہی نہ تھے اس قدر پابند ہو گئے کہ ارشاد قرآنی کو بلا چون و چرا تسلیم کر لیا تو اب تخفیف کر دی گئی تا کہ عورتوں کو بھی اپنے مستقبل کے لئے غور و فکر کا موقع جلدی دیا جائے تو فرمایا:۔

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا (بقرہ نمبر ۲۳۴)

ترجمہ: اور وہ جو مر جائیں تم میں سے اور چھوڑ جاویں عورتیں وہ انتظار کریں اپنی جانوں کا چار ماہ دس دن۔

اور ادھر بیوہ کا حصہ ترکہ سے مقرر کر دیا تو اب وارثوں پر اس کی عدت کا

خرچ بھی باقی نہ رہا۔

نسخ کے موضوع پر علماء تفسیر نے علیحدہ کتابیں لکھی ہیں اس لئے نسخ کا انکار کئی آیات قرآنیہ کا لفظی اور معنوی انکار ہے، اللہ محفوظ رکھے۔

فائدہ: مشکلات القرآن کا موضوع اور مفہوم اگرچہ قرآنی ارشادات کے تمام مجمل اور مشکل مقامات کا حل کرنا ہے مگر یہاں اس سے مراد وہ جزوی بحث ہے جس سے آیات قرآنیہ کا آپس میں اختلاف معلوم ہوتا ہے۔

فائدہ: مشکلات القرآن پر ابو محمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ م ۲۷۶ھ کی کتاب تاویلات مشکل القرآن اور محدث کبیر حضرت علامہ انور شاہ کاشمیریؒ کی کتاب مشکلات القرآن مفید کتابیں ہیں۔

(۲۰) غیر معروف طریقہ تاویل وتفسیر

مفسر اور مترجم کے لئے ضروری ہے کہ قرآنی تفسیر اور ترجمے میں غیر معروف اور غیر مانوس طریقے سے قرآن کو سمجھنے کی کوشش نہ کرے اگرچہ بعض لغات اور طرز کلام لغوی اور لسانی اعتبار سے درست ہوں مگر اجماعی اور فیصلہ شدہ ترجمہ اور تفسیر کے خلاف قدم اٹھانا فتنوں کا دروازہ کھولنا ہے یہی وجہ ہے کہ قرآت کو بھی ایک ہی طرز اور لہجہ پر محدود کرنا قرن اول میں زیادہ بہتر سمجھا گیا جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے تلفظ یسجنہ کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ناپسندیدہ قرار دے کر لیسجننہ کو پڑھنے کا حکم دیا تھا۔ اسی طرح دوسرے ان تمام تراجم اور تفسیر سے احتراز ضروری ہے جو قرن اول سے لے کر آج تک متروک قرار دئے گئے ہیں۔ در پردہ یہ ایک بہت بڑا فتنہ ہے جو اسلام کے خلاف نہایت ہوشیاری سے کھڑا کیا جا رہا ہے آج کی بعض غیر اسلامی انجمنیں اور ادارے ان علوم اور طریقہائے تفسیر و قرأت شاذہ پر کتابیں اور رسالے شائع کر

رہے ہیں جن سے بجائے اطاعت اور یقین کے شک اور وہم پیدا ہو رہا ہے اسی احتیاط اور تدبیر کے پیش نظر نو سو سال پہلے علامہ ابن عبدالبر (م ۴۶۳ھ) نے یہ فیصلہ صادر فرمایا تھا کہ:

ارشاد نبوی ''کہ نزول قرآن مجید سات حرفوں (قرائتوں) پر ہے ایک خاص وقت کے لئے تھا جبکہ اسلام کی اشاعت دور اول میں تھی اب اس کی ضرورت باقی نہیں اسلئے تلاوت اور قرأت علیٰ حرف واحد ہی ہو''

علیٰ ہذا القیاس اس ترتیب کے خلاف ترتیب نزول وغیرہ کے نام سے قرآن مجید کا جمع کرنا بھی کوئی خدمت نہیں بلکہ بہت بڑا فتنہ ہے اسی طرح ارشادات قرآنیہ کے شرعی معنیٰ کے خلاف صرف لغت کا سہارا لے کر تفسیر اور تشریح کرنا بھی الحاد اور زندقہ ہے جیسا کہ نماز کا معنیٰ شانے ہلانا زکوٰۃ کا معنیٰ پاکیزگی حج کا معنیٰ ارادہ اور نیت کرنا یہ سب وہی الحاد ہے جس کو زندیقوں نے اسلام کے نام سے پھیلایا چند مثالیں ایسی دیجاتی ہیں جن میں متعارف اور مفید معنیٰ سے انحراف کیا گیا۔

(۱) سورۂ کہف کی آیت نمبر ۷۹ میں فرمایا اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسَاكِيْنَ کا معنیٰ بعض لوگوں نے مساکین س کی شد کے ساتھ کیا ہے (ملاح کشتی تھامنے والے) حالانکہ ہر کشتی کے لئے ملاح تو ہوا ہی کرتے ہیں اس لئے صحیح ترجمہ تو یہی ہوگا کہ اس سے مراد غربا و مساکین لیئے جائیں۔

(۲) سورۃ اعراف نمبر ۴۰ میں فرمایا حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِىْ سَمِّ الْخِيَاطِ لفظ جمل کا غیر معروف معنیٰ لنگر کا رسہ بھی ہے حالانکہ جمل کا متعارف معنی اونٹ ہے اس سے مراد تعلیق بالمحال ہے جس طرح اونٹ جیسی بڑی چیز کا سوئی کے چھوٹے سے ناکے میں داخلہ ناممکن ہے اسی طرح کافر کا داخلہ جنت بھی امر محال ہے۔

(۳) سورۃ ص آیت نمبر ۶ میں فرمایا اِنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰى اٰلِهَتِكُمْ

لفظ مشی کا معروف اور متعارف معنٰی چلنا ہے اور اس کا غیر متعارف معنٰی برکت اور بڑھنے کا بھی ہے۔ مگر بقول علامہ سہیلی اسی معنی پر لفظ کا اطلاق زیادہ ظاہر ہے جو کہ لغت میں متعارف اور متبادر ہے۔

البتہ یہ علٰیحدہ بات ہے کہ قرآن کے جس ارشاد کی تفسیر حدیث نبوی یا قرآنی دوسری آیات کی تشریح سے حل نہ ہو سکے تو پھر لغت قریش کا اعتماد ضروری ہے۔ ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب تم پر کسی آیت قرآنی کا معنی مخفی رہے تو تم اس کو شعر عرب میں تلاش کرو۔ کیونکہ اشعار عرب دیوان عرب ہیں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا الاعراب اصل العرب وما دۃ الاسلام (بخاری ج ۲ ص ۱۹۹) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ فاطر کا صحیح معنٰی مجھے اس وقت معلوم ہوا جبکہ دو بدو ایک کنویں کے بارے میں جھگڑتے ہوئے میرے پاس فیصلہ کیلئے آئے ان میں ایک نے کہا انا فطرتھا یعنی اس کو پہلے میں نے ہی کھودا ہے۔ تب معلوم ہوا کہ فطرت کا معنٰی ابتداءً پیدا کرنا بلا نمونہ سابقہ بنانا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک دن دوران خطبہ میں سورہ النحل کی آیت عَلٰی تَخَوُّفٍ کا معنٰی مراد پوچھا تو ایک بوڑھا بدو کھڑا ہوا اور اس نے کہا اس کا معنٰی آہستہ آہستہ رگڑ نا کم کرنا، اس پر آپ نے شہادت طلب کی تو اس بدو نے شاعر ابو کبیر کا مندرجہ ذیل شعر پڑھا۔

تخوف الرحل منها تامکا فردا

کما تخوف عود النبعة السفن

ترجمہ: کثرت سفر کی وجہ سے پالان کی لکڑی نے میری اونٹنی کی پیٹھ کو اس طرح رگڑ رگڑ کر کم کر دیا جس طرح کمان کی لکڑی کو سوہان کم کر دیتی ہے''۔

اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی فرمایا کہ دور جاہلیت کے اشعار میں تمہاری کتاب کی تفسیر اور کلام کے معانی موجود ہیں۔ مگر قرآنی مفہوم کو متعین کرنے کے لئے صرف اشعار عربیت کو معیار قرار دینا یا قرات شاذہ غیر معروفہ کو دلیل بنالینا جن کو چودہ سو سال سے مسلمان عملاً متروک سمجھ چکے ہیں کسی طرح بھی مفید نہیں۔

اسی طرح تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ (بقرہ نمبر ۱۴۴) کا صحیح معنیٰ جو قرآن عزیز، حدیث نبویؐ اور اجماع امت سے تو اتر اور توارث کے ساتھ سب مفسروں کے ہاں چلا آتا ہے وہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سید دو عالم ﷺ کے انتظار وحی کا ذکر فرمایا اگرچہ آپ کا دل یہ چاہتا تھا کہ آپ کا رخ نماز میں کعبہ ابراہیمؑ کی طرف ہو جائے مگر آپ انتظار وحی میں تھے اس شوق اور انتظار کو بیان فرمایا۔ مگر چودہ سو سال بعد یہ کہا گیا ہے کہ آپ کا دل نہ چاہتا تھا بلکہ آپ یہ چاہتے تھے کہ آپ کا قبلہ بیت المقدس ہی ہو تقلب کا معنیٰ یہ ہے کہ دل کا تنگ ہونا اور اس پر دلیل یہ دی گئی کہ تقلب الحیۃ اس وقت کہا جاتا ہے جب گرم ریت پر سانپ چلنے میں دشواری محسوس کرے اسی طرح حضور انور ﷺ دل میں تنگی محسوس کرتے تھے مگر مجبوراً کعبہ ابراہیمی کی طرف منہ کرلیا۔ اناللہ۔

(۲۲) معارف قرآنی میں غور و تدبر

ضروری قواعد بیان کرنے کے بعد اب اس موضوع کو بھی ذکر کیا جاتا ہے جس کے عنوان سے کتاب کا نام رکھا گیا ہے۔ قرآن کی فصاحت و بلاغت کے متعلق گذر چکا ہے کہ یہ اس اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو علیم اور خبیر ہے حکیم اور علیٰ کل شیءٍ قدیر ہے۔ اس نے جو کلمہ ارشاد فرمایا اس میں حکمت کے دریا بند فرمادئے۔ اس لئے اس کتاب مجید کی تلاوت اور مطالعہ کرتے وقت ان تمام معارف کو تلاش کرنا

باعث اجر وثواب ہے اور اسی سے حکمت قرآنی کا پتہ چلتا ہے۔ احکام کے بنانے اور سمجھنے میں مدد ملتی ہے چنانچہ اس کتاب مجید میں تدبر اور فکر کا حکم دیا گیا۔ فرمایا:۔

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ (ص نمبر ۲۹)

ترجمہ: یہ کتاب ہم نے آپ کی طرف اتاری بابرکت تا کہ یہ اس کی آیتوں میں غور وفکر کریں۔ اور عقل مند نصیحت حاصل کریں۔

قرآنی احکام کیلئے استنباط کا حکم دیا اور عام مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ احکام کو سمجھنے کیلئے اہل استنباط کی طرف رجوع کریں لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ط (النساء نمبر ۸۳) ترجمہ: تو تحقیق کرتے اس میں ان میں سے وہ جو تحقیق والے ہیں۔

سید دو عالم ﷺ نے قرآن سیکھنے اور سکھانے کو سب سے بہتر عمل قرار دیتے ہوئے فرمایا خَيْرُكُمْ مَّنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَهٗ

اِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتٰبِ اَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهٖ اٰخَرِيْنَ ۝

قرآن کا سیکھنا اور سکھانا صرف ثواب اور عذاب ہی کے طور پر بہترین نہیں بلکہ مسلمانوں کا عروج اور زوال اسی کتاب کے تعلق سے وابستہ ہے۔ سید دو عالم ﷺ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کیلئے دعا فرمائی اللّٰھم علمه تاویل الکتب (ترجمہ) اے اللہ ابن عباس کو قرآن مجید کی صحیح سمجھ عطا فرما۔

ایک دوسرے ارشاد میں تعلیمات قرآنی میں غور وفکر کو عالم ملکوت کی سب سے بڑی عزت قرار دیا۔ فرمایا۔ الماهر بالقرآن مع السفرة الکرام البررة (ترجمہ) قرآنی معارف کو جاننے والا مقرب فرشتوں کے ساتھ ہوگا۔

سید دو عالم ﷺ صحابہ کرام کے سامنے تدبر فی القرآن کے لئے آیات

پیش فرمایا کرتے تھے صحیح حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک دن صحابہ کرام سے پوچھا بتاؤ کشجرۃ طیبۃ سے مراد کونسا پودا ہے اگر چہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اس کا جواب جانتے تھے مگر (ادباً) خاموش رہے اس پر حضور انور ﷺ نے خود فرمایا ھی النخلۃ یہ کھجور کا پودا ہے جس کی جڑھیں تو زمین میں ہیں مگر پتے اور پھل بلندی پر ہیں کھجور کا پودا گرمی سردی میں ہرا رہتا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب العلم میں اس موضوع پر ایک مستقل باب بیان فرمایا ہے۔ باب طرح الامام المسئلہ سید دو عالم ﷺ کے زمانہ اقدس میں قرآنی موضوع پر مجالس مذاکرہ منعقد ہوا کرتی تھیں اسی تعلیم اور تحریص کا اثر تھا کہ صحابہ کرام میں قرآنی معارف کے ذوق وشوق کا دریا موجزن تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے۔ ''اگر مجھے معلوم ہو کہ یہاں سے کافی دور مجھ سے زیادہ قرآنی معارف جاننے والا کوئی موجود ہے تو میں ضرور اس کے پاس پہنچوں گا''۔

معارف قرآنی کو سمجھنے کے لئے سب سے زیادہ ضروری امر یہ ہے کہ قرآن مجید کے طرز ادا اور سیاق وسباق اور ان تمام قواعد کا لحاظ کیا جائے جو سابقاً ذکر ہو چکے ہیں۔ قرآن حکیم اپنا مُبِیْنٌ خود ہے وہ اپنی تفسیر خود فرما دیتا ہے مگر حسب ارشاد شیخ التفسیر مولانا احمد علی صاحب قدس سرہٗ عام انسانی عقول ناقص ہیں اس لئے ان قواعد کا سمجھنا ضروری ہے جو قرآنی معارف کے سمجھنے کے لئے کتاب وسنت کی روشنی میں مرتب کئے گئے ہیں سب سے پہلا قاعدہ اس باب میں یہ ہے کہ کلمات قرآنی پر غور کیا جائے اس کی چند مثالیں درج ہیں۔

(۱) قرآن حکیم میں آتا ہے کہ مجرموں اور گنہ گاروں کی شفاعت ہوگی جب اللہ تعالیٰ کا اذن ہوگا فرمایا مَنْ ذَالَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗ اِلَّا بِاِذْنِہٖ (بقرہ نمبر ۲۵۵) مگر ساتھ ہی قرآن مجید میں یہ بھی ارشاد فرمایا وَلَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی (فاطر

نمبر ۱۸) اس پچھلی آیت کو دیکھ کر بعض ظاہر بین عقیدہ شفاعت کا انکار کر دیتے ہیں۔ حالانکہ اس آیت میں لفظ وازرۃ خود بتا رہا ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنے بوجھ تلے دبے ہوئے ہوں گے۔ جس کے پاس اپنا بوجھ ہو وہ دوسرے کا بوجھ کس طرح اٹھا سکتا ہے چنانچہ اسی کے ساتھ فرمایا وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَّلَوْ كَانَ ذَاقُرْبٰى ط (فاطر نمبر ۱۸) لیکن جو لوگ اس زمرہ میں ہوں گے جن کو منجانب اللہ کہا جائے گا يٰعِبَادِ لَاخَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَا اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ o اور جو خوش بخت دوزخ کی آہٹ سے بھی محفوظ ہوں گے۔ ان کو شفاعت کا حق دیا جائے گا یہ مسئلہ لفظ وازرۃ پر غور کرنے سے واضح ہو گیا۔

(۲) مچھلی کے شکار کو اللہ تعالیٰ نے نعمت قرار دیتے ہوئے فرمایا وَلَحْمًا طَرِيًّا (النحل نمبر ۱۴) اگر کوئی یہ کہدے کہ مچھلی بھی ایک جاندار ہے جس طرح دوسرے جان داروں کو ذبح کرنا ضروری ہے اسی طرح مچھلی کو بھی ذبح کرنا ضروری ہے تو خداوند علیم وخبیر نے اس کو لحماطر یا تازہ گوشت فرمایا۔ جس طرح گوشت کا ذبح کرنا ضروری نہیں اسی طرح مچھلی بھی قانون ذبح سے مستثنیٰ ہے۔

(۳) سورۃ الزمر میں جنتیوں اور جہنمیوں دونوں کو داخلہ جنت اور دوزخ کا ذکر فرمایا مگر جنتیوں کے متعلق فرمایا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا اور دوزخیوں کے متعلق فرمایا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا ان دونوں میں بڑا فرق ہے اس لئے کہ اہل جنت تو اللہ تعالیٰ کے مہمان ہوں گے نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا (مریم نمبر ۸۵) اور جو مہمان ہو اس کے لئے پہلے ہی دروازہ کھول دیا جاتا ہے تاکہ اس کو دروازہ پر انتظار نہ کرنا پڑے یہ واؤ حالیہ ہے حالانکہ کھولے جا چکے ہوں گے دروازے جنت کے جیسا کہ سورۃ ص نمبر ۵۰ میں فرمایا مُفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ چونکہ دوزخی مجرم ہوں گے اس

لئے ان کو دوزخ کے دروازے پر پہلے کھڑا کر دیا جائے گا فرمایا وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ (الصفت نمبر۲۴) (ترجمہ) ان کو کھڑا رکھوان سے باز پرس ہوگی۔

(۴) سورۃ ہود آیت نمبر۱۰۸ میں اہل جنت کے بارے میں فرمایا خٰلِدِیْنَ فِیْهَا مَادَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَاشَآءَ رَبُّكَ عَطَآءً غَیْرَ مَجْذُوْذٍ۝ اور دوزخی کے متعلق آیت نمبر۱۰۷ میں فرمایا خٰلِدِیْنَ فِیْهَا مَادَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَاشَآءَ رَبُّكَ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ۝ بظاہر دونوں میں فرق نہیں معلوم ہوتا اس لئے یہ شبہ کیا جا سکتا ہے کہ اس سے تو عقیدہ اسلامی کے خلاف یہ بات ثابت ہو رہی ہے کہ جو جہنم میں چلا گیا اس کا باہر آنا اب نہ ہوگا۔ حالانکہ گنہ گار مسلمان اپنے گناہوں کی سزا بھگت کر جنت میں داخل ہوں گے۔ مگر ان دونوں آیتوں کے آخر میں اس مسئلہ کو صاف کر دیا۔ جنت کے بارے میں فرمایا۔ عطاء غیر مجذوذ یعنی یہ عطیہ خداوندی اب قطع نہ ہوگا۔ جنت میں ایک دفعہ جانے والا اب ہمیشہ جنت میں رہے گا اور دوزخ کے متعلق فرمایا الا ماشاء ربك...... مگر وہ جو تیرا رب چاہے گا یعنی جس کو دوزخ سے نکالنا چاہے گا اس کو نکال لے گا اس لئے کہ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ جو چاہے کر لیتا ہے۔

(۵) قرآن کریم نے جزاء اعمال اور محاسبہ روز محشر کے لئے عام انسانوں کے متعلق فرمایا:

لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَیْهَا مَا اكْتَسَبَتْ (بقرہ نمبر۲۸۶) مگر انبیاء علیہم السلام کے متعلق فرمایا تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ (بقرہ نمبر۱۳۴) عام انسانوں کے حساب و کتاب میں نفع اور نقصان دونوں کا احتمال ہے اعمال صالحہ پر نفع اور ثواب جس کے لئے لھا کا کلمہ آیا لام نفع اور اعمال بد پر عذاب دیا جائے گا۔ جس

کے لئے فرمایا علیہا، علیٰ کا حرف بوجھ اور الزام کے لئے آتا ہے لیکن انبیاء کرام کے گناہ تو ہے ہی نہیں اس لئے اس کا حساب وکتاب اتمام حجت کیلئے صرف اتنا ہوگا کہ ان سے امت کے سامنے پوچھا جائے گا۔ ماذا اجبتم (المائدہ نمبر ۱۰۹) تمہاری بات تمہاری امت نے کس قدر مانی تھی۔ انبیاء علیہم السلام سے ایسے گناہ کا صدور ناممکن ہے جو باز پرس خداوندی کے لئے سبب بن سکے اس لئے وہاں صرف لہا فرمایا۔

(۶) سورۃ آل عمران آیت نمبر ۳۵ میں حضرت مریم علیہا السلام کی ماں کی دعا برائے فرزند میں کلمات یہ ہیں رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَكَ مَافِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا میں اگرچہ لڑکے کا ذکر نہیں مگر لفظ محرر ایک تو مذکر کا صیغہ ہے اور دوسرا یہ کہ وقف لڑکا ہی ہوا کرتا تھا نہ لڑکی، اس لئے خداوند قدوس نے ان کے جواب میں فرمایا: وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى یعنی جو لڑکا تو نے مانگا ہے وہ ایسا نہ ہوتا جو تجھے لڑکی دی گئی ہے۔

(۷) سورۃ النحل نمبر ۸ میں اپنی نعمتوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً ط گھوڑے اور خچر اور گدھے تینوں کو اکٹھا کر کے ان کے فوائد بیان فرمائے کہ ان کا فائدہ یہ ہے کہ ان پر تم سوار ہو سکو اور تمہارے لئے زینت کا سامان بھی ہیں۔ اس لئے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ گھوڑا حلال نہیں کہ اس کا ذکر مطعومات میں نہیں فرمایا۔

(۸) تعبیر کلمات کی طرح حرکات وسکنات کا بھی پورا لحاظ رکھا جاتا ہے۔ تب جا کر معارف کا دروازہ اللہ تعالیٰ کھولتے ہیں جیسا کہ سورہ بقرہ نمبر ۲۷۱ میں صدقات کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:۔

اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ ج وَاِنْ تُخْفُوْهَا

وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ط وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ
سَيِّئٰتِكُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ O

ترجمہ: اگر تم صدقے سامنے دو تو یہ اچھا ہے اور اگر تم پوشیدہ طور پر دو
اور فقراء کو پہنچا دو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اور اتار دے گا تم سے
تمہاری کچھ برائیاں اور اللہ تعالیٰ تمہارے عملوں سے باخبر ہے۔

اگر یُکَفِر کو مجزوم پڑھا جاتا تو معنٰی یہ ہوتا کہ اگر تم نے پوشیدہ طور پر فقراء کو صدقات دئے تو تمہارے گناہ تم سے مٹا دیئے جائیں گے یعنی۔ یُکَفِرُ جزاء شرط کی ہوتی۔ مگر قرآن حکیم کا یہ منشا نہیں بلکہ دونوں صورتوں میں صدقہ دینا گناہوں کا کفارہ ہے جس پر یُکَفِرُ پڑھا جاتا ہے کہ یہ علیٰحدہ جملہ ہے شرط کا اس سے تعلق نہیں۔

(۹) بعض ارشادات قرآنیہ بطور حکایت کے ہیں یعنی قرآن حکیم نے کسی اور کا عندیہ اور مقولہ ارشاد فرمایا ہے اللہ تعالیٰ کا اپنا وہ حکم نہیں جیسا کہ سورۃ یوسف علیہ السلام میں اِنَّ کَیْدَکُنَّ عَظِیْم کا جملہ موجود ہے اس سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ خداوند قدوس نے عورتوں کے مکر کو کید عظیم قرار دیا ہے یہ تو عزیز مصر کا قول ہے جس کو قرآن حکیم نے نقل فرمایا۔ خواتین کے مکر وفریب کو اس سے ثابت نہیں کیا جائے گا۔

(۱۰) اسی طرح ترجمہ کرتے وقت ان قواعد کا لحاظ رکھا جائے جن سے فائدہ کی عمومیت پیدا ہو اور کوئی اشکال کسی عقیدہ یا حکم پر واقع نہ ہو سکے۔ جیسا کہ سورۃ یوسف میں یوسف علیہ السلام کا عزیز مصر کی بیوی کو یہ جواب دینا۔

قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّىْ اَحْسَنَ مَثْوٰى (آیت نمبر ۲۳)

ترجمہ: کہا یوسف نے اللہ کی پناہ وہ تو میرا رب ہے میری تربیت بہت
اچھی فرمائی ہے۔

اگرانہ کی ضمیر کا مرجع عزیز مصر لیا جائے تو اس میں وہ جامعیت اور کمالیت باقی نہیں رہتی جو اللہ کو قرار دینے میں ہے اس لئے کہ اس سے ایک فائدہ تو یہ ہوگا کہ رب کا اطلاق غیر اللہ پر نہ کرنا پڑے گا۔ دوسرا یہ کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا اظہار شکر ہو جائے گا جس رب العالمین نے مجھے چاہ کنعان سے نکال کر مصر کے بادشاہ کے گھر اچھی تربیت میں رکھا ہے اس کی نافرمانی کیسے کر سکتا ہوں۔

یہ باب بڑا ہی وسیع ہے اور جس قدر ان قواعد کا لحاظ رکھا جائے گا اتنا ہی یہ باب سمجھ میں آتا جائے گا:

(۱۱) آیات قرآنی اور الفاظ قرآنی پر غور کرتے ہوئے محکی عنہ اور محکوم علیہ کی حیثیت اور کیفیت کا لحاظ کرنا بھی ضروری ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں عام انسانوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت جتلاتے ہوئے یہ فرمایا کہ وَعَلَّمَكُمْ مَّالَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ (بقرہ نمبر ۲۳۹) (ترجمہ) اور سکھایا تم کو وہ جو تم نہ جانتے تھے۔

اور سید دو عالم ﷺ کو بھی اپنی خصوصی نعمتوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا (النساء نمبر ۱۱۳) ان دونوں آیتوں میں جو کلمات آئے ہیں وہ ایک ہی طرز کے ہیں حالانکہ ان دونوں علموں میں فرق ہے۔ عامۃ الناس کو جو علم دیا وہ علم کسبی ہے اس کا حاصل کرنا لکھنے پڑھنے پر موقوف ہے مگر نبی کریم ﷺ کا علم وہبی ہے اور علم لدنی ہے جس میں پڑھنے لکھنے کا دخل مطلق نہیں۔ چنانچہ قرآن میں اس کی تشریح یوں موجود ہے کہ عام انسانوں کے متعلق فرمایا:۔

اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ الَّذِىْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ يَعْلَمْ ۝ (العلق نمبر ۳ تا ۵)

ترجمہ: پڑھ اور تیرا رب بڑا کریم ہے جس نے سکھایا قلم سے، سکھایا انسان کو جو وہ نہ جانتا تھا۔

مگر سید دو عالم ﷺ کے متعلق فرمایا:۔

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ○ (العنکبوت نمبر ۴۸)

ترجمہ: اور نہ پڑھتے تھے آپ اس سے پہلے کوئی کتاب اور نہ لکھتے تھے دائیں ہاتھ سے (اگر یوں ہوتا تو پھر تو) شبہ کر سکتے یہ جھوٹے۔

فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (بقرہ نمبر ۹۷)

ترجمہ: بے شک اس جبرئیل نے اتارا یہ قرآن آپ کے دل پر اللہ کے حکم سے۔

اس لئے عام انسانوں کے متعلق ترجمہ یہ ہوگا سکھایا تم کو جو تم نہ جانتے تھے مگر رسول اللہ ﷺ کے متعلق ترجمہ یہ ہوگا سکھایا آپ کو جو آپ نہ جان سکتے یعنی اگر آپ ساری انسانی طاقت بھی صرف کر دیتے تب بھی یہ علوم نبوت آپ حاصل نہ کر سکتے۔ جبکہ آپ نبی نہ ہوتے۔

علیٰ ہذا القیاس قرآن کریم کی سورۃ الزمر آیت نمبر ۳۰ میں سید دو عالم ﷺ کے بارے میں اور عام انسانوں کے بارے میں ارشاد فرمایا:۔

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ○

ترجمہ: آپ نے مرنا ہے اور انہوں نے بھی مرنا ہے۔

مگر محکی عنہ کے اعتبار سے موت کی دو قسمیں قرار دی جائیں گی آپ کی موت کی کیفیت اور ہے عام انسانوں کی موت کی کیفیت اور ہے۔ آپ کی موت ساتر حیات ہے دیکھنے والوں نے یہ سمجھ لیا کہ آپ پر موت آ گئی اور دوسروں کی موت قاطع حیات ہے یہی وجہ ہے کہ انکم میتون نہیں فرمایا جس کا معنیٰ یہ ہوتا کہ تم سب نے اے انسانوں مرنا ہے۔ اس کی مزید با دلیل وضاحت بانی دار العلوم دیوبند مولانا

محمد قاسم قدس سرہ نے اپنی کتاب آب حیات میں کی ہے۔ (ملاحظہ کرلی جائے)

سورۃ یوسف میں حضرت یوسف اور امراۃ العزیز کے متعلق یہ فرمایا:

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ (آیت نمبر ۲۴)

ترجمہ: یقینی بات ہے کہ عزیز کی بیوی نے پختہ ارادہ کرلیا آپ کے ساتھ اور یہ (یوسف علیہ السلام) ارادہ کر لیتے اس کے ساتھ۔ اگر نہ دیکھتے اپنے رب کی قدرت۔

اس آیت میں نبی علیہ السلام اور زلیخا کے متعلق لفظ ھم آیا ہے مگر دونوں کے ارادوں میں شدید فرق ہے اگر حضرت یوسف علیہ السلام رب کی قدرت کا مشاہدہ نہ کرتے تب بھی آپ کا ارادہ اس نوعیت کا نہ ہوتا جس نوعیت کا ارادہ زلیخا نے کیا تھا اس لئے کہ کسی کے ناموس پر ہاتھ ڈالنا گناہ کبیرہ ہے اور نبی علیہ السلام قبل از نبوت بھی اور بعد از اعطاء نبوت بھی گناہ کبیرہ سے محفوظ رہتے ہیں۔ اور فحشاء کا پختہ ارادہ جو کہ عزم سے گذر کر ھم کا مقام حاصل کر لے یہ بھی تو گناہ ہے جس سے نبوت کا محفوظ رہنا ضروری ہے۔ اسی طرح آمن کا کلمہ قرآن مجید میں پس وہ ایمان لایا کے معنی میں زیادہ طور پر آیا ہے مگر سورۃ العنکبوت آیت نمبر ۲۶ میں فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ کا معنی پھر مانا اس کو لوط نے کیا جائے گا۔ کیونکہ کسی نبی علیہ السلام۔ کے بارہ میں غیر ایمان کا تصور غلط ہے۔

معارف قرآنی سمجھنے کے لئے سب سے زیادہ جن اسباب کی ضرورت ہے وہ دو ہیں۔ پورے ارشادات قرآنی کا استحضار اور کلام الٰہی کے طرز اداء کا معجزانہ طریقہ پر غور و تدبر۔ اگر کسی خوش بخت کو یہ دو نعمتیں حاصل ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے پورے قرآن مجید کے معارف سے شناسا ہوسکتا ہے مزید تشریح کے لئے پھر ان دونوں کی ایک ایک مثال عرض ہے۔

استحضار آیات کا فائدہ! قرآن مجید کی مشہور آیت فَسَجَدُوْٓا اِلَّا

اِبْلِیْس (بقرہ نمبر۳۴) پر سوال کیا گیا ہے کہ جب سجدہ کا حکم فرشتوں کو تھا تو ابلیس کے انکار پر وہ کیوں مستوجب سزا ٹھہرا اس کی تشریح اور تفسیر میں کئی اقوال کہے گئے مگر استحضار آیات سے یہ سوال حل ہوسکتا ہے۔ اس آیت میں ذکر صرف فرشتوں کا ہے وَاذْقُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ (بقرہ نمبر۳۴) لیکن سورۃ اعراف آیت نمبر ۱۲ میں فرمایا اَلَّا تَسْجُدَاِذْ اَمَرْتُكَ اے ابلیس تو نے کیوں سجدہ نہ کیا جب کہ میں نے تجھے حکم دیا تھا۔ یہاں بالکل واضح ہے کہ حکم فرشتوں کے علاوہ ابلیس کو بھی ہوا تھا اور ابلیس کے متعلق فرمایا کَانَ مِنَ الْجِنِّ (کہف نمبر۵۰) یعنی جنات اور ملائکہ دونوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ مگر تغلیب کے طور پر ذکر ملائکہ کا فرما دیا اور جنات کا نہ فرمایا جیسا کہ قرآنی احکام مرد اور عورت دونوں کے لئے ہیں مگر قرآنی ارشادات تقریباً لفظ مذکر یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا پر مشتمل ہیں جو جمع مذکر کا صیغہ ہے۔

معارف قرآنی کا باب بڑا ہی وسیع ہے جس قدر قرآنی تلاوت اور کلام اللہ سے دلی تعلق اور ذوق ایمانی پیدا ہوگا اسی قدر معارف قرآنی سے ذہن منور ہوتا جائے گا اور یہی مطلب تدبر فی القرآن کا ہے اور اسی سے کلام اللہ کی جامعیت اور عظمت دلوں پر اثر انداز ہو جاتی ہے اس کی وضاحت میں ایک مثال درج کی جاتی ہے۔ قرآن حکیم نے سورۃ النحل نمبر ۱۰۱ میں نسخ آیات کے متعلق ارشاد فرمایا کہ یہ نسخ آیات ھُدًی وَّبُشْرٰی لِلْمُسْلِمِیْنَ ٥ ہے۔ اور دوسری بعض آیات میں قرآن مجید کو ھُدًی وَّبُشْرٰی لِلْمُؤْمِنِیْنَ ، شِفَآءٌ وَرَحْمَۃٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ فرمایا۔ اس کی حکمت اور فائدہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی ان آیات میں نسخ ہوا ہے جن کا تعلق عمل سے ہے اور عمل کی حیثیت سے اسلام کا لفظ ہی زیادہ مناسب ہے لیکن عقیدہ کے لحاظ سے لفظ ایمان مناسب ہے کیونکہ عقیدہ یقین کا نام ہے اور عقائد میں نسخ نہیں ہوا۔ واللہ اعلم۔

(۲۲) لغات القرآن

اس عنوان سے مراد نہ صرف قرآنی الفاظ اور کلمات کا معنی جاننا یا متعین کرنا ہے بلکہ یہ مفہوم اپنی وسعت کے اعتبار سے ان تمام قواعد اور ضوابط پر مشتمل ہے جن کا فہم قرآن کے لئے جاننا ضروری ہے جسے ہماری اردو کی اصطلاح میں قواعد یا گرائمر کہہ سکتے ہیں۔ ان قواعد اور ضوابط کو اساس بنائے بغیر قرآن کی تفسیر کرنا درست نہ ہوگا اس پر علماء سلف وخلف کا اجماع ہے۔

اس کی یہاں ایک مثال درج کی جاتی ہے مادعوا ماضی منفی کا صیغہ ہے۔ نہیں بلائے گئے وہ لیکن جب اس پر اذا کا حرف داخل ہوگا تو یہ ماضی منفی مثبت بن جائے گی اذامادعوا کا معنٰی ہوگا جب ان کو بلایا جائے۔ اس لئے اس باب میں لغت اور تمام متعلقات کا اجمالی ذکر کیا جاتا ہے جن کا سمجھنا ایک مترجم اور مفسر کے لئے ازبس ضروری ہے۔

فائدہ: جس طرح قرآن مجید کو اپنی ترتیب اور طرز ادا میں خصوصی ممتاز مقام اعجاز حاصل ہے، اسی طرح لغات قرآنی کو بھی ممتاز اعجازی مقام حاصل ہے۔ لغت القرآن کا مطلب یہ ہے کہ قرآنی لغت کو سمجھا جائے اور قرآنی لغت کو امام الکلام کا درجہ دیا جائے اس کا یہ مطلب نہیں کہ قرآنی ارشادات کو بندوں کے کلمات سے حل کیا جائے یہی وجہ ہے کہ۔

عربوں نے جناب رسول اللہ ﷺ کے مبعوث ہونے کے بعد لغت عرب میں کسی بھی اندراج لغت کو روک دیا تھا ان کا یہ عقیدہ ہو گیا کہ جب قرآن مجید جیسا مجموعہ فصاحت وبلاغت نازل ہو چکا ہے اب مزید کسی لغت کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ (الفہر ست ص ۷) اب لغت قرآن مجید کو اسلام میں دینی اعتبار سے مرکزی حیثیت اور مقام حاصل ہے جیسا کہ امام ارباب لغت القرآن امام راغب اصفہانی نے کہا:۔

قرآن کریم کے الفاظ لغت عرب کا مغز اور اس کا نچوڑ ہیں ان ہی پر فقہا اور حکام نے اپنے فیصلوں کی بنیاد رکھی" (مقدمہ ص ۲)

بلکہ نزول قرآن مجید کے بعد بلاغت اور فصاحت کا معیار بھی کلام اللہ ہی رہ گیا۔ جناب سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ نے جب عرب کے مشہور شاعر ابن ابی ربیعہ کا یہ مصرعہ سنا۔

وغاب قمیر کنت اهوی غروبه

تو اس پر تنقید کرتے ہوئے فرمایا:۔

اللہ شاعر کو مارے اس نے اس کلمے کو مُصَغَّر کر دیا جس کو قرآن نے مُکَبَّر فرمایا یعنی قرآن میں تو قمر آیا ہے مگر اس شاعر نے اس کو قمیر کہہ دیا۔ (اعراب القرآن ص ۱۷)

چنانچہ مشہور امام نحو ولغت عبدالملک بن قریب معروف بہ اصمعی م ۲۱۷ھ سے جب قرآنی آیات کی تفسیر پوچھی جاتی تو آپ لغوی بحث کرتے ہوئے یہ فرماتے۔

"عرب اس کا معنٰی یوں کرتے ہیں اور یوں۔ مگر قرآن اور حدیث میں اس سے کیا مراد ہے یہ میں نہیں جانتا"

یہی وجہ ہے کہ نزول قرآن مجید کے بعد خود عربوں نے بھی صاحب قرآن ﷺ کے قول ہی کو حجت سمجھا اور اس کی وجہ امام لغت ابن قتیبہ اور مفکر اسلامی ابن خلدون نے یہ بتائی ہے کہ:۔

ترجمہ: سارے عرب قرآنی معارف اور الفاظ غریبہ اور متشابہات کے سمجھنے میں برابر نہیں بلکہ ان میں سے ایک دوسرے سے علیحدہ ہیں۔ اس لئے عربوں کو (بھی) قرآن دانی کے لئے صرف

لغت عرب ہی کا جان لینا کافی نہ تھا بلکہ وہ بہت سے مسائل میں بسا اوقات ان ارشادات کے محتاج ہوتے جو سید دو عالم ﷺ سے توقیفی طور پر ثابت ہوں" جیسا کہ:۔

عسیٰ کا کلمہ عربی زبان میں کسی کام کے یقینی وقوع کے لئے نہیں آیا۔ مگر قرآن مجید میں جہاں بھی عسیٰ کا کلمہ آیا ہے وہ کام واقع ہو گیا صرف سورۃ تحریم کی آیت نمبر ۵ مذکورہ عسیٰ کا وقوع نہیں ہوا اس لئے یہاں مشروط تھا جس کا مطلب یہ کہ اگر سید دو عالم ﷺ ازواج مطہرات کو طلاق کر دیتے تو ان سے بہتر آپ کے عقد مبارک کا شرف حاصل کر لیتیں مگر چونکہ آپ نے ان کو طلاق نہ دی اس لئے جزاء واقع نہ ہوئی۔

اَیَّامَ اللّٰہ کا لفظی معنی عربی زبان میں اللہ کے دن ہیں مگر قرآن حکیم میں ان سے مراد قوموں کی عزت اور ذلت کا زمانہ مراد ہے اس کی مثالیں قرآن مجید میں موجود ہیں۔

لعل کا کلمہ عربی زبان میں شاید کے معنیٰ میں آتا ہے جس میں شک ہوتا ہے۔ مگر کلام خداوندی میں اس کا معنی یقین ہی کا لیا جاتا ہے جیسا کہ نافرمان کی موت کے وقت اس کی دلی خواہش کی تعبیر کرتے ہوئے فرمایا۔

قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ۝ لَعَلِّیْ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَکْتُ

(المؤمنون نمبر ۹۹،۱۰۰)

ترجمہ: کہے گا اے میرے رب مجھے لوٹا دیجئے تاکہ میں نیکی کا کام کروں اس مال میں جو میں نے چھوڑا ہے۔

علمائے تفسیر نے فرمایا ہے کہ سارے قرآن مجید میں لعل کا کلمہ یقینی سبب کے لئے آیا ہے صرف سورۃ الشعراء کی آیت نمبر ۱۲۹ میں تشبیہ کے لئے آیا ہے۔

ارشاد قرآنی ہے۔

وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ (ترجمہ) اور بناتے ہو تم کاریگری کی عمارتیں جیسا کہ تم نے ہمیشہ رہنا ہے۔

احزاب کا لفظی معنی حزب کی جمع گروہ ٹولہ خواہ وہ نیکوں کا ہو یا بدوں کا۔ لیکن قرآن مجید میں اس سے مراد منکروں کا وہ ٹولہ ہے جس نے ہمیشہ انبیاء علیہم السلام کی تکذیب اور مخالفت کی۔ ارشاد قرآنی ہے۔

وَلَمَّارَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْ هٰذَا مَاوَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ (الاحزاب نمبر۲۲)

ترجمہ: اور جب دیکھا مومنوں نے کفار کی جماعتوں کو کہا یہ تو وہ ہیں جن کا وعدہ کیا ہمارے ساتھ اللہ نے اور اس کے رسول نے۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌوَّفِرْعَوْنَ ذُوالْاَوْتَادِ ۝ وَثَمُوْدُوَقَوْمُ لُوْطٍ وَاَصْحٰبُ الْاَيْكَةِاُولٰٓئِكَ الْاَحْزَابُ ۝

(ص نمبر۱۲،۱۳)

ترجمہ: جھٹلایا ان سے پہلے قوم نوح نے اور عادیوں نے اور میخوں والے فرعون نے اور ثمودیوں نے اور لوط کی قوم نے اور بن والوں نے یہ سب کے سب کافروں کے گروہ ہیں۔

فائدہ: حزب کا کلمہ حزب الشیطان اور حزب اللہ دونوں کے لئے سورۃ المجادلہ میں آیا ہے۔

اَصَابَ کا معنی درست کیا صواب سے بنایا گیا ہے۔ قرآن مجید میں زیادہ تر مصیبت کے پہنچنے اور پہنچانے کے معنی میں آیا ہے فرمایا فاصابھم (النمل نمبر۳۴ ھود نمبر۸۱) اسی طرح اخذ کا لفظی معنی پکڑنا پکڑا ہے۔ مگر قرآنی ارشادات

میں اگر مطلقاً اخذ کا کلمہ آیا ہے تو اس کا معنی عذاب ہلاکت ہے فرعون کے متعلق فرمایا فاخذہ اللّٰہ (النازعات نمبر ۲۵) اور اس کے ساتھ اگر ذنب کا ذکر ہو تو مراد صرف عذاب ہے ہلاکت نہیں۔

نفقہ کا لفظی معنٰی مطلقاً خرچ کرنا ہے مگر قرآن کریم میں اس کلمہ سے مراد انفاق فی سبیل اللہ ہے یا وہ خرچ جو حکم خداوندی کے مطابق ہو۔

مطر سے عرف اور لغت میں بارش مراد ہے مگر قرآنی ارشادات میں اس سے مراد پتھروں کی وہ بارش جو نافرمانوں پر ہوئی ارشاد قرآنی ہے وَاَمْطَرْنَا عَلَیْھِمْ مَّطَرًا (اعراف نمبر ۸۴) اور ہم نے ان پر خاص بارش برسائی (پتھراؤ کیا)

ولد کا معنی عربی زبان اور عرف میں بیٹا ہے مگر قرآنی ارشادات میں اس سے مراد مطلقاً اولاد ہے یعنی بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی وغیرہ۔ آیت میراث میں فرمایا وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ وَلَدٌ ○

اَلَمْ تَرَ کا لفظی معنی کیا نہیں دیکھا تو نے۔ مگر قرآنی ارشاد میں اس کا معنی کیا نہیں جانتا تو۔ یعنی یہ واقعہ اس قدر مشہور ہے کہ باوجود کافی زمانہ گزرنے کے آج تک اس میں کوئی شک نہیں کرتا گویا یہ سب اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے والے ہیں۔ فرمایا اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ○ (الفجر نمبر ۶)

غلام کا لفظی اور عرفی معنی تو غلام بمعنٰی عبد کے ہے مگر قرآن مجید میں یہ کلمہ گیارہ دفعہ آیا ہے سب آیات میں اس سے مراد لڑکا ہے۔ غلام کے لئے عربی زبان میں متبادر عبد کا کلمہ ہے۔

زعم کا لفظی معنی گمان کیا ہے۔ مگر قرآنی اصطلاح میں اس سے مراد جھوٹ کہا گیا ہے۔

مرض کا معنی عام طور پر بدنی بیماری لیا جاتا ہے مگر قرآن مجید میں اس سے

مراد دو جگہ زنا کی عادت بد ہے اور دوسری آیات میں اس سے مراد قلبی بیماری نفاق لیا گیا ہے۔

حفظ فرج کا لفظی معنی فرج یعنی شرمگاہ کی حفاظت ہے قرآن کریم میں جہاں حفظ فرج کا حکم آیا ہے اس سے مراد زنا سے باز رہنے کا حکم ہے البتہ سورۃ نور کی آیت نمبر ۳۰ میں حفظ فرج سے مراد ستر عورت ہے یعنی اپنی شرمگاہوں کو دوسروں کی نظروں سے پوشیدہ رکھنا ضروری ہے جس سے مراد ستر عورت ہے۔

ملکوت کا لفظ اگرچہ ملک کا مبالغہ ہے مگر اس سے مراد صرف ملک ہی ہے۔ ساری کائنات کا مالک حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور یہ کلمہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔

یوم کا لفظ عربی زبان میں دن کے لئے آتا ہے مگر قرآن مجید میں اس سے اکثر آیات میں یوم قیامت ہی مراد ہے چند آیات میں دنیاوی زندگی بھی مراد ہے جیسا کہ سورۃ النمل میں وَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ میں اس یوم سے مراد دنیا کی زندگی ہے یا سورۃ المائدہ میں اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ میں لفظ یوم سے مراد وہ خاص دن یا سید دو عالم ﷺ کی حیات طیبہ مراد ہے۔

عرض کا معنی جسم میں طول کے مقابل آتا ہے مگر قرآن حکیم کی سورۃ الحدید آیت نمبر ۲۱ میں مطلقاً وسعت کے لئے فرمایا وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ (ترجمہ) اس جنت کے لئے کوشش کرو جس کی وسعت آسمانوں اور زمین جتنی ہے۔

اسی قاعدہ کے ضمن میں وہ کلمات قرآنی بھی ہیں جن کے معانی شریعت اسلامیہ نے مقرر کر دیئے ہیں اب ان کو شرعی لغت سے ہٹا کر لسانی لغت میں سمجھنا اور سمجھانا تحریف ہوگی۔ باب عقائد میں ایمان اسلام، کتاب، ملائکہ، جنت نار وغیرہا

اور باب عبادات میں صلوٰۃ زکوٰۃ، صوم، حج، طواف، سعی رکوع، سجود وغیرہ اور عائلی احکام میں رضاعت، حمل، نکاح، طلاق، عدت وغیرہ، جملہ کلمات قرآنیہ کی تفسیر اسی ضابطہ سے ہوگی جو شارع اسلام جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے مقرر فرمایا ہے۔

علیٰ ہذا القیاس قرآنی کلمات کا ترجمہ کرتے وقت قرآنی طرز ارشاد کا لحاظ ضروری ہے۔ مثلاً قرآن مجید میں خیر کا کلمہ پنجابی خیر یا فارسی خیر کا کلمہ نہیں کہ کرنا نہ کرنا برابر ہے بلکہ قرآن مجید کا کلمہ خیر شر کا مقابل ہے جس کا معنی ضروری ہوگا۔

(ب) متقارب المعنی کلمات کا فرق۔ قرآن حکیم میں بعض کلمات ایسے ہیں جو بظاہر متقارب المعنی معلوم ہوتے ہیں مگر ان کے معانی اور مصداق میں کافی فرق ہے جیسا کہ:۔

لفظ ولد اور مولود بظاہر ایک ہی معلوم ہوتے ہیں لیکن ان میں فرق ہے ولد کا اطلاق تو مطلقاً اولاد پر ہوتا ہے۔ بیٹا، پوتا الیٰ آخرہ اس میں شامل ہے مگر مولود کا اطلاق صرف اپنی اولاد یعنی بیٹے اور بیٹی پر ہوگا۔ فرمایا وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ (بقرہ نمبر ۲۳۳)

ضرر اور اذی بظاہر ایک ہی نظر آتے ہیں۔ مگر ضرر سے مراد عموماً وہ دکھ اور تکلیف ہے جس کا اثر انسانی بدن پر ہو جیسا کہ اندھے اور لنگڑے کو فرمایا اولی الضرر (النساء نمبر ۹۵) اور اذی سے مراد وہ تکلیف اور دکھ لیا جاتا ہے جس کا حملہ دل و دماغ پر ہو فرمایا لَنْ يَضُرُّوكُمْ اِلَّا اَذًى (آل عمران نمبر ۱۱۱) یہ کافر تم کو صرف ذہنی کوفت ہی پہنچا سکتے ہیں۔

بخس اور نقص دونوں ایک معلوم ہوتے ہیں مگر بخس کا معنی کھوٹ یعنی کیفیت میں کمی جیسا کہ فرمایا کہ برادران یوسف علیہ السلام نے حضرت یوسف کو گنے ہوئے کھوٹے سکوں کے عوض بیچ دیا تھا وشروہ بثمن بخس دراھم

معدودة (یوسف نمبر۲۰) اور نقص کا کلمہ کمی نقصان پر بولا جاتا ہے جس کو کم تولنا کم ناپنا کہا جاتا ہے۔قوم شعیب علیہ السلام ان دونوں گناہوں کی مرتکب تھی فرمایا:۔
وَلَاتَنْقُصُواالْمِکْیَالَ وَالْمِیْزَانَ (ھود نمبر۸۴) وَلَاتَبْخَسُوْاالنَّاسَ اَشْیَآءَ ھُمْ (الشعراء نمبر۱۸۴) الباساء والضراء، الباساء کا کلمہ مال میں نقصان اور الضراء کا جانی نقصان کے لئے ارشاد فرمایا ہے:۔

عذاب وعقاب اگرچہ دونوں کلمے دنیاوی اور اخروی سزا کے لئے ارشاد فرمائے گئے مگر لفظ عذاب عام ہے دنیاوی عذاب کے لئے بھی آیا ہے فرمایا فَکَیْفَ کَانَ عَذَابِیْ وَنُذُرِ (القمر نمبر۳۰) اور اخروی عذاب کے لئے بھی آیا ہے فرمایا وَقِنَا عَذَابَ النَّار (بقرہ نمبر۲۰۱) لیکن عقاب کا کلمہ عموماً دنیاوی عذاب کے ساتھ مخصوص کیا گیا ہے فرمایا فَکَیْفَ کَانَ عِقَاب○ پس کیسے ہوئی ان کی دنیا میں میری پکڑ۔

آنس ونظر بظاہر دونوں دیکھنے کے معنی میں لئے گئے لیکن آنس کا معنی باطنی طور پر دیکھنا یعنی محسوس کرنا اس کا تعلق دیکھنے والے کے وجدان سے ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور پر تجلی دیکھتے ہوئے فرمایا تھا اِنِّیْ اٰنَسْتُ نَارًا○ میں نے آگ کو محسوس کیا اس لئے کہ وہاں دراصل آگ موجود ہی نہ تھی

انزال وتنزیل اگرچہ دونوں کا مادہ ایک ہے مگر انزال کا معنی دفعۃً واحدۃً اتارنا اور تنزیل کا معنی تھوڑا تھوڑا اتارنا کیونکہ توراۃ اور انجیل ایک ہی مرتبہ نازل ہوئی ہیں اس لئے ان کے لئے انزلنا فرمایا اور قرآن مجید حضور انور ﷺ پر تھوڑا تھوڑا اترا ہے اس کے لئے تنزیل فرمایا دونوں کی اکٹھی مثال سورۃ النساء کی آیت نمبر ۱۳۶ فرمایا وَالْکِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَالْکِتٰبِ الَّذِیْ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ

یدخلون اور یصلون۔ یدخلون کا کلمہ عام ہے جنت اور دوزخ کے

داخلہ کے لئے۔مگر یصلون کا معنی آگ میں جلنے کے لئے داخل ہوں گے۔فرمایا
سَیَصْلٰی نَارًاo (لہب)
بر وتقویٰ کا بظاہر مفہوم ایک ہی معلوم ہوتا ہے مگر بر کا تعلق زیادہ تر نیکی کے کام کرنے کے ایجابی پہلو سے ہے اور تقویٰ کا تعلق زیادہ تر برائی سے بچنے کے ساتھ ہے۔ (واللہ اعلم)

حرکات اور سکنات کے معمولی فرق سے بھی معانی بدل جاتے ہیں اس لئے مترجم اور مفسر کو اس قاعدہ کا سمجھنا نہایت ضروری ہے اس قاعدہ کا لحاظ نہ کرنے سے بعض بہ تکلف مفسر بننے والوں نے شدید ٹھوکر کھائی ہے جیسا کہ ایک مترجم نے ثم اور ثم کو ایک ہی سمجھ لیا حالانکہ ثُمَّ کا معنی وہاں اور ثُمَّ کا معنی پھر ہے۔ایک دوسرے مفسر نے حج میں ذبح ہونے والی قربانی الھدی کا ترجمہ ہدایہ تحفہ کر دیا۔ایسی سینکڑوں غلطیاں کی گئی ہیں۔اللہ تعالیٰ صحیح سمجھ نصیب فرمادے۔اس موضوع کو مفصل طور پر سمجھنے کے لئے میری کتاب دینی لغات کا مقدمہ ملاحظہ فرماویں۔ یہاں چند کلمات درج کئے جاتے ہیں۔

کلمات	محل ذکر	معانی
اَبَا (نا)	یوسف نمبر ۱۱	باپ
اَبًّا	عبس نمبر ۳۱	چارہ گھاس
اَحَقُّ	بقرہ نمبر ۲۲۸	زیادہ مستحق حقدار
اَحَقٌّ	یونس نمبر ۵۳	کیا یہ بات حق ہے؟
اِفْتَرٰی	آل عمران نمبر ۹۴	جھوٹ کہا جھوٹ بنایا۔
اَفْتَرٰی	سباء نمبر ۸	کیا جھوٹ کہا اس نے؟

اِصْطَفٰی	آل عمران نمبر۲۴	چن لیا
اَصْطَفٰی	الصافات نمبر۱۵۳	کیا چن لیا
اُوْلٰی	والضحیٰ نمبر۴	پہلی حالت دنیا
اَوْلٰی	احزاب نمبر٦	زیادہ حقدار
اَجَلٌ	اعراف نمبر۴۴	وقت مقرر
اَجْلٌ	المائدہ نمبر۳۲	وجہ۔سبب
بَعِدَتْ	ہود نمبر۹۵	ہلاک ہوئی قوم ثمود
بَعُدَتْ	توبہ نمبر۴۲	دور دراز ہوگئی۔
جَنَّةٌ	بقرہ نمبر۳۵	باغ۔ جنت
جِنَّةٌ	اعراف نمبر۱۸۴	جنون اور دماغی خلل
جُنَّةٌ	مجادلہ نمبر۱٦	ڈھال
حُمُرٌ	فاطر نمبر۲۷	حمر کی جمع لال رنگ والے
حُمُرٌ	المدثر نمبر۵۰	حمار کی جمع گدھے
حَجَرٌ	بقرہ نمبر٦۰	پتھر
حِجْرًا	الفرقان نمبر۲۲	پناہ۔بچاؤ
حَزَنٍ	القصص نمبر۸	غم میں ڈالنے والا
حَزَنًا	توبہ نمبر۹۳	غم،رنج،فکر
خَطَاءً	النساء نمبر۹۲	غلطی بلا ارادہ گناہ
خِطَاءً	بنی اسرائیل نمبر۳۱	بلا ارادہ گناہ کبیرہ

خَلَقَ	بقرہ نمبر۱۶۴	پیدائش، بنانا
خُلُقُ	الشعراء نمبر۳۸	پرانی عادت
دَاَبًا	یوسف نمبر۴۷	خوب کوشش اور محنت کرنا
دَابُ	آل عمران نمبر۱۱	عادت
دِیَارِ	بقرہ نمبر۲۴۳	گھر (جمع)
دَیَّارًا	نوح نمبر۲۶	بسنے والا (مفرد)
رُوْح	بنی اسرائیل نمبر۸۵	انسانی روح زندگی
رَوْح	یوسف نمبر۸۷	رحمت
سُوًی	طٰہٰ نمبر۵۸	ہموار برابر (اسم)
سَوّٰی	الاعلیٰ نمبر۲	فعل۔ٹھیک بنایا
شِفَاءَ	النحل نمبر۹۶	تندرستی بیماری سے شفاء
شَفَا	آل عمران نمبر۱۰۳	کنارہ
صِدِّیق	یوسف نمبر۴۶	سچ پر عمل کرنے والا
صَدِیق	نور نمبر۶۱	دوست
ضُرٌّ	الانبیاء نمبر۸۳	تکلیف، بیماری، بلا
ضَرًّا	المائدہ نمبر۷۶	نقصان
طَوْل	النساء نمبر۲۵	طاقت، استطاعت
طُوْل	بنی اسرائیل نمبر۳۷	لمبائی
عِدَّة	توبہ نمبر۳۶ الطلاق نمبر۱	تعداد۔گنتی۔عدت شرعی

عُدَّۃَ	توبہ نمبر ۴۶	تیاری
غَرُوْر	فاطر نمبر ۵	شیطان
غُرُوْر	احزاب نمبر ۱۲	دھوکہ
کُفَّارًا	بقرہ نمبر ۱۰۹	کافر کی جمع مومن کا مقابل
کُفَّارَ	الحدید نمبر ۲۰	کاشتکار
لَاتَ	ص نمبر ۳	نہیں
لَاٰتٍ	انعام نمبر ۱۳۴	ضرور آنے والا ہے
مِصْرًا	بقرہ نمبر ۶۱	کوئی بھی شہر
مِصْرَ	یوسف نمبر ۹۹	خاص مصر کا شہر
نَصَبٌ	توبہ نمبر ۱۳۰	تکلیف بے چینی
نُصُبٌ	المائدہ نمبر ۳	بتوں کے تھان
وَرَقُ	طٰہٰ نمبر ۱۲۱	پتہ درخت کا
وَرِقُ	کہف نمبر ۱۹	چاندی کا سکہ
هُوْدًا	بقرہ نمبر ۱۳۵	یہودی
هُوْد	ہود نمبر ۵۰	ایک نبی علیہ السلام کا نام ہے
یُدْعَوْنَ	آل عمران نمبر ۲۳	وہ بلائے جائیں گے
یُدَعُّوْنَ	طور نمبر ۱۳	وہ دھکیلے جائیں گے
یَفْرَقُوْنَ	توبہ نمبر ۵۶	وہ ڈرتے ہیں
یُفَرِّقُوْنَ	بقرہ نمبر ۱۰۲	وہ جدائی ڈالتے تھے

ہ: ایک کلمہ کے متعدد معانی۔قرآنی الفاظ میں ایسے کلمات بھی کثرت سے ہیں کہ علیحدہ علیحدہ آیات میں ان کے علیحدہ علیحدہ معانی مراد لئے جاتے ہیں اس لئے ان کے سب معانی کا جاننا بھی ضروری ہے دینی لغات ہی سے یہاں چند کلمات درج کئے جاتے ہیں تاکہ قرآنیات کا طالبعلم اس کی اہمیت کو سمجھ سکے۔

کلمات	محل ذکر	معانی (مراد)
اِمَامٍ	الحجر نمبر ۷۹	راستہ
	بقرہ نمبر ۱۲۴	پیشوا راہ نما
اُمَّۃٌ	بقرہ نمبر ۲۱۳	ایک گروہ جماعت
	یوسف نمبر ۴۵	مدت عمر
اَمر	توبہ نمبر ۴۸	دین اسلام
	ہود نمبر ۴۰	بات، حکم
	نمبر ۴۴	عذاب
	آل عمران نمبر ۴۷	حضرت مسیح علیہ السلام
	انفال نمبر ۴۲	بدر میں کفار کا قتل
	توبہ نمبر ۲۴	فتح مکہ
	بقرہ نمبر ۱۰۹	بنوقریظہ کا قتل بنونضیر کی جلاوطنی
	النمل نمبر ۱	قیامت
	الم السجدہ نمبر ۵	وحی
	یونس نمبر ۶	قضا احکام
	انفال نمبر ۴۴	پیدائش کا حکم
	آل عمران نمبر ۱۵۴	فتح ونصرت
	المائدہ نمبر ۹۵	گناہ

بَلاءٌ	الصافات نمبر ۱۰۶	آزمائش
	انفال نمبر ۱۸	بدلہ
	بقرہ نمبر ۴۹	مصیبت
	الدخان نمبر ۳۳	نعمت
بَصِیرَۃ	القیامۃ نمبر ۱۴	دیکھنے والا زیادہ باخبر
	یوسف نمبر ۱۰۸	سمجھ، یقین
تَقِیًّا	مریم نمبر ۱۸	پرہیزگار
	نمبر ۶۳	ڈرنے والا
ثَانِیٌ	توبہ نمبر ۴۰	دوسرا
	الحج نمبر ۹	پھیرنے والا
جَبَّارٌ	الذاریات نمبر ۴۵	زبردستی کرنے والا
	الحشر نمبر ۲۳	غلطی کو درست کرنے والا
حَمِیم	الرحمٰن نمبر ۴۴	گرم پانی
	حم السجدہ نمبر ۳۴	دلی دوست
خِلَاف	الشعراء نمبر ۴۹	جانب مخالف
	بنی اسرائیل نمبر ۷۶	بعد پیچھے
خَفِیٌّ	مریم نمبر ۳	پوشیدہ آہستہ
	الشوریٰ نمبر ۴۵	ذلیل
رُوح	بنی اسرائیل نمبر ۸۵	جسم کا روح حیات
	قدر نمبر ۴	جبریل امین

رُوح	ص نمبر۷۲	پھونکنا
	المومن نمبر۱۵	بھید
زَوج	بقرہ نمبر۳۵	بیوی
	نمبر۲۳۰	خاوند
	ق نمبر۷	جوڑہ ہم جنس
سَمَاءِ	بقرہ نمبر۱۹	آسمان
	نمبر۲۲	بلندی
	الحج نمبر۱۵	چھت
شَکُور	فاطر نمبر۳۰	قدردان شکر قبول کرنے والا (اللہ تعالیٰ)
	بنی اسرائیل نمبر۳	شکر کرنے والا (بندہ)
صَالِحًا	بقرہ نمبر۶۲	نیک کام۔نیکی
	اعراف نمبر۱۸۹	سالم۔کامل
	نمبر۷۵	ایک نبی کا نام ہے علیہ السلام
ضَلَال	الجمعہ نمبر۲	گمراہی
	یوسف نمبر۹۵	غلطی، نافہمی
عَزِیز	یوسف نمبر۳۰	عزیز مصر
	الحشر نمبر۲۳	اللہ تعالیٰ کا وصفی نام
	ہود نمبر۹۱	غالب
	توبہ نمبر۲۸	گراں
	الدخان نمبر۴۹	متکبر

فُلْك	ہود نمبر ۳۷	کشتی
	النمل نمبر ۱۴	کشتیاں
قَوَاعِد	النمل نمبر ۲۶	بنیاد۔ اساس
	النور نمبر ۶۰	قاعدہ کی جمع بوڑھی عورتیں
کَلِمَه	النساء نمبر ۱۷۱	حضرت مسیح علیہ السلام
	الزخرف نمبر ۲۸	کلمہ شہادت
	اعراف نمبر ۳۷	بنی اسرائیل کی فتح فرعون پر
	توبہ نمبر ۴۰	لا الہ الا اللہ
	ہود نمبر ۱۱۹	کفار کا داخلۂ جہنم
	توبہ نمبر ۴۰	مشرکوں کا دین اور نظریہ
	المومنون نمبر ۹۹	کلام حسرت بوقت موت
کُفَّار	بقرہ نمبر ۱۰۹	کافر
	الحدید نمبر ۲۰	کاشتکار
مُؤمِن	یوسف نمبر ۱۷	ماننے والا
	الحشر نمبر ۲۳	امن دینے والا
	الم السجدہ نمبر ۱۸	ایمان والا
وَرَاء	الدہر نمبر ۹	پیچھے
	المومنون نمبر ۱۰۰	آگے
	ہود نمبر ۷۱	پوتا
وَارِد	مریم نمبر ۷۱	گذرنے والا
	یوسف نمبر ۱۹	پنہارا

فائدہ: جیسا کہ پہلے اشارۃً گذر چکا ہے کہ قرآن عزیز کے مطالب اور مخالف سمجھنے کے لئے کئی علوم کی ضرورت ہے جن میں سے صرف، نحو، معانی، بدیع، علم، عقائد، فقہ سرفہرست ہیں اس لئے یہاں چند ضروری احکام درج کئے جاتے ہیں۔

۵: صلہ کے بدلنے سے معنی کی تبدیلی۔ قرآن حکیم میں بعض ایسے کلمات بھی ہیں جن کے معانی صلہ کے بدلنے سے بدل جاتے ہیں۔ اس لئے ترجمہ اور تفسیر کے لئے ہر کلمہ کے بعد آنے والے صلہ کا معلوم کرنا ضروری ہے جیسا کہ قرآنی ارشادات کے لئے سیاق وسباق کا جاننا ضروری ہے مثلاً

(۱) لفظ قول اور اس کے جملہ مشتقات کا معنی کہنا ہے۔ لیکن جب ان کے بعد حرف استفہام آجائے گا تو اب معنی پوچھنا۔ سوال کرنا ہوگا۔ جیسا کہ فرمایا قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَد (اخلاص نمبر۱) آپ فرما دیجئے اللہ تعالیٰ یکتا ہے لیکن جب اس کے بعد ہمزہ استفہام کا آیا جیسا کہ فرمایا قُلْ ءَ اَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰه (بقرہ نمبر۱۴۰) آپ ان سے پوچھئے کیا تم بہتر جانتے ہو یا اللہ تعالیٰ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْن (الملک نمبر۲۵) اور پوچھتے ہیں یہ قیامت کا وعدہ کب آئے گا۔ اگر تم سچے ہو۔

(۲) توبہ اور اس کے مشتقات کا صلہ اگر الیٰ ہو یا بغیر صلہ کے ہوں تو معنی گناہ اور نافرمانی سے اطاعت کی طرف لوٹنا، رجوع کرنا ہے اس کا موصوف بندہ ہوگا حَتّٰى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّیْ تُبْتُ الْئٰنَ ○ (النساء نمبر۱۸) (ترجمہ) حتی کہ جب ان میں سے کسی کو موت آپہنچتی ہے تو کہتا ہے، میں نے اب توبہ کی قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ ○ (الاعراف نمبر۱۴۳) کہا موسیٰ علیہ السلام نے تو پاک ہے میں نے توبہ کی تیرے حضور لیکن جب اس کے بعد علیٰ کا کلمہ آجائے تو اب اس کا موصوف خداوند قدوس کی ذات ہوگی اور معنی ہوگا ناراضگی سے رحمت کی طرف لوٹنا فرمایا فَتَابَ عَلَيْه (بقرہ نمبر۳۷) اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی توبہ

قبول کی یعنی اپنی ناراضگی سے رجوع کرلیا۔ رحمت کی طرف۔

(۳) اگر اولیٰ کے بعد با کا حرف ہوگا تو معنی زیادہ حقدار، زیادہ مستحق، زیادہ بہتر فرمایا اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ (الاحزاب نمبر۶) نبی کریم ﷺ مسلمانوں پر زیادہ حق رکھتے ہیں ان کی جانوں سے بھی۔ لیکن جب اس کے بعد لام آجائے گا تو معنی ہلاکت اور بربادی ہوگا فرمایا فَاَوْلٰی لَھُمْ (محمد نمبر۲۰) سو ہلاکت ہے ان کے لئے اَوْلٰی لَکَ فَاَوْلٰی ثُمَّ اَوْلٰی لَکَ فَاَوْلٰی (القیمۃ نمبر ۳۴ تا نمبر۳۵) سو خرابی ہے تیرے لئے خرابی پر پھر خرابی ہے۔ تیرے لئے خرابی ہو۔

(۴) رغبت اور اس کے مشتقات کے بعد اگر عن کا کلمہ آجائے تو معنی ہے اعراض کرنا منہ پھیرنا اور اگر الیٰ آجائے تو معنی ہے رجوع کرنا۔ محبت اور رغبت کرنا۔ فرمایا وَمَنْ یَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّۃِ اِبْرَاھِیْمَ اِلَّا مَنْ سَفِہَ نَفْسَہٗ (بقرہ نمبر۱۳۰) اور ملت ابراہیم سے وہی منہ موڑتا ہے جو اپنے بھلے سے بے خبر ہو۔ وَاِلٰی رَبِّکَ فَارْغَبْ (الم نشرح نمبر۸) اور اپنے رب کی طرف دل لگا۔

(۲۳) متعلقات جملہ کا حذف

قرآن مجید میں حذف و ایجاز بھی پایا جاتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کے مختصر سے ارشادات میں معارف اور حکمت کے دریا سموئے ہوئے ہیں۔ اس موضوع پر علماء کرام نے کافی کتابیں لکھی ہیں۔ علامہ عبدالعزیز بن عبدالسلام م ۶۶۰ھ کی کتاب کتاب الاشارۃ اگرچہ مختصر ہے مگر بڑی جامع اور مفید ہے چند آیات ذکر کی جاتی ہیں۔

(۱) دو متکلموں کے کلام کو یکجا کر دیا فرمایا وَلَا یَحْزُنْکَ قَوْلُھُمْ اِنَّ الْعِزَّۃَ لِلّٰہِ جَمِیْعًا (یونس نمبر۶۵) اس ارشاد میں کافروں کا قول ذکر نہیں ان العزۃ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔ اور ان کے قول کا جواب ہے ترجمہ یہ ہے اور آپ کے خلاف کافروں کا کہنا آپ کو غمناک نہ کرے۔ بیشک عزت سب اللہ ہی کی ہے۔

قَالُوا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوا الْحَقَّ (السباء نمبر ۲۳)

وہ فرشتے ان سے پوچھیں گے کیا کہا تمہارے رب نے، کہیں گے کہا اس نے حق۔ یہاں الحق سے پہلے قال محذوف ہے۔

(۲) شرط کا ذکر نہیں فرمایا اور مشروط کا ذکر فرما دیا جیسا کہ مشرکوں کی بت پرستی کو بیکار ثابت کرتے ہوئے فرمایا اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ ○ (الشعراء نمبر ۷۳)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کو بت پرستی کی بیہودگی سمجھائی کیا یہ معبودات باطلہ تم کو نفع دیتے ہیں۔ اگر تم ان کی عبادت کرو یا نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ اگر ان کی عبادت چھوڑ دو۔ یہ جلی عبارت بطور شرط کے ہے جس کا ذکر کلام میں نہیں فرمایا۔

(۳) بعض متعلقات محذوف ہوتے ہیں جیسا کہ انار اور زیتون کے متعلق فرمایا وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ (انعام نمبر ۱۴۲) زیتون اور انار آپس میں ملتے جلتے بھی ہیں اور نہیں بھی ملتے جلتے یعنی پتوں کی ساخت اور رنگت میں تو زیتون اور انار ایک جیسے ہیں۔ مگر پھل کی کیفیت اور مزہ وغیرہ میں نہیں ملتے جلتے۔

کفار کے متعلق شیطان کے وساوس اور اس کی راہ نمائی کا ذکر یوں فرمایا فَزَيَّنُوا لَهُمْ مَّا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ (حم السجدہ نمبر ۲۵) پس شیطان نے ان کی نظر میں خوبصورت کر دکھایا جو ان کے آگے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے۔

یہاں پر ما سے مراد محذوف ہے اور وہ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ سے دنیاوی لذائذ اور مسرتیں اور خواہشات نفس اور ما خلفھم سے مراد قیامت کا انکار یعنی ان کو قیامت کا انکار لذیذ محسوس ہوتا ہے۔

(۴) بعض جگہ پورا فعل محذوف ہوتا ہے جیسا کہ سورۃ مریم نمبر ۷ میں فرمایا:
یٰزَکَرِیَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِۨ اسْمُهٗ یَحْیٰی اس سے پہلے حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا ہے کہ اے اللہ مجھے پاکیزہ اولاد عطا کر اس کا یہ آیت جواب ہے تو یہاں پر قال یا قلنا محذوف ہے۔ اسی طرح اس کے بعد والی آیت یٰیَحْیٰی خُذِ الْکِتٰبَ بِقُوَّۃٍ سے پہلے بھی فعل محذوف ہے نقول لہ ہم اس سے کہیں گے۔

(۵) بعض آیات کی ابتداء جملہ شرطیہ سے ہوتی ہے مگر حرف شرط ذکر نہیں ہوتا (اس کے لئے عربی زبان کے قاعدہ کو سمجھنا ضروری ہے ورنہ ترجمہ درست نہ ہو گا) جیسا کہ فرمایا:۔

قَاتِلُوْهُمْ یُعَذِّبْهُمُ[۱] اللّٰهُ بِاَیْدِیْكُمْ وَیُخْزِهِمْ[۲] وَیَنْصُرْكُمْ[۳] عَلَیْهِمْ وَیَشْفِ[۴] صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِیْنَ ۝ وَیُذْهِبْ[۵] غَیْظَ قُلُوْبِهِمْ ۝ (توبہ نمبر ۱۴، نمبر ۱۵)

ترجمہ: (اگر) تم ان سے لڑو (گے) تو ان کو خدا تعالیٰ سزا دے گا تمہارے ہاتھوں اور ان کو ذلیل کرے گا اور تمہاری ان کے مقابلہ پر مدد فرمائے گا اور مومنوں کے دلوں کو سکون بخشے گا اور ان کے دل کے غصے کو دور کر دے گا۔

آیت مذکورہ بالا میں پانچ باتوں کا ذکر فرمایا مگر یہ پانچ موقوف ہیں مسلمانوں کے جہاد اور قتال پر، اگر مسلمانوں نے کافروں کے ساتھ دین کے لئے جہاد کیا تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا اور اگر جہاد نہ کیا تو یہ نتائج نہ نکلیں گے۔ ان پانچوں فعلوں پر جزم بطور جزا کے ہے۔ اور قاتلوا قائم مقام شرط کے ہے یا جیسا کہ حضرت مریم علیہا السلام سے فرمایا:۔

وَهُزِّیٓ اِلَیْكِ بِجِزْعِ النَّخْلَةِ تُسَاقِطْ عَلَیْكِ رُطَبًا جَنِیًّا (مریم نمبر ۲۵)

ترجمہ: اور ہلا تو اپنی طرف کھجور کے تنے کو گرائے گا تجھ پر تازہ کھجوریں۔

تساقط پر جزم ہے بوجہ جزا ہونے کے۔ اگر تو نے تنے کو نہ ہلایا تو کھجوریں نہ گریں گی۔

(۶) بعض آیات میں مفعول محذوف ہے اور اس کا حذف اس لیے ہے کہ وہ متبادر اور معروف ہے۔

فعل اور فاعل کا ذکر تو کر دیا مگر مفعول کا ذکر نہیں فرمایا جیسا کہ ارشاد قرآنی ہے:۔

وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْیَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِیْهَا (بنی اسرائیل نمبر ۱۶)

ترجمہ: اور جب ہم چاہتے ہیں ہلاک کرنا کسی بستی کو حکم دیتے ہیں وہاں کے عیش پسندوں کو۔

کس بات اور کس کام کا حکم دیتے ہیں اس کا یہاں ذکر نہیں فرمایا اس لئے اللہ تعالیٰ جس بات کا حکم دیتے ہیں وہ ظاہر ہے کہ نیکی ہی کا حکم اور فرماں برداری ہی کا حکم ہوتا ہے اس لئے اس کو ذکر نہیں فرمایا۔

فائدہ: اسی آیت میں اس کے بالکل متصل جو ارشاد خداوندی ہے ففسقوا فیھا یہ فا جزائیہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو فسق اور نافرمانی کا حکم دیا تھا بلکہ یہ تو ان کا نتیجہ اور ردعمل ہے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا اطاعت کا اور انہوں نے فسق کی راہ اختیار کر لی۔ حضرت شاہ عبدالقادرؒ نے ترجمہ فرمایا پھر انہوں نے بے حکمی کی اس میں۔ اب کسی تاویل کی ضرورت نہ ہو گی۔

(۷) بعض دفعہ فعل اور متعلقات فعل میں طویل سلسلہ چلا جاتا ہے مگر اعرابات

اور دوسری علامات اسی طرح موجود رہتی ہیں جیسا کہ سورۃ الجمعہ آیت نمبر ۲، ۳ میں ارشاد فرمایا:۔

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍۙO وَّاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُO

ترجمہ: اسی اللہ نے امیوں میں رسول بھیجا جو ان میں سے ہے پڑھتا ہے ان پر اللہ کی آئتیں اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور ان کو کتاب اور دین کی سمجھ سکھاتا ہے اگرچہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے اور یہی نبی پچھلوں کے لئے بھی مبعوث ہے جو ابھی تک ان سے نہیں ملے اور اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔

یعنی نبی کریم ﷺ کی بعثت سب کے لئے ہے حاضرین کے لئے بھی اور آخرین کے لئے بھی آخرین کا عطف امیین پر ہے اس لئے فی کی وجہ سے آخرین کا کلمہ بھی مجرور ہے۔

تنبیہ: اگر یہ کہا جائے کہ آخرین کا تعلق کسی محذوف کلام کے ساتھ ہے اور یہ کہا جائے کہ بعد والے لوگوں کو آپ پر نازل کردہ کتاب پاکیزہ بناتی ہے تو اس سے آپ کی نبوت عامہ اور ختم نبوت پر اثر پڑے گا قرآن مجید نے آپ کو ساری کائنات انسانی کے لئے مبعوث فرمایا۔

قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًاO

(اعراف نمبر ۱۵۸)

ترجمہ: آپ فرما دیجئے! اے لوگو میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔

(۸) بعض دفعہ پورا فعل ہی حذف ہوتا ہے جیسا کہ سورۃ الدہر کی آیت نمبر۳ میں فرمایا:

اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا○

ترجمہ: بیشک ہم نے انسان کوراہ دکھایا مگر وہ یا تو شاکر بنا اور یا کفور بن گیا۔

اس آیت میں اِمَّا شَاكِرًا کا فعل اور فاعل دونوں محذوف ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا فرما کر اس کو سمع اور بصر عنایت فرمائی اسی طرح اس کو راہ راست بتایا مگر انسان نے دنیا میں آ کر بعض نے تو راہ ہدایت اختیار کر لی اور وہ عبد شکور بن گئے اور بعض نے راہ ضلالت اختیار کر لی۔ اور وہ عبد کفور بن گئے۔ اللہ تعالیٰ نے بندے کو جو راہ بتایا وہ راہ ہدایت ہے جیسا کہ سورۃ تغابن آیت نمبر۲ میں فرمایا هُوَالَّذِیْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ یعنی اللہ تعالیٰ نے تم کو پیدا کیا تمہاری پیدائش دین فطرت پر ہے فطرۃ اللّٰہ التی فطر الناس علیها (الروم نمبر۳۱) لیکن تم میں سے کوئی تو کافر بن گیا اور کوئی مومن رہا اس کی وضاحت کے لئے چند مثالیں درج ہیں:۔

مذکور	مراد
اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِیْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ○ (اعراف نمبر۴۹)	ادخلو سے پہلے جملہ محذوف ہے نقول لهم ادخلوا الجنة ان سے آج کہتے ہیں کہ جنت میں بے خوف وخطر داخل ہو جاؤ
فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا (والشمس نمبر۱۳)	ناقة اللّٰه سے پہلے محذوف ہے ذرو ناقة اللّٰه چھوڑ دو اللہ کی اونٹنی کو اور اس کے

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّا اَخَذْنَا اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ ۝ (اعراف نمبر ۹۴)	الا اخذنا سے پہلے فعل فکذبوا محذوف ہے یعنی انہوں نے جھٹلایا تو عذاب کا شکار ہوئے۔

(۲۴) اضمار واشارہ

قرآن مجید میں ضمیریں اور اسماء اشارہ بھی آئے ہیں جن کا مرجع اور مشارالیہ جاننا ترجمہ کے لئے نہایت ہی ضروری ہے۔ یہاں چند قواعد ذکر کئے جاتے ہیں۔

(۱) ضمیر کا مرجع عموماً ضمیر سے پہلے ہوتا ہے جیسا کہ فرمایا ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ (بقرہ نمبر ۲) اس کتاب میں کوئی شک اور شبہ نہیں۔ لیکن بعض دفعہ مرجع بعد میں بھی آتا ہے جیسا کہ (سورہ بقرہ نمبر ۱۸۴) میں فرمایا وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ان لوگوں پر جو طاقت رکھتے ہوں کھانا کھلانے کی روزہ کے علاوہ ایک مسکین کو کھانا کھلانا بھی لازم ہے اس سے مراد صدقہ فطر ہے۔ جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ نے ارشاد فرمایا ہے۔

(۲) مرجع نہ پہلے اور نہ بعد میں ذکر ہوا کیونکہ مرجع اس قدر متعارف مشہور ہے کہ مرجع کے ذکر کے بغیر بھی سمجھ میں آسکتا ہے فرمایا: اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ کا مرجع قرآن حکیم ہے جو اس قدر متعارف ہے کہ اس کا ذکر نہ فرمانے پر بھی سب کو معلوم ہے۔

(۳) کبھی کلام میں ضمائر اور مرجع دو یا دو سے زیادہ جمع ہو جاتے ہیں اس لئے ترجمہ میں ان کا سمجھنا ضروری ہے۔ سورہ زخرف آیت نمبر ۳۷ میں ارشاد فرمایا وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ اس آیت میں

تین ضمائر بارزہ آتی ہیں مگر ان کا مرجع جدا جدا ہے پہلی ضمیر کا مرجع شیاطین ہیں۔ اور دوسری کا مرجع کفار ہیں۔ اسی طرح درج ذیل آیت میں مرجع کا متعین کرنا ضروری ہے ورنہ معنی بدل جائے گا۔ ارشاد فرمایا۔

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرَاتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۝ (الفاطر نمبر ۳۲)

ترجمہ: پھر وارث کر دیئے ہم نے کتاب کے وہ جن کو چن لیا اپنے بندوں میں سے۔ پھر کوئی بندوں میں سے اپنے آپ پر ظلم کرنے والا ہے اور کوئی ہے ان میں بیچ کی چال پر اور کوئی نیکیوں میں بڑھنے والا ہے۔ اللہ کے حکم سے۔

اگر ھم کا مرجع الذین اصطفینا بنایا جائے تو اس سے یہ لازم آ جائے گا کہ چنے ہوئے برگزیدہ بندوں (انبیاء علیہم السلام) کی تین قسمیں ہیں حالانکہ یہ غلط ہے۔ بلکہ ارشاد قرآنی کا مقصد یہ ہے کہ جب ہمارے چنے ہوئے لوگ تشریف لائے تو ان کو قبول کرنے یا نہ کرنے کی حیثیت میں لوگوں کی یہ تین قسمیں بن گئیں

اسی طرح قرآن مجید کی سورۃ یوسف کی آیت نمبر ۱۱۰ میں ارشاد فرمایا حَتّٰى اِذَا اسْتَايْئَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا اس آیت میں ظنوا کا فاعل انبیاء علیہم السلام کی قوم ہے اور ھم کا مرجع انبیاء کرام ہیں ترجمہ یہ ہوگا۔

''یہاں تک کہ جب نا امید ہو گئے رسول علیہم السلام قوم کے ایمان لانے سے اور قوم نے یہ گمان کیا کہ رسولوں کے ساتھ جو وعدہ نصرت کا کیا گیا تھا وہ جھوٹا نکلا''

(۴) قرآن کریم میں اسم اشارہ قریب ھذا۔ ھذہ بھی آیا ہے اور اشارہ بعید

ذلك بھی آیا ہے مگر عمومی طور پر اشارہ بعید عظمت اور رفعت شان کے لئے آیا ہے جیسا کہ فرمایا:۔

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ (بقرہ نمبر۲)

ترجمہ: وہ کتاب ہے جس میں شک نہیں۔

فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ٥ (آیات کثیرہ)

ترجمہ: وہ تمہارا اللہ ہے جو تمہارا سچا اور حقیقی رب ہے۔

کتاب مجید قرآن حکیم تو قریب ہے اسی طرح ربُّ العالمین بھی اقرب ہے مگر رفعت شان اور عظمت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اسم اشارہ بعید لائے۔ یہی وہ علمی نکتہ ہے جس کی بنا پر عزیز مصر کی بیوی کا قول حضرت یوسف علیہ السلام کی شان میں اشارہ بعید کے ساتھ بیان ہوا ارشاد فرمایا:۔

فَذَالِكُنَّ الَّذِیْ لُمْتُنَّنِیْ فِیْهِ (یوسف نمبر۳۲)

ترجمہ: وہ شخص یہی ہے جس کے بارے میں تم نے مجھے ملامت کیا۔

مگر مصری عورتوں کی نظر میں حضرت یوسف علیہ السلام کی وہ رفعت مکانی نہ تھی اس لئے انہوں نے یہ کہا ماھذا بشرا یہ تو انسان نظر نہیں آتا۔

فائدہ: قرآن حکیم کے اکثر مقامات میں اسم اشارہ قریب بطور تذلیل اور تحقیر کے آیا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے باوجود یکہ تارے، چاند اور سورج آپ سے دور تھے مگر پھر بھی ان پر تنقید کرتے ہوئے ھذا کا کلمہ فرمایا۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی نے بتوں پر تردید کرتے ہوئے فرمایا۔

مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْ اَنْتُمْ لَهَا عَاكِفُوْنَ ٥ (الانبیاء نمبر۵۲)

ترجمہ: کیا ہیں یہ مورتیاں جن کے آگے تم جھکتے ہو۔

(۵) اشارہ اور مشارالیہ میں عموماً اتصال اور قرب ہوتا ہے مگر بعض دفعہ ان کے درمیان دوسری کلام کسی خاص حکمت کے لئے آجاتی ہے ارشاد فرمایا ھٰذَا فَلْيَذُوْقُوْهُ حَمِيْمٌ وَّغَسَّاقٌ (ص ۵۷) اس کا ترجمہ یوں ہے "یہ ہے کھولتا ہوا پانی اور پیپ سو ان کو چاہیئے کہ اس کو چکھیں"

(۲۵) اعراب القرآن

عربی زبان کی یہ خصوصیت ہے کہ اس میں اعراب سے معانی بدل جاتے ہیں اور ان کی وجہ سے کلام کی نوعیت بھی بدل جاتی ہے اس لئے ترجمہ قرآن عزیز کے وقت اس کا خاص خیال رکھا جائے یہاں صرف ایک مثال لکھی جاتی ہے۔

قرآن عزیز کی سورۃ النحل آیت نمبر ۲۴ میں فرمایا:۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ○

ترجمہ: اور جب ان کافروں سے پوچھا جاتا ہے تمہارے رب نے کیا اتارا تو کہتے ہیں یہ تو پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں

کلمہ اساطیر پر رفع ہے اگر نصب ہوتی تو معنیٰ یہ ہوتا کہ وہ اس امر کو مانتے ہیں۔ کہ آپ پر کچھ اترا ہے خواہ وہ پہلے لوگوں کی کہانیاں ہی ہیں۔ لیکن رفع کی صورت میں یہ مطلب ہوگا کہ وہ تو کسی کلام کے نازل ہونے کو مانتے ہی نہیں بلکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ تو پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں جو محمد (ﷺ) کسی سے لکھوا کر یاد کر لیتے ہیں۔ جیسا کہ سورۃ الفرقان آیت نمبر ۵ میں فرمایا وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا پھر آیت نمبر ۶ میں اس کا جواب بھی ارشاد فرمادیا۔

(۲۶) قید اور شرط کی بحث

قرآن کریم کی بعض آیات میں شرط اور قید ہے جن کا ترجمہ میں لحاظ کرنا ضروری ہے جیسا کہ تیمّم کی اجازت کو اس شرط کے ساتھ مشروط فرمایا کہ اگر کوئی بیمار ہو یا پانی نہ پائے تو اس کو تیمّم کرنا چاہئے اگر یہ شرط نہ ہو تو پھر تیمّم کی اجازت نہ ہو گی۔ مگر بعض آیات میں شرط کا ذکر مزید وضاحت کے لئے جیسا کہ ارشاد فرمایا:۔

وَلَاتُکْرِھُوْا فَتَیٰتِکُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا

(نور نمبر ۳۴)

ترجمہ: مت مجبور کرو اپنی لونڈیوں کو زنا پر جبکہ وہ خود بھی پاکدامنی چاہتی ہوں۔

یہاں حرف ان شرط کے لئے نہیں کہ اگر وہ عصمت نہ چاہے تو کیا پھر ان کو گناہ کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے بلکہ یہ شرط کلام سابق کی مزید تحقیق اور تاکید کرتی ہے ترجمہ یوں ہو گا۔ اور مت مجبور کرو تم اپنی لونڈیوں کو زنا پر خصوصاً ایسی صورت میں کہ وہ خود بھی پاک دامنی کی طالب ہوں"۔

اسی طرح بعض آیات قرآنیہ میں بظاہر قید کا ذکر ہے۔ مگر وہ قید شرط کے معنٰی میں نہیں بلکہ وہ وصف موضحہ کہلائی جائے گی۔ جیسا کہ فرمایا:۔

وَرَبَآئِبُکُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِکُمْ (النساء نمبر ۲۳) ربائب ربیبہ کی جمع ہے ربیبہ اس لڑکی کو کہا جاتا ہے جس کی ماں سے کوئی مرد شادی کرے اگر یہ لڑکی اپنی ماں کے خاوند کے پاس تربیت نہ پائے تب بھی اس پر حرام ہے۔ اس قید فِیْ حُجُوْرِکُمْ کا ذکر اس نکاح کی شناخت کے لئے ہے کہ اس نکاح کا ارادہ بہت ہی برا ہے۔ اسی طرح قتل اولاد کو منع کرتے ہوئے فرمایا وَلَاتَقْتُلُوْآ اَوْلَادَکُمْ

خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ (الاسراء نمبر ۳۱) اور مت قتل کرو اپنی اولاد کو۔ بھوک کے ڈر سے، ظاہر ہے کہ اولاد کا قتل تو ویسے بھی حرام ہے۔ لیکن اس میں اور قباحت بیان فرمائی۔ کہ تم جو باپ ہو کر اولاد کو بھوک کے ڈر سے قتل کرتے ہو کس قدر بری بات ہے باپ تو اولاد کا مربی اور محافظ ہوتا ہے نہ کہ قاتل اور سفاک۔ قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ نے اس قید کا نام قید واقعی تجویز فرمایا ہے کہ اس وقت واقعات اس طرح کے تھے اس لئے منع کرتے ہوئے اس کا ذکر فرمایا۔ (واللہ اعلم)

(۲۷) تمیز اور حال

قرآن حکیم میں بعض ارشادات کے ساتھ حال کا ذکر بھی ہے جس کے لئے واو حالیہ لائی گئی۔ اس کی کئی نظائر قرآن مجید میں موجود ہیں فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ (الانبیاء نمبر ۹۴) اس آیت میں یہ واوٗ حالیہ ہے جو کہ شرط کے معنٰی میں ہے ترجمہ یوں ہوگا پس جو کوئی نیکیوں میں سے کچھ بھی عمل کرے گا بشرطیکہ وہ مومن ہو۔ (عقیدہ بھی درست ہو) تو اس کے اعمال ضائع نہ ہوں گے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ جس کے عمل اچھے ہیں پس وہ مومن ہے۔ عقیدہ کی ضرورت نہیں یہ واوٗ ہے اور واوٗ حالیہ ہے۔ اگر وہی مراد ہوتی جو بعض لوگ کہتے ہیں تو یہاں پر فا کا حرف بطور جزا کے ہوتا فَهُوَ مُؤْمِنٌ کافر کا کوئی بھی عمل قابل قبول نہیں اور اس کی سب محنت برباد اور ضائع ہے۔ سورۃ الفرقان آیت نمبر ۲۳ میں فرمایا:

وَقَدِمْنَا اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ۝

ترجمہ: اور جو عمل انہوں نے کئے تھے ہم ان کی طرف متوجہ ہوں گے پھر انہیں اڑتی ہوئی خاک کر دیں گے۔

اسی کی تفسیر اور تشریح سورۃ نور کی آیت نمبر ۳۹، ۴۰ میں یوں فرمائی جس کا ترجمہ درج ذیل ہے:

اور جو کافر ہیں ان کے اعمال ایسے ہیں جیسے جنگل میں چمکتی ہوئی ریت ہو جسے پیاسا پانی خیال کرتا ہو یہاں تک کہ جب ان کے پاس آتا ہے اسے کچھ بھی نہیں پاتا اور اللہ ہی کو اپنے پاس پاتا ہے پھر اللہ اس کا حساب پورا کر دیتا ہے اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے"

غزوہ بدر کے متعلق ارشاد فرمایا وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّة (آل عمران نمبر ۱۲۳) "بے شک تمہاری مدد کی اللہ تعالیٰ نے بدر میں اس حال میں کہ تم کمزور تھے"۔ غزوۂ بدر میں باوجود یکہ مسلمانوں کی تعداد بہت تھوڑی تھی۔ اسباب اور آلات حرب بھی بڑے کم تھے مگر پھر بھی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح و نصرت سے نوازا۔

تمیز بعض آیات مجمل ہوتی ہیں ان کی تمیز بھی ساتھ آجاتی ہے۔ فرمایا۔ وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا (حم السجدہ نمبر ۳۳) اور کون ہے بہتر بات میں اس سے جو نیک عمل بھی کرے اور اس کا اعلان کرے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں۔

کافروں کے متعلق فرمایا اُولٰئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا یہ کافر برے ہیں باعتبار اپنے ٹھکانے کے (بھی)

تمیز اکثر اوقات الفاظ میں ذکر ہوتی ہے اور کبھی کبھی ذکر نہیں بھی ہوتی۔ جیسا کہ فرمایا۔ جس عورت کا خاوند مر جائے اس کی عدت وفات اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ہے۔ اس آیت میں اربعة کی تمیز اشھر سے کر دی یعنی چار ماہ مراد ہیں۔ مگر عشرا کی تمیز کا ذکر نہ فرمایا۔ اس سے مراد عشرۃ ایام ہیں یعنی دس دن۔

کبھی تمیز کا ذکر پہلے آجاتا ہے اور ممیز بعد میں، جیسا کہ فرمایا کہ جو لوگ حج

تمتع کریں ان کو دم تمتع بطور شکرانہ کے دینا چاہیئے اور اگر قربانی نہ دے سکیں تو پھر دس دن کے روزے رکھیں وہ بھی اس طریقہ پر کہ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِى الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ (بقرہ نمبر ۱۹۶) اس آیت میں سبعۃ مجمل ہے اور اس کی تمیز ایام ہے جو کہ پہلے گذر چکی۔ تمیز کبھی کبھی کسی کے شک رفع کرنے کے لئے بھی آتی ہے جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا۔ نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرَاهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ○ (بقرہ نمبر ۱۳۳) حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے اقرار کیا کہ ہم تیرے معبود اور تیرے باپ دادا کے معبود کی عبادت کریں گے۔ اس سے یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ شاید ان کا معبود علیحدہ علیحدہ ہے فرمایا نہیں الھا واحدا سب کا معبود ایک ہی ہے۔

(۲۸) مبالغہ اور اسم تفضیل

مبالغہ میں کثرت فی نفسہ ہوتی ہے جیسا کہ عَلَّامُ بہت علم والا۔ یہاں کسی دوسرے کے علم سے مقابلہ نہیں فرمایا اور اسم تفضیل میں معنٰی کی کثرت دوسرے کے اعتبار سے ہوتی ہے جیسا کہ زید اعلم من عمر زید عمر سے زیادہ علم والا ہے۔ مگر قرآن مجید میں جہاں صفات باری تعالٰی کا ذکر ہے وہاں نفس وصف کا ہی ذکر ہے عربی میں بھی بعض الفاظ مبالغہ کے وزن پر ہوتے ہیں مگر ان سے مراد وصفی معنٰی لیا جاتا ہے جیسا کہ عطار ہر عطر فروش کو کہتے ہیں۔ یہ نہیں کہ بہت زیادہ عطر بیچنے والا اور عربی کا محاورہ ہے۔ الصیف احر من الشتاء گرمی کا موسم سردی سے زیادہ گرم ہے حالانکہ موسم سرما میں گرمی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس لئے یہاں مطلقاً وصفی معنٰی مراد لیا جائے گا۔ اس قاعدہ کی وضاحت سے مندرجہ ذیل ارشادات قرآنی کی تفسیر

وَمَارَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلعَبِيْد (ق نمبر ۲۹) اس کا ترجمہ یہ نہ کیا جائے گا۔ کہ تیرا رب بندوں پر زیادہ ظلم کرنے والا نہیں بلکہ ترجمہ یہ ہوگا۔ کہ تیرا رب بندوں پر ذرہ بھی ظلم نہیں کرتا جیسا کہ سورۃ یونس آیت نمبر ۴۴ میں فرمایا اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر ذرہ بھی ظلم نہیں کرتا۔ اسی طرح قرآن کریم میں رب العالمین کی صفت بیان فرمائی فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ (المومنون نمبر ۱۴) تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور بھی خالق ہے حالانکہ خالق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے جیسا کہ فرمایا هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ (الحشر نمبر ۲۴) اَلَالَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ (الاعراف نمبر ۵۴) اللہ تعالیٰ کی ساری تخلیق احسن ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کا ہر فعل احسن ہے ارشاد قرآنی ہے اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ (السجدہ نمبر ۷) تورات کے متعلق ارشاد فرمایا کہ وَاْمُرْ قَوْمَكَ يَاْ خُذُوْا بِاَحْسَنِهَا (اعراف نمبر ۱۴۵) اپنی قوم کو حکم دیجئے کہ اس تورات کے اچھے حکموں پر عمل کریں۔ حالانکہ تورات اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اللہ تعالیٰ کا سارا کلام احسن ہے۔ شارح بخاری علامہ بدرالدین عینی (م ۸۵۵ھ) نے فرمایا۔

''ایسی جگہ اسم تفضیل کا صیغہ لانے سے مراد توضیح اور تشریح ہوا کرتی ہے نہ کہ تفضیل (عینی ج ۲ ص ۶۷۶)

(۲۹) نہی اور نفی

فعل نہی کا مطلب کسی کام سے روک دینا ہوا کرتا ہے جو حکم کا معنٰی رکھتا ہے جیسا کہ قرآن مجید نے فرمایا لَا تَنۡکِحُوا الۡمُشۡرِکٰتِ حَتّٰی یُؤۡمِنَّ (بقرہ نمبر ۲۲۱) (ترجمہ) اور نکاح میں نہ لاؤ مشرک عورتوں کو یہاں تک کہ ایمان لے آئیں۔ اس آیت میں مشرکہ کے نکاح سے روکنے کے لئے نہی کا صیغہ لایا گیا۔ مگر فعل نفی کبھی نہی کا مطلب مجازاً ادا کر دیتا ہے جیسا کہ سورۃ بقرہ آیت نمبر ۱۲۴ میں فرمایا لَا یَنَالُ عَھۡدِی الظّٰلِمِیۡنَ اس کی تفسیر میں فرمایا گیا کہ یہ فعل نفی حکم میں نہی کے ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو فرمایا کہ میرا یہ عہد ان کو مت دو جو میرے احکام توڑنے والے ہیں۔ اور کبھی اس نفی سے مراد جملہ خبریہ ہوتا ہے جیسا کہ سورۂ نور کی آیت نمبر ۲۳ میں ارشاد فرمایا:۔

اَلزَّانِیۡ لَا یَنۡکِحُ اِلَّا زَانِیَۃً اَوۡ مُشۡرِکَۃً اس میں لا ینکح فعل نفی کا ہے جس کا ترجمہ یہ ہوگا زانی نکاح نہیں کرتا مگر زانیہ عورت یا مشرکہ سے مطلب یہ ہے کہ زانی اپنی نفسانی خواہشات میں اس قدر حد سے بڑھ کر بے خود ہو جاتا ہے کہ وہ اگر صحیح نکاح کا ارادہ بھی کرتا ہے تو اس کو اسی طرز کی بدعمل عورت ہی زیادہ پسند ہوتی ہے اور وہ اس شہوت پرستی میں دینی اور مذہبی حدود تک کو روند ڈالتا ہے اس آیت میں قرآن حکیم نے زانی کو مشرکہ کے ساتھ نکاح کی اجازت نہیں دی جیسا کہ سورۃ بقرہ کی آیت نمبر ۲۲۱ میں گذر چکا ہے۔ بلکہ اس آیت میں زنا کی قباحت بیان فرمائی کہ یہ فعل بد پھر کسی امتیاز کی گنجائش نہیں چھوڑتا۔ بلکہ اس فعل بد کا مرتکب تو پھر محرمات ابدیہ تک سے گریز نہیں کرتا (نعوذ باللہ منہ)

(۳۰) تقدیم وتاخیر

قرآن مجید میں آیات قرآنیہ کے بعض حصوں میں تقدیم وتاخیر پائی جاتی ہے اس تقدیم وتاخیر میں کئی حکمتیں پوشیدہ ہیں۔

جن سے قرآنی ارشادات کی بلاغت اور جامعیت سامنے آجاتی ہے جیسا کہ (۱) سورۃ محمد آیت نمبر ۱۸ میں فرمایا فَاَنّٰی لَهُمْ اِذَا جَآءَ تْهُمْ ذِكْرٰاهُمْ اس کا مطلب اور سلیس ترجمہ تو یہ ہے پس کہاں ملے گی ان کو ان کی سمجھ کرنی جب کہ وہ قیامت آپہنچے گی۔ یعنی جب وہ گھڑی آجائے گی پھر نصیحت پر غور وفکر کرنے سے کیا فائدہ ملے گا اس میں فَاَنّٰی لَهُمْ ذِكْرٰاهُمْ ،اِذَا جَآءَ تْهُمْ کے اعتبار سے ترجمہ کیا جائے گا۔

(۲) کبھی صفت اور موصوف کے درمیان جملہ لایا جاتا ہے ارشاد قرآنی ہے قُلْ بَلٰى وَرَبِّىْ لَتَاْتِيَنَّكُمْ عَالِمِ الْغَيْبِ (السباء نمبر۳) اس کا ترجمہ یہ ہے آپ فرمادیجئے مجھے قسم ہے اپنے رب کی جو چھپی باتوں کو جاننے والا ہے یہ قیامت تم پر ضرور آئے گی۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کا صحیح وقت تو اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے جو عالم الغیب ہے۔

(۳) کبھی مفعول موخر اور متعلق مفعول کو مقدم کردیا جاتا ہے جیسا کہ سورۃ الانعام آیت نمبر ۱۰۱ میں فرمایا:۔ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ میں الجن کو مؤخر فرمایا۔ ترجمہ یہ ہے اور انہوں نے جنوں کو اللہ کے ساتھ شریک بنالیا اس تقدیم اور تاخیر کی حکمت شرک کی قباحت بیان کرنا ہے کہ ان بدبختوں نے اللہ تعالیٰ کی عظیم ذات کے ساتھ جنوں جیسی ذلیل مخلوق کو شریک ٹھہرایا۔ یہ ان کی نہایت ہی کمینگی ہے۔

(۴) کبھی ایک حکم کی حکمت بیان فرما کر اس پر مرتب اثر اور نتیجہ کو بعد میں ذکر

فرما دیا جاتا ہے جیسا کہ سورۃ الانعام نمبر۱۵۳ میں فرمایا:۔ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ج وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ج لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا اس آیت کے شروع اور بعد میں بھی چند احکام کا ذکر ہے مگر درمیان میں ارشاد فرمایا ہم ہر جی کو اس کی طاقت کے مطابق حکم دیتے ہیں۔'' اس ارشاد کی حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام ایسے نہیں جو قابل برداشت نہ ہوں بلکہ سب احکام انسانی برداشت کے مطابق ہیں۔

(۵) کبھی شرط کا کچھ حصہ ذکر کر کے جزاء کو ذکر فرمایا جاتا ہے اور شرط کا باقی حصہ بعد میں ذکر کر دیا جاتا ہے جیسا کہ فرمایا لَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى (طٰہٰ نمبر۱۲۹) اس ارشاد قرآنی کا ترجمہ یوں ہوگا۔ اگر تیرے رب کی طرف سے ایک بات پہلے نہ ہو چکی ہوتی جو کہ ان کی ہلاکت کی مقررہ مدت ہے تو ان پر عذاب کا نزول لازمی ہو جاتا۔

(٦) کبھی ایک فعل کی جزاء مرتبہ کا کچھ حصہ بیان فرما کر دوسرے فعل کو لایا جاتا ہے اور سب پر جزاء کا ترتب ہو جاتا ہے جیسا کہ سورۃ المائدہ نمبر۶۰ میں فرمایا:

قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ۞

اس آیت میں عَبَدَ الطَّاغُوْتَ کا عطف مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ پر ہوگا۔ تو معنیٰ بلا کسی تاویل کے درست ہو جائے گا۔ ترجمہ یہ ہوگا:۔

''آپ فرما دیجئے کیا میں تم کو بتاؤں کہ سب سے بری مخلوق اللہ تعالیٰ کے ہاں کون سی مخلوق ہے وہ انسان ہیں جن پر اللہ

نے لعنت کی اور ان پر غضب کیا اور ان میں سے بعض کی شکلیں بندر اور خنزیر کی بنا دیں اور وہ بھی بہت برے ہیں جنہوں نے طاغوت کی عبادت کی"۔

یہی ترجمہ شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: وکسیکہ پرستند معبود باطل را۔

(۷) یوں بھی ہوا ہے کہ جملہ شرطیہ کے درمیان استثناء کو بیان فرمایا ہے مگر ترجمہ میں بعد میں رکھا جاتا ہے ارشاد قرآنی ہے:۔ وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْمُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ (الانفال نمبر۱۶) اس کا ترجمہ یوں کیا جائے گا اور جو کوئی اس دن کافروں کو پیٹھ دے گا تو وہ اللہ کا غضب لے کر لوٹے گا مگر وہ غضب سے بچ جائے گا جس نے جنگی چال کی وجہ سے یا اپنی جماعت میں پہنچنے کی غرض سے پیٹھ دی۔

(۳۱) التفات

التفات لغت میں گوشہ چشم کے پھیرنے کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں کلام کے ایک طرز کو چھوڑ کر دوسرا طرز اختیار کرنے کا نام ہے جیسا کہ سورۃ فاتحہ میں آیت نمبر۳ سب صیغے غیبت کے ہیں مگر آیت نمبر۴ میں خطاب آ گیا۔ فرمایا اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ابتدائی آیات کو ملا کر ترجمہ یہ ہے:۔

سب تعریف اس اللہ کو ہے جو سب جہانوں کا پالنے والا، نہایت ہی مہربان اور رحم کرنے والا ہے بدلے کے دن کا مالک ہے تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے ہم مدد چاہتے ہیں"۔ گویا خداوند قدوس کی غائبانہ حمد وثنا نے بندے کے دل میں اس قدر شوق اور عشق پیدا کر دیا کہ وہ اب مقام حضوری تک پہنچ گیا۔

اسی طرح سورۃ النحل نمبر ۵٦ میں فرمایا وَیَجْعَلُوْنَ لِمَا لَایَعْلَمُوْنَ نَصِیْبًا مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ تَاللّٰہِ لَتُسْئَلُنَّ عَمَّا کُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ شروع میں ان کے مشرکانہ فعل کو غائب کے صیغوں میں ادا فرمایا۔ اور جزاء کو خطاب کے صیغے سے ادا فرمایا کہ مخاطب اولین وہی مشرک تھے۔ اس خطاب میں ان کے لئے زیادہ تنذیر ہے۔ یہ التفات کبھی دو جملوں میں ہوتی ہے اور کبھی ایک جملے میں۔ بلکہ ایک آیت میں بھی کئی دفعہ آ جاتی ہے اس لئے ترجمہ کرتے وقت اس کا لحاظ نہایت ضروری ہے جیسا کہ سورۃ بنی اسرائیل کی پہلی آیت میں ہے۔

سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ o

ترجمہ: پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو رات کے کچھ حصے میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک سفر کرایا وہ مسجد اقصیٰ جس کے اردگرد ہم نے برکت دی تا کہ دکھائیں ہم اس کو اپنی نشانیوں میں سے بیشک وہ اللہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

اس آیت میں غائب سے متکلم اور پھر متکلم سے غائب کی طرف التفات فرمائی گئی۔

(۳۲) مجاز

قرآن کریم میں مجازات کا وقوع بھی کثرت سے ہوا اور یہ بات ہر کلام میں مروج ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ لفظ حقیقی کو نہ لا سکے تب مجاز لائے بلکہ اس میں کئی حکمتیں ہیں جن کے لئے تفصیلی دفاتر درکار ہیں جیسا کہ کافر کے

متعلق فرمایا فَاُمُّهٗ هَاوِيَه (القارعہ نمبر ۹) پس کافر کی ماں ہاویہ ہوگی یعنی جس طرح ایک بچے کی تربیت کرنے والی اس کو کھلانے پلانے والی اس کی ماں ہی ہوتی ہے اسی طرح کافر کے لئے جہنم ہی سب کاموں کا مرکز ہوگی۔ وہ اس سے دور نہ جا سکے گا۔ قرآن مجید میں مجاز کے کئی طریقے ہیں۔

(۳۴) فعل میں مجاز

(۱) بعض کاموں کا وقوع آئندہ زمانہ میں ہوگا۔ مگر ان کا ذکر ماضی کے کلمہ سے کیا گیا۔ حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ جس طرح زمانہ گذشتہ میں ہونے والی بات یقینی ہو جاتی ہے اسی طرح یہ بات بھی یقینی طور سے واقع ہوگی۔ اس لئے اس کا ذکر ماضی کے صیغہ سے کر دیا گیا۔ قیامت کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے اس قاعدہ کا لحاظ بہت زیادہ کرنا ہوگا۔ جیسا کہ اِذَازُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا۔ (الآیات) اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَة...... وَنُفِخَ فِيْ الصُّوْرِ وغیرہ آیات کثیرہ میں مستقبل کا ذکر فقط ماضی سے فرمایا۔

(۲) اس کے برعکس ذکر فعل مضارع ہے اور مراد اس سے فعل ماضی ہے جیسا کہ زمانہ رسول کریم ﷺ میں موجود یہودیوں سے فرمایا فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ وَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ○ (بقرہ نمبر ۸۷)

پس ان انبیاء علیہم السلام میں سے بعض کی تم نے صرف تکذیب کی اور بعض کو قتل بھی کر ڈالا۔ اس آیت میں خطاب کا صیغہ ارشاد فرمایا۔ جس کے مخاطب زمانہ رسول کریم ﷺ میں موجودہ یہود ہیں مگر ان کے آباؤ اجداد کا فعل تھا ان کو وہ یاد دلایا جیسا کہ قرآن مجید کی سورۃ المائدہ آیت نمبر ۷۰ میں فرمایا فَفَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ○

(۳) بعض آیات میں ذکر فعل مضارع فرمایا۔ مگر مراد اس سے امر ہے جیسا کہ سورۃ بقرہ آیت نمبر ۸۷ میں رضاعت کے متعلق فرمایا وَالْوَالِدَاتُ یُرْضِعْنَ اَوْلَادَھُنَّ اور مائیں اپنی اولاد کو دودھ پلائیں یہاں لام امر مقدر ہے (ضرور پلائیں)

(۴) بعض آیات میں صیغہ فعل نفی کا ہے مگر مراد اس سے فعل نہی ہے جیسا کہ سورۃ بقرہ نمبر ۸۳ میں فرمایا لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰہ ، ای لَا تَعْبُدُوْا اِلَّا اللّٰہ ذکر فعل مضارع کا ہے اور مراد نہی ہے عبادت نہ کرو مگر صرف اللہ تعالیٰ ہی کی۔

(۵) بعض آیات میں مذکور ایک فعل ہے مگر اس کے ضمن میں دوسرا فعل بھی مراد ہے جیسا کہ فرمایا کہ نیک عورتوں کی نشانی یہ بھی ہے حٰفِظٰتٌ لِّلْغَیْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰہُ (النساء نمبر ۳۴) یہاں فعل محذوف ہے ماامر اللّٰہ بحفظہ یعنی جس چیز کی حفاظت کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے۔

(۶) اگرچہ فعل ماضی اور فعل مضارع اور فعل امر کسی فعل کی ایجاد اور انشاء کے لئے ہے مگر بعض دفعہ یہ دوام استمرار کے لئے بھی آتا ہے جیسا کہ فرمایا وَاِنْ یُّکَذِّبُوْکَ (فاطر نمبر ۴) ترجمہ یہ ہوگا اور اگر یہ آپ کو جھٹلاتے ہی رہیں۔ اُتْلُ مَا اُوْحِیَ اِلَیْکَ (عنکبوت نمبر ۴۵) تو پڑھتا رہ جو تیری طرف وحی کیا گیا ہے علیٰ ہذا القیاس فعل میں مجاز چوبیس طریقوں پر آیا ہے۔ جس کا ذکر کتب تفسیر میں کیا گیا ہے۔

(۳۴) اسم میں مجاز

(۱) ذکراسم فاعل کا صیغہ ہے مگر مراد اس سے مفعول ہے جیسا کہ فرمایا خُلِقَ مِنۡ مَّآءٍ دَافِقٍ (الطارق نمبر۶) انسان پیدا کیا گیا اچھلتے ہوئے پانی سے۔ دافق سے مراد مدفوق ہے۔ ذکر مفعول کا وزن اور مراد فاعل ہے فرما! یَامُوۡسٰی مَسۡحُوۡرًا ذکروزن مفعول کا ہے مگر مراد فاعل ہے یعنی ساحر جادو کرنے والا۔

(۲) کسی کی سابق حیثیت کے ذکر سے کلام فرمانا ارشاد ہے وَاٰتُوا الۡیَتٰمٰی اَمۡوَالَهُمۡ (النساء نمبر۲) اوردے ڈالو یتیموں کو ان کے اموال، حالانکہ جب بالغ ہو جائے اس پر یتیم کا اطلاق نہیں ہوتا ان بالغ بچوں کو باعتبار سابق کے یتیم فرمایا۔ اس کے برعکس آنے والی حالت کا ذکر فرما کر مراد موجودہ حالت لی جاتی ہے جیسا کہ سورہ یوسف نمبر ۱۵ میں فرمایا اِنِّیۡ اَرٰنِیۡ اَعۡصِرُ خَمۡرًا...... میں اپنے آپ کو شراب نچوڑتا ہوا دیکھ رہا ہوں حالانکہ اس سے مراد انگور ہے انگور سے شراب نکلتی ہے تو ذکر شراب کا فرمایا۔

(۳) ذکر تعبیر کا اور مراد اس سے معبر لیا گیا۔ جیسا کہ فرمایا لَا تَرۡفَعُوۡا اَصۡوَاتَکُمۡ فَوۡقَ صَوۡتِ النَّبِیِّ (الحجرات نمبر۲) اپنی آوازوں کو بلند نہ کرو نبی علیہ السلام کی آواز پر۔ ذکر آواز کا فرمایا اور مراد اس سے کلام ہے اس لئے کلام کی تعبیر آواز ہی سے ہوتی ہے۔

(۴) ذکر لفظ مفرد اور مراد جمع جیسا کہ فرمایا هٰٓؤُلَآءِ ضَیۡفِیۡ (الحجر نمبر ۶۸) حالانکہ وہ ایک مہمان نہ تھا بلکہ کئی مہمان تھے جو فرشتوں کی شکل میں ظاہر ہوئے۔ ذکر جمع اور مراد واحد۔ فرمایا وَاِذۡ قَتَلۡتُمۡ نَفۡسًا (بقرہ نمبر۷۲) حالانکہ قاتل قوم کا ایک فرد تھا مگر سب قوم کو قاتل کے ساتھ تعبیر فرمایا۔ ذکر تثنیہ مراد واحد جیسا کہ فرمایا

وَنَسِیَا حُوْتَهُمَا (الکھف نمبر ۶۱) حالانکہ مچھلی کو بھولنے والا آپ کا غلام تھا نہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کا خادم دونوں۔

(۳۵) ''حرف کی بحث

حرف زبان کا وہ کلمہ ہے جو بذات خود کوئی مستقل معنی نہیں رکھتا لیکن اس کے بغیر نہ فعل کامیاب اور نہ اسم کامیاب اس لئے حرف کا مفہوم اور اس کی بحث کا سمجھنا ضروری ہے۔

حرف کا حذف

اکثر آیات میں حرف حذف ہے فرمایا سورۃ النساء نمبر ۹۱ فَاِنْ لَّمْ یَعْتَزِلُوْکُمْ وَیُلْقُوْا اِلَیْکُمُ السَّلَمَ وَیَکُفُّوْا اَیْدِیَھُمْ اس آیت میں تین فعل ذکر ہیں مگر لم کا حرف صرف پہلے فعل پر ذکر فرمایا مگر مراد دوسرے فعلوں میں بھی ہے۔ اسی طرح بعض آیات میں چند افعال کا ذکر ہے مگر حرف نہی صرف پہلے پر آیا۔ مگر مراد دوسروں میں بھی ہے۔

وَلَاتَلْبِسُوْا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَکْتُمُوْالْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْن (بقرہ ۴۲)

ترجمہ: اور نہ ملاؤ حق کو باطل سے اور نہ چھپاؤ حق کو اور تم جانتے بھی ہو۔

یٰٓاَ یُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْالَاتَخُوْنُوْاللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِکُمْ ○ (انفال نمبر ۲۷)

ترجمہ: اے ایمان دارو نہ خیانت کرو اللہ کے حکم کی اور اللہ کے رسول کے حکم کی اور نہ خیانت کرو اپنی امانتوں کی۔

مندرجہ بالا دونوں آیتوں میں سب افعال نہی کے ہیں مگر صرف پہلے پر

لا کا ذکر ہے باقی پر نہیں تعجب ہے کہ بعض اہل علم نے سورۃ محمد کی آیت نمبر ۳۶ کا ترجمہ یوں فرمایا:۔

فَلَاتَھِنُوْاوَتَدْعُوْا اِلَی السَّلَمِ

پس اے مسلمانو! تم بودے نہ بنو اور اپنے دشمنوں کو برابر صلح کا پیغام دیتے رہو۔

اس آیت میں دوسرے فعل تدعو سے پہلے لا کو محذوف نہیں مانا بلکہ اس کو امر کا صیغہ قرار دیا قرآنی آیات میں صلح کے لئے کافروں کا رجحان پایا جانا مذکور ہے فرمایاوَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَھَا (انفال نمبر ۶۱) اگر وہ برسر پیکار کافر صلح کی طرف مائل ہوں تو آپ بھی مائل ہو جائیں۔ اگر مسلمان از خود صلح کا پیغام دیں گے تو اس سے کافروں پر مسلمانوں کی کمزوری ظاہر ہو جائے گی۔ اس لئے فرمایا کہ مسلمان کی شان یہ ہو وَلْیَجِدُوْا فِیْکُمْ غِلْظَۃً (توبہ نمبر ۱۲۳) اور چاہئے کہ کافر تم میں سختی اور درشتی کو محسوس کریں۔“

مفسر القرآن علامہ عبداللہ القرطبی م ۱۷۶ھ نے فرمایا:۔

ولان المؤمنين لم يومروا قط بالدخول فى المسالمة التى هى للصلح وانما قيل للنبى ﷺ ان يجنح للسلم اذا جنحواله واما ان يبتدى به فلا رواه الطبراى

(تفسیر قرطبی جز نمبر ۳ ص ۲۲)

اسی طرح سیاق کلام کی مناسبت سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ بعض جگہ لا کا حرف ذکر نہیں مگر مراد ہے جیسا کہ سورۃ النساء نمبر ۱۷۷ میں فرمایا یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمْ اَنْ تَضِلُّوْا یہاں تضلوا سے پہلے لا کا کلمہ محذوف ہے ترجمہ یہ ہوگا۔ اللہ

تعالیٰ کھول کر بیان فرماتا ہے تا کہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ۔ ظاہر ہے قرآن مجید کا نزوال ہدایت ہے اور اللہ تعالیٰ اس میں جو احکام بیان فرماتے ہیں وہ سب ہدایت کے لئے ہیں اس لئے یہاں لا کا کلمہ محذوف اور مراد ہے ورنہ نزول قرآن کی حکمت کے خلاف ہوگا۔ اسی طرح سورۃ بقرہ نمبر ۱۸۴ میں فرمایا وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ اس فعل میں لا کا کلمہ محذوف ہے ترجمہ یہ ہوگا اور ان پر جو روزہ کی طاقت نہیں رکھتے (مگر مکلّف ہیں) ایک مسکین کا کھانا بطور فدیہ کے لازم ہے اگر ترجمہ لا کے بغیر کیا جائے تو پھر روزہ کی حکمت فوت ہو جائے گی۔ اگر طاقت والے روزہ نہ رکھیں بلکہ وہ فدیہ ادا کریں تو کیا وہ روزہ رکھیں گے جن کی طاقت ہی نہیں۔ حالانکہ ارشاد قرآنی ہے۔

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ○ (بقرہ نمبر ۲۸۶)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کسی بھی انسان کو اس حکم کا مکلّف نہیں فرماتا جو اس کی وسعت اور طاقت میں نہ ہو۔

اختصار کے طور پر یہاں چند حروف کی تشریح کی جاتی ہے۔

اذ کا حرف قرآن مجید میں مشہور تو جبکہ کے معنی میں ہے جیسا کہ فرمایا وَاِذْقَالَ رَبُّكَ اور جب کہا تیرے رب نے مگر بعض آیات میں علت کے معنی میں بھی آیا ہے لَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ اِذْظَلَمْتُمْ (زخرف نمبر ۳۹) (ترجمہ) تم کو آج کے دن عذر کرنا کوئی فائدہ نہ دے گا اس لئے کہ تم دنیا میں اپنے آپ پر ظلم کر چکے ہو بعض آیات میں بطور شہادت کے بھی آیا ہے جیسا کہ فرمایا اَللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○ اِذْ قَالَتِ امْرَاَةُ عِمْرَانَ (آل عمران نمبر ۳۵) اللہ تعالیٰ سنتا اور جانتا ہے جب کہ یعنی جیسا کہ حضرت عمران کی زوجہ محترمہ نے زبان سے دعا کی اور فرمایا مَافِي

بَطْنِیْ ...... مگر مراد ان کی بیٹا تھا جس کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔

اذا کا معنی جب ہے فرمایا اِذَا جَاءَ نَصْرُا للّٰہِ جب اللہ تعالیٰ کی مدد آئے گی۔ مگر بعض آیات میں جزاء کے لئے بھی آیا ہے وَاِنْ تُصِبْھُمْ سَیِّئَۃٌ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْھِمْ اِذَا ھُمْ یَقْنَطُوْن (الروم نمبر ۳۶) ترجمہ:۔ اور جب ان کو اپنے اعمال کی سزا ملتی ہے تو ناامید ہو جاتے ہیں۔ اور بعض آیات میں اچانک کے معنی میں آیا ہے اِذَاھُمْ یَسْخَطُوْن ٥ (توبہ نمبر ۵) اچانک وہ غصے ہو جاتے ہیں۔

الا کا حرف اگرچہ استثناء کے لئے آیا ہے یعنی مگر کے معنی میں۔ مگر بعض آیات میں ان۔ لا کا مخفف ہے یعنی ان شرطیہ اور لانافیہ۔ فرمایا اِلَّا تَفْعَلُوْہُ (انفال نمبر ۷۳) اگر تم نے وہ (جہاد) نہ کیا۔ اسی طرح الی۔ ان کے معنی میں بھی آیا ہے فرمایا الا ان تقطع اس آیت میں الا الی ان کے معنی میں آیا ہے یہاں تک کہ۔ اسی طرح بعض علمائے نحو نے الا کو لا کے معنی میں بھی لیا ہے فرمایا لِئَلَّا یَکُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَیْکُمْ حُجَّۃٌ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (بقرہ نمبر ۱۵۰) ترجمہ یہ ہو گا۔ ''تاکہ نہ رہے لوگوں کا تم پر کوئی اعتراض اور نہ ہی ان کا جنہوں نے ظلم کیا۔

الا کا حرف تحضیض کے لئے آیا ہے ابھارنا، تیار کرنا، بھڑکانا۔ فرمایا الاتقاتلون کیا تم نہیں لڑتے کافروں سے۔ بعض آیات میں الا میں ہمزہ استفہام کا اور لانافیہ ہے جیسا کہ فرمایا اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ (سورۃ الملک آیت نمبر ۱۴) کیا نہیں جانتا وہ اللہ جس نے پیدا فرمایا۔

الیٰ کا حرف تک کے معنی میں آیا ہے الی المرافق (المائدہ نمبر ۶) ہاتھوں کو دھوؤ کہنیوں تک۔

طرف کا معنی بھی دیتا ہے فتوبوا الی بارئکم (بقرہ نمبر ۵۴) رجوع

کروتوبہ کے ساتھ اپنے پیدا کرنے والے کی طرف۔

قریب کے معنی میں بھی آیا ہے فرمایا وَاِذَا خَلَوْا اِلٰی شَیٰطِیْنِھِمْ (بقرہ ۱۴) اور جب وہ اپنے شیطانوں کے قریب ہوتے ہیں۔

ساتھ کے معنی میں بھی آیا ہے فرمایا وَلَا تَاْکُلُوْا اَمْوَالَھُمْ اِلٰی اَمْوَالِکُمْ (النساء نمبر۲) ان یتامی کے اموال اپنے اموال کے ساتھ نہ ملاؤ۔

ان کا معنی اگر ہے وَاِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ (بقرہ نمبر۲۳) اور اگر تم شک میں ہو اس کتاب سے جس کو ہم نے اتارا تاکید کے لئے بھی آیا ہے اِنْ کُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَیْھَا حَافِظٌ (الطارق نمبر۴) بے شک ہر جی پر ایک نگہبان مقرر ہے۔

نفی کے معنی میں بھی آیا ہے اِنْ مَّکَّنّٰکُمْ فِیْہِ (احقاف نمبر ۲۶) نہیں طاقت دی ہم نے تم کو اس میں۔

استفہام کے لئے بھی آیا ہے اِنْ عِنْدَکُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ بِھٰذَا (یونس نمبر ۶۸) کیا ہے تمہارے پاس اس پر کوئی دلیل۔

او کا حرف اکثر آیات میں یا کے معنی میں آیا ہے صدقة اونسك (بقرہ نمبر ۱۹۶) یہ حاجی صدقہ دے یا قربانی دے۔

جمع کے لئے بھی آیا ہے یَتَذَکَّرَ اَوْیَخْشٰی (طٰہٰ نمبر۴۴) نصیحت حاصل کرے اور ڈرے۔

او کا کلمہ واو کے لئے بھی آیا ہے مگر شرط یہ ہے کہ او کا حرف نفی پر داخل ہو۔ جیسا کہ فرمایا:

لَا تُطِعْ مِنْھُمْ اٰثِمًا اَوْ کَفُوْرًا ۝ (الدھر نمبر۲۴)

اور نہ پیروی کر تو ان میں سے کسی نافرمان اور ناشکرے کی۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ کے اپنے ارشاد میں او کا کلمہ پہلے حکم کی تحقیق کے لئے آیا ہے جو کہ بلکہ کے معنی میں آ سکتا ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام کے متعلق ارشاد فرمایا وَاَرۡسَلۡنٰهُ اِلٰى مِاَةِ اَلۡفٍ اَوۡيَزِيۡدُوۡنَ (الصافات نمبر ۱۴۷) اور بھیجا ہم نے حضرت یونس علیہ السلام کو ایک لاکھ کی طرف بلکہ اس سے زیادہ کی طرف۔ یعنی وہ لاکھ تو تھے ہی اس سے زیادہ بھی تھے۔

فی کا حرف عموماً ظرف کے لئے آیا ہے فرمایا فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ ان کے دلوں میں بیماری ہے مگر بعض آیات میں مقابلہ کے معنی میں بھی آیا ہے فَمَا مَتَاعُ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا فِى الۡاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيۡل (توبہ نمبر ۳۸) اور نہیں دنیاوی زندگی کا ساز و سامان آخرۃ کے مقابلہ میں مگر بہت ہی تھوڑا۔

با کا حرف قرآن مجید میں مندرجہ ذیل معانی کے لئے آیا ہے۔

۱۔ لام کے معنی میں فرمایا:

وَاِذۡ فَرَقۡنَا بِكُمُ الۡبَحۡرَ (بقرہ نمبر ۵۰)

اور جب ہم نے چیرا تمہارے لئے دریا کو

۲۔ وقت کے لئے فرمایا:

وَالۡمُسۡتَغۡفِرِيۡنَ بِالۡاَ سۡحَار (آل عمران نمبر ۱۵)

اور بخشش مانگنے والے سحری کو

۳۔ بعد کے معنی میں فرمایا

فَاَصَابَكُمۡ غَمًّا بِغَمٍّ (آل عمران نمبر ۱۵۳)

پس پہنچایا تم کو ایک غم کے بعد دوسرا غم۔

۴۔ علیٰ کے معنی میں

لَوْتُسَوّٰی بِھِمُ الْاَرْضَ (النساء نمبر ۴۲)

کاش ان پر زمین برابر کردی جاتی

۵۔ بطور صلہ کے فرمایا

فَامْسَحُوْا بِوُجُوْھِکُمْ (المائدہ نمبر ۶)

پس تم اپنے چہروں کا مسح کرو۔

۶۔ مصاحبۃ کے معنی میں۔فرمایا

وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْکُفْرِ (المائدہ نمبر ۶۱)

اور جب وہ داخل ہوئے کافر تھے۔

۷۔ الی کے معنی میں فرمایا:

مَاسَبَقَکُمْ بِھَا (اعراف نمبر ۸۰)

نہیں گیا اس کی طرف کوئی۔

۸۔ سبب کے معنی میں فرمایا:

وَالَّذِیْنَ ھُمْ بِہٖ مُشْرِکُوْن (النحل نمبر ۱۰۰)

اور وہ جو شیطان کی وجہ سے مشرک ہو گئے

۹۔ عن کے معنی میں فرمایا

فَاسْئَلْ بِہٖ خَبِیْرًا (الفرقان نمبر ۵۹)

تو اس بات کے متعلق باخبر ذات سے پوچھ لے

۱۰۔ ساتھ کے معنی میں فرمایا

فَتَوَلّٰی بِرُکْنِہٖ (الذریات (۳۹)

پس وہ فرعون لوٹا اپنی طاقت سمیت

۱۱۔ من کے معنی میں فرمایا

يَشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْن (الدھر نمبر ٦)

اس سے پئیں گے مقرب بارگاہ لوگ

ام کا حرف زیادہ تر تردید کے لئے آیا ہے مگر بعض آیات میں بل کے معنی میں بھی آیا ہے فرمایا اَمْ اَنَا خَيْرٌ (الزخرف نمبر ۵۲) فرعون نے کہا بلکہ میں تو موسیٰ سے بہتر ہوں جمہور کا قول یہ ہے کہ ام کا حرف بل اور ہمزہ استفہام دونوں کے لئے آیا ہے جیسا کہ سورہ الکھف نمبر ۹ میں فرمایا ام حسبت ۔

ان کا حرف قرآن مجید میں اکثر جگہ سابق کی تفسیر کے لئے آیا ہے جیسا کہ فرمایا وَنَادَيْنَاهُ اَنْ يَّآ اِبْرَاهِيْم (الصفت نمبر ۱۰۴) اور ہم نے اس کو آواز دی وہ آواز کیا تھی اے ابراہیم علیہ السلام اور کبھی سبب اور علت کے لئے بھی آیا ہے اِنْ كُنَّا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ (الشعراء نمبر ۵۱) ہمارے گناہوں کو بخش دے اس لئے کہ ہم سب سے پہلے ایمان لائے۔

من کا حرف بعض کے معنی میں زیادہ آیا ہے جیسا کہ فرمایا وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنفِقُوْن (بقرہ نمبر ۳) اور اس مال سے جو ہم نے ان کو دیا کچھ ہماری راہ میں بھی خرچ کرتے ہیں۔

علت اور سبب کے لئے بھی آیا ہے فرمایا مِمَّا خَطِيْئَا تِهِمْ اُغْرِقُوْا (نوح نمبر ۲۵) اپنے گناہوں کی وجہ سے وہ غرق کر دیے گئے۔

استغراقیہ بھی ہے یعنی سب کے لئے۔ جیسا کہ فرمایا مَامِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰه (آل عمران نمبر ٦٢) اللہ کے بغیر کوئی بھی الٰہ نہیں۔

مقابلہ کے لئے۔ جیسا کہ فرمایا لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِنَ

اللّٰہِ (الحشر نمبر ۱۳) (ترجمہ) بے شک تمہارا ان کے دلوں میں زیادہ رعب ہے اللہ کے مقابلہ میں۔

ما کا حرف قرآن کریم میں تین معنوں میں آیا ہے نفی کیلئے فرمایا وَمَاھُمْ بِخَارِجِیْنَ مِنَ النَّار (بقرہ نمبر ۱۶۷) اور نہ ہوں گے وہ آگ سے نکلنے والے۔ موصولہ فرمایا اِنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَیْئٍ (انفال نمبر ۴۱) جو تم حاصل کرو کچھ بھی مال غنیمت سے۔ شرطیہ فرمایا فَمَا اسْتَقَامُوْا لَکُمْ فَاسْتَقِیْمُوْا لَھُمْ (توبہ نمبر ۸) (ترجمہ) پس جب تک وہ تمہارے لئے سیدھے رہیں تم بھی ان کے لئے سیدھے رہو۔

ل کا حرف قرآن مجید میں دو طرح آیا ہے۔ مفتوح اور مکسور۔ لام مفتوحہ اسم پر بھی آتا ہے اور فعل اور حرف پر بھی۔ مگر سب جگہ تاکید کے لئے آیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا اِنَّ اِبْرَاھِیْمَ لَاَوَّاہٌ حَلِیْم (توبہ نمبر ۱۱۴) بے شک ابراہیم بڑے ہی جھکنے والے اور بردبار ہیں لیقولن وہ ضرور کہتے ہیں (قسم کھا کر) ولقد یہ لام بھی قسم کے معنی میں آیا ہے۔

لام مکسور کے گیارہ معانی ہیں۔

۱۔ ملك کے لئے

لِلّٰہِ مَافِیْ السَّمٰوٰتِ وَمَا فِیْ الْاَرْضِ (بقرہ نمبر ۲۸۴)

اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے۔

۲۔ الٰی کے معنی میں فرمایا

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدَانَا (اعراف نمبر ۴۳)

سب تعریف اس اللہ کو ہے جس نے ہماری ادھر راہ نمائی کی۔

۳۔ ان کے معنی میں فرمایا

مَا کَانَ اللّٰہُ لِیُطْلِعَکُمْ عَلَی الْغَیْبِ (آل عمران نمبر ۱۷۹)

ان یطلعکم کہ تم کو غیب پر مطلع کرتا

۴۔ کے (تا) کے معنی میں فرمایا

لِیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (یونس نمبر ۴)

تا کہ ایمانداروں کو جزاء دے۔

۵۔ علی (پر) کے معنی میں فرمایا دَعَا نَا لِجَنْبِہٖ (یونس نمبر ۱۲)

پکارا ہم کو پہلو کے بل لیٹے ہوئے۔

۶۔ صلہ فرمایا

اِنْ کُنْتُمْ لِلرُّؤْیَا تَعْبُرُوْنَ ۝ (یوسف نمبر ۴۳)

اگر تو خوابوں کی تعبیر کرتے ہو۔

۷۔ عند (پاس۔ ہاں) کے معنی میں فرمایا

وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ (طٰہٰ نمبر ۱۰۸)

اور پست ہو جائیں گے آواز رحمٰن کے پاس

۸۔ امر کے لئے فرمایا

لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ (ابراھیم نمبر ۳۱)

ان کو حکم دیا جاتا ہے کہ نماز قائم کریں۔

۹۔ عاقبۃ، انجام کے لئے فرمایا

لِیَکُوْنَ لَھُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا (القصص نمبر ۸)

نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان (فرعونیوں) کا دشمن اور ان کو غم میں ڈالنے والا ہو گیا۔

۱۰۔ ظرف مکان (فی) کے معنی میں۔فرمایا

لِاَوَّلِ الْحَشْرِ (الحشر نمبر ۲)

جمع ہونے کے ابتدائی وقت میں۔

۱۱۔ تعلیل کے لئے فرمایا

اِنَّمَا نُطْعِمُکُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ (الدھر نمبر ۹)

ہم کھلاتے ہیں تم کو اللہ کی رضا کے لئے۔

لولا کا حرف قرآن کریم میں ستر دفعہ آیا ہے۔تیس جگہ تو "ایک کی نفی کا توقف دوسرے کی نفی پر" کے لئے ہے اور باقی مقامات پر ھلا تخریض کے معنی میں آیا ہے جس کا معنی کیوں نہ ہوا یہ کام، کیوں نہ ہوئی یہ بات اس کی تشریح تو بڑی کتابوں میں موجود ہے البتہ یہاں دو مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔فرمایا

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَکُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ ۝ (بقرہ نمبر ۶۴)

(ترجمہ) اور اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی تو تم نقصان والوں سے ہو جاتے۔یعنی تم نقصان سے اللہ کی رحمت کی وجہ سے محفوظ رہے۔اور دوسری مثال میں فرمایا:

لَوْلَا یَنْھٰھُمُ الرَّبّٰنِیُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ (المائدہ نمبر ۶۳)

ایسا کیوں نہ ہوا کہ روکتے ان کو علماء اور مشائخ حرام کھانے سے، اور گناہ کی بات کہنے سے۔

کلا کا حرف قرآن مجید میں ۳۳ دفعہ آیا ہے۔

چودہ آیات میں تو لا کے معنی میں آیا ہے یعنی ہرگز نہیں فرمایا لَعَلِّیْٓ اَعْمَلُ

صَالِحًا فِیْمَا تَرَکْتُ کَلَّا (المومنون نمبر ۱۰۰) موت کے وقت کافر کہتا ہے مجھے لوٹا دو تا کہ چھوڑے ہوئے مال میں نیکی کر آؤں۔ نہیں ہرگز نہیں۔

باقی بارہ مقامات کے حوالے درج ہیں۔

سورہ مریم ۲۔ الشعراء ۱۔ القیامۃ ۲۔ الفجر ۲۔ الھمزہ ۱۔ لمدثر، ۔ المطففین، ۱۔ المعارج، ۱۔ السباء، باقی آیات مندرجہ ذیل حوالہ میں حقا کے معنی میں آیا ہے۔ یعنی یہ بات یقینی اور حق ہے۔

المدثر، ۱۔ القیامۃ، ۱۔ النباء، ۱۔ عبس، ۱۔ الانفطار، ۱۔ المطففین، ۱۔ القلم، ۱۔ التکاثر،

فائدہ: بعض علماء نے کلا والقمر (المدثر نمبر ۳۲) میں اس حرف کو نعم (ہاں) کے معنی میں لیا ہے۔ اور کَلَّا اِنَّ کِتَابَ الْاَبْرَارِ لَفِیْ عِلِّیِّیْن (التطفیف نمبر ۱۸) کو افتتاحیہ ابتدائیہ تسلیم کیا ہے۔

من کا حرف قرآن مجید میں تین معانی کے لئے آیا ہے۔ مَن موصولہ جو کے معنی میں فرمایا ومن الناس من یقول (بقرہ نمبر ۸) اور لوگوں میں سے وہ بھی ہیں جو کہتے ہیں مَن شرطیہ من یقل منھم اگر کوئی کہے ان میں سے۔ مَن استفہامیہ۔ جیسا کہ فرمایا مَنْ ذَالَّذِیْ یَشْفَعُ (الآیۃ بقرہ نمبر ۲۵۵) (استفہام انکاری)

فائدہ: من موصولہ اعراب پر اثر انداز نہیں ہوتا۔ اور من شرطیہ اثر انداز ہو جاتا ہے یعنی فعل مضارع کو جزم دیتا ہے۔ دونوں کی اکٹھی مثال سورہ محمد آیت نمبر ۳۸ میں فرمائی۔

فَمِنْکُمْ مَّنْ یَّبْخَلُ وَمَنْ یَّبْخَلْ فانما یبخلُ عَنْ نَّفْسِہٖ

ترجمہ: پس تم میں سے کوئی تو بخل کرتا ہے اور جو کوئی بخل کرے گا اس کا بخل اس ہی پر پڑے گا۔

اس آیت میں پہلا یبخل مرفوع ہے کہ اس پر من موصولہ ہے اور دوسرا من شرطیہ ہے اس لئے یبخل کے آخر میں جزم ہے۔

فائدہ: ہر شرط کا وقوع ضروری نہیں تاکہ اس پر جزاء مرتب کی جائے قرآن کریم کی سورۃ انبیاء آیت نمبر ۲۹ میں انبیاء علیہم السلام کے متعلق فرمایا وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّیْ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ اگر کوئی کہے ان رسولوں میں سے کہ میں بھی اللہ کے سوا معبود ہوں۔ یعنی۔ کہا نہیں کسی نے اگر بالفرض کہا۔

لن کا حرف نفی مستقبل کے لئے ہے فرمایا ولن تفعلوا (بقرہ نمبر ۲۵) اور تم ہرگز نہ کرسکو گے مگر سورۃ توبہ آیت نمبر ۸۳ میں لا نہی کے معنی میں آیا ہے۔ فرمایا فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِیَ اَبَدًا یہاں معنی نہی کا ہے یعنی تم میرے ساتھ جہاد کے لئے آئندہ ہرگز نہ نکلو۔

افا یہ حرف دو حرفوں کا مجموعہ ہے ہمزہ استفہام اور دوسرا فا ان دونوں کے افعال الگ الگ ہیں تقدیر عبارت یوں ہے انجوتم فامنتم (کیا تم نے غرق ہونے سے نجات حاصل کرلی کہ بےغم ہو گئے ہو)

ھل کا حرف قرآن مجید میں مندرجہ ذیل طریقوں پر آیا ہے اور ہر عبارت میں معنی علیحدہ ہے فرمایا:

(۱) هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ (الدھر نمبر ۱)
یقیناً گذرا انسان پر ایک زمانہ (ھل قد کے معنی میں ہے)

(۲) هَلْ مِنْ مَّزِيْد (ق نمبر ۳۰)
کیا کچھ باقی ہے؟ (ھل یہاں استفہام کے لئے ہے)

(۳) هَلْ مِنْ مُّدَّكِر (القمر نمبر ۱۷)

کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے (یہ ھل امر کے لئے ہے)

(۴) فَهَلْ يَنظُرُونَ اِلَّا السَّاعَةَ (محمد نمبر ۱۸)

یہ صرف قیامت کے منتظر ہیں (یہ ھل ما کے معنی میں ہے)

واؤ کا حرف قرآن مجید میں مطلقا جمع کے لئے آیا ہے فرمایا فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْله...... پس اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول پر۔ قسم کے لئے فرمایا واللہ ربنا قسم ہے اس اللہ کی جو ہمارا رب ہے۔

واؤ حالیہ۔ فرمایا وھو مومن درآنحالیکہ وہ مومن ہو۔ واؤ تفسیر یہ۔ فرمایا وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا اور وہ جنہوں نے کفر کیا یعنی جھٹلایا ہماری آیتوں کو۔ اس لئے کہ کفر تکذیب ہی کا نام ہے۔

فائدہ: عربی زبان میں ایک واو ثمانیہ بھی ہے جو سات معدودات کے بعد آٹھویں سے پہلے آتی ہے جیسا کہ سورۃ الکھف نمبر ۲۲ و ثامنھم اور ان کا آٹھواں۔ سورۃ التحریم آیت نمبر ۴ میں فرمایا وابکارا اور کنواریاں بھی۔ اور سورۃ توبہ نمبر ۱۱۲ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ نیکیوں کی آٹھویں علامت فرمائی۔

س کا کلمہ عموماً استقبال کے لئے آیا ہے جیسا کہ عموماً آیت قرآنیہ میں ہے یہ حرف فعل مضارع پر داخل ہوتا ہے مگر استمرار کے لئے بھی آیا ہے جیسا کہ فرمایا سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ (النساء نمبر ۹۱) تم پاتے رہو گے دوسرے کافروں کو بھی۔

فا کا حرف تعقیب کے لئے آیا ہے یعنی ایک کے بعد دوسرے کا آنا جیسا کہ فانفجرت ○ (بقرہ نمبر ۶۰) یعنی جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پتھر کو لاٹھی ماری تب اس سے بارہ چشمے پھوٹے پہلے موجود نہ تھے۔

تفسیر کے طور پر بھی آیا ہے جیسا کہ فرمایا فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ

(اعراف نمبر۱۳۶) پس ہم نے ان سے بدلہ لیا۔ یوں کہ ان کو غرق کر دیا۔

علت اور سبب کے معنی میں۔ فرمایا لَا یُقْضٰی عَلَیْهِمْ فَیَمُوْتُوْا (فاطر نمبر۳۶) ان کے بارے میں فیصلہ نہ کیا جائے گا تاکہ مر جائیں۔

ثم کا حرف پھر کے معنی میں ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ ثُمَّ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ (بقرہ نمبر۲۸)

استبعاد کے لئے جس بات کا ذکر ثم کے بعد ہو رہا ہے یہ نہ ہونی چاہئے تھی فرمایا ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُکُمْ (بقرہ نمبر۷۴) اتنے انعامات کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے حالانکہ ان کو مطیع اور فرماں بردار ہونا چاہیئے تھا۔ اس صورت میں تقدیم اور تاخیر کا کوئی خاص فرق نہ ہوگا جیسا کہ سورۃ النساء نمبر۱۵۳ میں فرمایا فَقَالُوْا اَرِنَا اللّٰہَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصَّاعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ثُمَّ اتَّخَذُ وُ الْعِجْلَ.........

اس آیت میں ان کی گئو سالہ پرستی کا ذکر بعد میں ہے حالانکہ یہ پہلے ہو چکا تھا جیسا کہ سورۃ بقرہ میں گذر چکا ہے صرف تعقیب فی الذکر فرمایا ثُمَّ اسْتَوٰی اِلَی السَّمَاءِ اس کا مطلب یہ نہیں اللہ تعالیٰ کے حکم اور فعل میں زمانہ خرچ ہوتا ہے اور وقت لگتا ہے بلکہ وہاں تو یہ ہے اِذَا قَضٰی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْنُ (بقرہ نمبر۱۱۷)

ترقی کے لئے جیسا کہ فرمایا ثُمَّ اَوْحَیْنَا اِلَیْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرَاهِیْمَ حَنِیْفًا (النحل نمبر۱۲۳) یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقام اس قدر بلند اور رفیع ہے کہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ملت ابراہیمی کی پیروی کا امر فرمایا

وَاِنْ کُلًّا لَّمَّا یہ کلمہ اصل میں وَاِنْ کُلًا لَمَنْ مَا (الآیۃ)

اس کا ترجمہ یوں فرمایا:۔

''یہ سب لوگ ان میں سے ہیں کہ جب وقت مقرر آیا تیرا

رب ان کو ان کے اعمال کی پوری پوری جزا دے گا“

وَیْکَأَنَّ اس حرف کے متعلق بعض علماء نے فرمایا ویک ویلک کا مخفف ہے اور بعض نے فرمایا وَیْ تعجب کا کلمہ ہے اور بعض نے فرمایا اس کا معنی اَلَمْ تَرَ ہے۔

اَرَأَیْتَكَ اس کلمے میں تین اقوال ہیں۔ کسائی نے کہا اَرَاَیْتَ نَفْسكَ فراء نے کہا:۔ ارایت انت نفسك بصری علماء کا قول ہے کہ کاف محض تاکید کیلئے آیا ہے معنی یہ۔ کہ کیا تو نے دیکھا۔

لَمَّا کا معنی جبکہ ہے اور مگر۔ ابھی تک، جیسا کہ فرمایا بَلْ لَّمَّایَذُوْقُوْا عَذَاب (صٓ نمبر ۸) ”ابھی تک انہوں نے میرا عذاب نہیں دیکھا۔“ اور بعض جگہ الا کے معنی میں آیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا اِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا (زخرف نمبر ۳۵) اور جس لما کے بعد فعل ماضی ہے وہ ظرف مکان کے معنی میں ہوگا فرمایا فَلَمَّا اَضَائَتْ (پس اس جگہ کو جب روشن کیا)

لما میں لام تاکید یہ اور ما موصولہ۔ علمائے تفسیر نے فرمایا۔ یہ لام قسم کے لئے ہے معنی یہ ہوگا بخدا وہ جب کہ میں تمہیں کتاب دوں۔

اَمَّا کا حرف شرط کے شروع میں آتا ہے مگر بعض آیات میں ام ما کا مرکب ہے، جیسا کہ فرمایا

اَللّٰه خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْن ○ (النمل نمبر ۵۹)

کیا اللہ بہتر ہے یا وہ جن کو وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرتے ہیں

اَمَّنْ کا حرف بھی دو حرفوں کا مجموعہ ہے اَمْ ، مَنْ کیا وہ۔

(۳۶) قرآنی رسم الخط کا لحاظ

قرآن کریم کا اپنا رسم الخط ہے جو نہ کسی دوسرے خط پر قیاس کیا جا سکتا ہے نہ اس پر کسی اور خط کو قیاس کیا جا سکتا ہے۔ خطان لایقاسان خط المصحف و خط العروض (المنح الفکریہ ص۲۲)

یعنی دو خط ہیں جو دوسرے خطوں سے ممتاز اور جدا ہیں جیسا کہ فاعلات کا کلمہ دوسرے معانی میں اسی طرح لکھا جاتا ہے لیکن علم عروض جب کسی بحر کے وزن کی تقطیع کی جائے تو یوں لکھا جاتا ہے فا علاتن اسی طرح قرآن حکیم کے رسم الخط کو بدلنا بھی ناجائز ہے مثلاً جیسا کہ الصلوٰۃ والزکوٰۃ پڑھا جاتا تو الف کے ساتھ ہے مگر لکھا واو کے ساتھ ہے یا جیسا کہ لَا اِلَی اللّٰہِ تُحْشَرُوْن...... یہاں پڑھنے میں لا نہیں ل ہے تو معنی بھی لام تاکید ہی کا ہے۔ خواہ مخواہ ضرور اللہ کی طرف تم اٹھائے جاؤ گے۔ اس لئے اب اسی رسم الخط کی پیروی لازم اور ضروری ہے۔ تفسیر نیشاپوری میں ہے۔

> ''آئمۂ تفسیر کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ قاری اور علماء اور دوسرے مصنفین پر واجب ہے کہ وہ قرآنی آیات کے لکھنے میں اسی رسم الخط کی پیروی کریں جو آج تک حضرت زید بن ثابت سے منقول چلا آتا ہے اس لئے کہ حضرت زید بن ثابت کاتب وحی تھے آپ پر سید دو عالم ﷺ نے اعتماد فرمایا اور ان کے لئے دعا فرمائی۔ جس کے طفیل حضرت زید کے لئے علوم قرآنیہ کے وہ معارف کھل گئے جو دوسرں کے لئے نہ کھل سکے''

خاص رسم الخط کے موضوع پر علماء نے کتابیں لکھی ہیں جن میں سے

الاقتصافی رسم الخط مشہور ہے جس کا مصنف شیخ ابوعمر وعثمان بن سید الدانی م ۴۴۴ھ ہے اسی طرح ابو العباس مراکشی کی کتاب عنوان الدلیل فی مراسم خط التنزیل بھی قابل مطالعہ ہے۔ بعض آیات کے معانی کا تعلق بھی رسم الخط سے ہے جیسا کہ علیٰ اور علا دونوں کا تلفظ تو ایک جیسا ہے مگر پہلا علیٰ حرف جر ہے اور دوسرا فعل ہے۔

(۱) ذیل میں وہ کلمات ذکر کئے جاتے ہیں جو نہ پڑھے جاتے ہیں نہ کوئی معنی ہے۔ مگر رسم الخط میں ان کا لکھا جانا ضروری ہے۔

لا الی اللّٰه، افائن، ملائه، لا اوضعوا، ملائم، ثمودا، لتتلوا، لن ندعوا، لکنا، لیربوا، لا الی الجحیم، لیبلوا، سلسلا، قواریرا، اسی طرح فعل ماضی اور فعل امر کے بعد جو الف لکھا جاتا ہے وہ زیادہ ہے فرمایا خرجوا، حافظوا

فائدہ: قرآن حکیم میں ہر جمع کی مذکر ماضی اور امر کے آخر میں واو کے بعد الف زائدہ لکھا ہوا ہے لیکن صرف سورۃ التطفیف کی آیت نمبر۲ میں کالوھم اووزنوھم میں واو کے بعد الف نہیں۔

(۲) وہ حروف جو لکھے پڑھے جاتے ہیں مگر معنی میں مراد نہیں فرمایا۔ الظنونا، الرسولا، السبیلا اسی طرح مندرجہ ذیل کلمات میں ہ لکھی بھی جاتی ہے اور پڑھی بھی۔ مگر مراد نہیں۔ لم یتسنه (بقرہ نمبر ۲۵۹) سلطانیه، مالیه، حسابیه، کتابیه (الحاقہ) اقتدہ (انعام نمبر ۹۰) ماھیه (القارعہ نمبر ۱۰) بعض علماء کے نزدیک پہلے کلمہ میں ھا زائدہ نہیں بلکہ نفس کلمہ کی ہے۔

(۳) وہ حروف جو نہ لکھے گئے ہیں اور نہ پڑھے جاتے ہیں۔ مگر معنی میں مراد ہیں جیسا کہ:-

ا: عَمَّ يَتَسَاءَ لُوْن (النبا نمبر ۱) لِمَ تَعِظُوْنَ (اعراف نمبر ۱۶۴) فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِ كْرَاهَا (والنزعات نمبر ۴۳) فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ (الحجر نمبر ۵۴) ان میں میم کے بعد الف مراد ہے یہ سب ما کے معنی میں ہیں۔

ب: اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْن (نور نمبر ۳۱) اَيُّهَ السَّاحِر (زخرف نمبر ۴۹) اَيُّهَ الثَّقَلَان (الرحمن نمبر ۳۱) ان کلمات میں ایہا پڑھا جاتا ہے۔

ج: بعض کلمات میں ی محذوف ہے مگر آخری حرف کا کسرہ اس کیلئے موجود ہے وہ آیات درج ذیل ہیں۔

يَاقَوْمِ، يَاعِبَادِ، وَمَنِ اتَّبَعَن، فَلَاتَسْتَعْجِلُوْن، وَاخْشَوْنِ، وَقَدْ هَدَ انِ، ثُمَّ كِيْدُ وْنِ ، اَخَّرْتَنِ، اَلْمُهْتَدِ، ونذرِ، اِنْ تَرَنِ، اَنْ يُوْتَيِنِ، مَاكُنَّا نَبْغِ ،اَنْ يَّهْدِيَنِ، اتبعونِ، فَارْهَبُوْنِ، فَاتَّقُوْنِ، وَلَاتَكْفُرُوْنِ، اَطِيْعُوْنِ، اِلَيْهِ مَابِ، مَتَابِ، تَقَبَّل دُعَاءِ (ابراہیم) عَذَابِ ، عِقَابِ (الرعد) نَذِيْرِ، نَكِيْرِ (الملک) وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ، يُطْعِمُوْنِ، سَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ ، يَقُصُّ الْحَقّ، نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْن۔

فائدہ: صرف دو کلمات ایسے ہیں جن پر کسرہ نہیں۔ مگر وہاں ی مراد ہے اور وہ سورۃ الفجر کے اَكْرَمَنْ اور اَهَانَنْ ہیں۔

(۴) تا کا حرف سارے قرآن مجید میں ۃ کی شکل میں ہے مگر مندرجہ ذیل آیات میں ت لکھا ہوا ہے۔ فرمایا

نِعْمَتُ: بقرہ نمبر ۲۳۱، المائدہ نمبر ۱۱، آل عمران نمبر ۱۰۳، ابراہیم نمبر ۲۸، النحل نمبر ۸۳، لقمن نمبر ۳۱، فاطر نمبر ۳، الطور نمبر ۲۹

رَحۡمَتُ: بقرہ نمبر ۲۳۱، اعراف نمبر ۵۷، ھود نمبر ۷۳، مریم نمبر ۲، الروم نمبر ۵۰، زخرف نمبر ۳۲

اَلسُّنَّتُ انفال نمبر ۳۸، فاطر نمبر ۴۳، المومن نمبر ۸۵

اِمۡرَاَتُ آل عمران نمبر ۳۴، یوسف نمبر ۳۰، ۵۱، القصص نمبر ۹، التحریم نمبر ۹، ۱۰

کَلِمت اعراف نمبر ۱۱۶، یونس نمبر ۶۴ مومن نمبر ۶۶، شَجَرت (الدخان نمبر ۴۳

معصیت المجادلہ مبر ۸، ۹لعنت آل عمران نمبر ۶۰، نور نمبر ۷،

اثمرات فصلت نمبر ۴۸، بقیت اللّٰہ (ھود نمبر ۸۶)قرت عین (القصص نمبر ۹)

(۵) دو کلمات میں نون خفیفہ کو تنوین کی شکل میں تحریر کیا گیا ہے ولیکونا (یوسف نمبر ۳۲)لنسفعنا (العلق نمبر ۱۵)

(۶) لام اور ہذا دونوں اکٹھے لکھے ہوئے ہیں۔مگر مَالِ هٰذَا الۡكِتٰبِ (الکھف نمبر ۴۹)مَالِ هٰذَا الرَّسُوۡلِ (الفرقان نمبر ۷) فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ (النساء نمبر ۷۸) فَمَالِ الَّذِيۡنَ (معارج نمبر ۳۶) میں لام اور ھذا علیحدہ علیحدہ لکھے گئے ہیں۔

(۷) قرآن حکیم میں اِنَّمَا اور اَنَّمَا اکثر آیات میں حصر کے لئے ہے مگر آل عمران نمبر ۱۷۸ اِنَّمَا نُمۡلِىۡ لَهُمۡ اور انفال نمبر ۴۱ اَنَّمَا غَنِمۡتُمۡ میں اِنَّ اَنَّ تاکید یہ اور موصولیہ ہے۔

(۸) سورۃ النجم آیت نمبر ۴۴ میں احی اور باقی آیات میں احیا لکھا گیا ہے۔

(۹) قرآن حکیم میں تمام آیات میں عَلَيۡهِ ہے مگر الفتح نمبر ۱۰ میں عَلَيۡهُ اللّٰهُ آیا ہے۔

(۱۰) تمام آیات میں توفِيۡهِ پڑھا جائے گا مگر سورۃ الفرقان نمبر ۶۹ میں فيه پڑھا جائے گا۔

(۱۱) اسی طرح اعراف نمبر ۱۶۶ میں عَنْ مَا اور الرعد میں اِنْ مَا فرمایا۔ اسی طرح النمل نمبر ۸۴ اَمَّاذَا دراصل اَمْ مَاذَا ہے۔

(۱۲) اَلَّا کا کلمہ دراصل اَنْ لَا ہے مگر قرآن حکیم کی عبارت متواترہ میں مندرجہ ذیل آیات میں علیحدہ لکھا گیا ہے۔

اَنْ لَّا یقول (اعراف نمبر ۱۰۴) اَنْ لَّا ملجاء (توبہ نمبر ۱۱۸) اَنْ لَّا تعبدوا الا اللّٰه (ھود نمبر ۲۵) اَنْ لَّا تشرك (الحج نمبر ۲۶) اَنْ لَّا تعبدوا الشیطٰن (یٰس نمبر ۶۰) اَنْ لَّا تعلوا (الدخان نمبر ۱۹) اَنْ لَّا یشر کن باللّٰه (الممتحنہ نمبر ۱۲) اَنْ لَّا یدخلنھا (ن نمبر ۲۴)

فائدہ: کاتب وحی حضرت زید بن ثابت سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ان کو فرمایا کہ بسم اللہ لکھتے وقت س کو ظاہر کر کے لکھو یعنی بسم اللہ (بغیۃ الوعاۃ ص ۴۵۲)

یزید بن حبیب بیان کرتے ہیں کہ عمرو بن العاص کے کاتب نے حضرت عمر کے نام ایک خط میں بسم اللہ کے س کو ظاہر کر کے نہ لکھا اس پر حضرت عمر نے اس کو تازیانہ کی سزا دی۔

(۳۷) رموز اوقاف کا لحاظ

اگرچہ دور اول میں اوقاف کی موجودہ اصطلاحات وقف لازم اور واجب وغیرہ موجود نہ تھیں کہ وہ اہل لسان تھے۔ مگر بعد میں قراء حضرات نے ان کو اصطلاحی طور پر وضع فرمایا۔ سب سے پہلے شیخ ابوعبداللہ محمد بن عیسٰی مغربی نے ان کو مدون فرمایا جن کی مختصر کیفیت درج ذیل ہے۔

م: کا حرف وقف لازم کا اشارہ ہے وہاں ٹھہرنا لازم ہے وگرنہ مطلب بگڑ جاتا ہے۔

ج: کا مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ ابھی مطلب پورا نہیں ہوا مگر ملانا اور وقف کرنا دونوں جائز ہیں۔

لا: کا مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ دونوں کو ملا کر پڑھنے سے ایک بات بن جائے گی ورنہ علٰیحدہ علٰیحدہ رہے گی۔

معانقہ (∴) یہ تین نکتے بعض آیات میں ایک کلمے کے دونوں طرف پائے جاتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد قرآنی ہے۔ لَا رَیْبَ ∴ فیہ∴ ھدی للمتقین، فیہ کا کلمہ دونوں طرف متصل کیا جا سکتا ہے یوں ترجمہ کریں "لا ریب فیہ" اس کتاب میں کچھ شک نہیں۔ یافیہ ھدی للمتقین اس کتاب میں ہدایت ہے پرہیزگاروں کیلئے دونوں ترجمے صحیح اور بامقصد ہوں گے۔

فائدہ:

(۱) قرآن کریم کے کلمات کی حرکت سکون مقدار حرکت وغیرہ امور کے لئے دور اول میں نقط ایجاد کئے گئے تھے اس موضوع پر کئی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ علامہ قاری مقری ابو عمرو عثمان بن سعید الدانی م ۴۴۴ھ کی کتاب المحکم اس موضوع پر جامع کتاب ہے جو دمشق کی وزارت ثقافت کی حسن توجہ سے بہترین طباعت کے ساتھ طبع ہو چکی ہے اسی طرح حکومت کویت کے مطبوعہ مصحف شریف میں دائروں O اور نقطوں کی مدد سے حرکات سکنات سمجھائے گئے ہیں۔

(۲) علامات وقف کی ایک مثال درج کی جاتی ہے۔

م: وقف لازم: اِنَّمَا یَسۡتَجِیۡبُ الَّذِیۡنَ یَسۡمَعُوۡنَ ؕ وَالۡمَوۡتٰی یَبۡعَثُہُمُ اللّٰہُ

ترجمہ: بات کو وہی قبول کرتے ہیں جو سنتے ہیں (اور دوسری بات یہ ہے) کہ مردوں کو اللہ تعالیٰ اٹھائے گا۔

لا: وقف ممنوع: اَلَّذِيۡنَ تَتَوَفّٰهُمُ الۡمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيۡنَ ۙ يَقُوۡلُوۡنَ سَلٰمٌ عَلَيۡكُمُ ۙ ادۡخُلُوا الۡجَنَّةَ (النحل نمبر۳۲)

ترجمہ: وہ جن کو فرشتے پاکیزگی کی حالت میں وفات دیتے ہیں (ان سے اسی وقت کہتے ہیں) تم پر سلام ہو جنت میں داخل ہو جاؤ۔

ج: وقف جائز کی تین قسمیں ہیں:

(۱) وقف کرنا نہ کرنا دونوں جائز ہیں معنی میں کچھ فرق نہیں پڑتا نَحۡنُ نَقُصُّ عَلَيۡكَ نَبَاَهُمۡ بِالۡحَقِّ ؕ اِنَّهُمۡ فِتۡيَةٌ اٰمَنُوۡا بِرَبِّهِمۡ وَزِدۡنٰهُمۡ هُدًى (کہف نمبر۱۳)

حق پر وقف کریں تب بھی درست نہ کریں تب بھی درست اور جائز ہے۔

(۲) وقف جائز تو ہے مگر ملا دیں تو بہتر ہے اس کی علامت صلے ہے جیسا کہ فرمایا:۔

وَاِنۡ يَّمۡسَسۡكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَاِنۡ يَّمۡسَسۡكَ بِخَيۡرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ (الانعام نمبر۱۷)

(۳) وقف بھی اور وصل بھی جائز۔ مگر وقف زیادہ بہتر ہے اس کی علامت قلے ہے۔ فرمایا:

قُلۡ رَّبِّىۡۤ اَعۡلَمُ بِعِدَّتِهِمۡ مَّا يَعۡلَمُهُمۡ اِلَّا قَلِيۡلٌ ۙ فَلَا تُمَارِ فِيۡهِمۡ (الکہف نمبر۲۲) (واللہ اعلم)

(۳۸) لطائف القرآن

کلا کا کلمہ قرآن مجید کے پہلے نصف میں نہیں آیا آخری نصف میں آیا ہے اور جس سورۃ میں یہ کلمہ آیا ہے وہ مکی ہے۔

سورۃ الرحمٰن اور سورۃ الواقعہ میں اللہ کا کلمہ ایک دفعہ بھی نہیں آیا۔ مگر سورۃ المجادلہ کی ہر آیت میں اللہ کا کلمہ موجود ہے عز اسمہ۔

سارے قرآن مجید میں کسی عورت کا نام سوائے مریم علیہا السلام کے نہیں آیا۔ صحابہ کرام میں سے صرف حضرت زید کا نام نامی آیا ہے۔ رضی اللہ عنہ۔

قرآن کریم کی دو آیات میں الف سے یا تک سارے حروف تہجی موجود ہیں۔

ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ بَعْدِ الْغَمِّ (آل عمران نمبر ۱۵۴)

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا (الفتح نمبر ۲۹)

جامعیت الفاظ قرآنی کی مثال میں سورۃ النمل کی مندرجہ ذیل آیت سمجھ لی جائے۔ فرمایا:

(۱) يٰٓاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝

ندا، تنبیہ، تسمیہ، امر، نصیحت، تحذیر، تخصیص، تعمیم، اشارہ، عذر (اس میں آگئے ہیں)

(۲) شاہ جہاں کی مجلس میں پادریوں نے اعتراض کیا۔ قرآن مجید میں کیلنڈر کا

ذکر نہیں ملا۔ سعد اللہ وزیر اعظم نے فرمایا۔ قرآن مجید میں قمری سال کا ذکر ہے۔ ارشاد خداوندی ہے وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ (یٰس نمبر ۳۹) اس پر پادریوں نے کہا۔ اس آیت میں دنوں کا ذکر نہیں۔ آپ نے فرمایا قدرناہ کا عدد ۳۶۰ ہے۔ ق ۱۰۰۔ د ۴۔ ر ۲۰۰۔ ن ۵۰۔ الف ۱۔ ہ ۵۔ مجموعہ ۳۶۰۔

(۳۹) آداب تلاوت قرآن مجید

جناب رسول اللہ ﷺ کو فرمایا گیا کہ جس طرح جبریل امین قرآن پڑھتے ہیں۔ اسی، نہج اور طرز پر آپ بھی پڑھا کریں۔ فرمایا فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ (القیامہ نمبر ۸) جناب رسول اللہ ﷺ کی دعا یہ بھی ہوا کرتی تھی۔

وارزقنی ان اتلوه علی النحوالذی یرضیك عنی ٥

ترجمہ: اور میرے نصیب میں یہ کر کہ میں قرآن مجید تیرے پسندیدہ طریقہ پر تلاوت کروں۔

آپ کا طریقہ تلاوت قرآن حکیم ترتیل تھا۔ اداء الحروف بمخار جها اگرچہ قرآن حکیم کا نزول حسب ارشاد نبی کریم ﷺ سات قرأتوں پر اور دس قرأتوں پر ہوا ہے مگر اب یہ سب طریقے متروک ہیں صرف فن کے طور پر مختلف قرأتوں کا سیکھنا درست ہے مگر ان سب کو عوام میں رواج دینا درست نہیں اس لئے امت میں نہ تو لغت کے اعتبار سے اور نہ ہی قرأت شاذہ کے اعتبار سے قرآت کا رواج دیا جائے۔ بلکہ جس طرح کتابت توقیفی ہے اسی طرح قرأت بھی توقیفی ہے۔ جیسا کہ فیه کا کلمہ سارے قرآن حکیم میں ہ کی زیر کے ساتھ پڑھا جاتا ہے مگر سورۃ الفرقان آیت نمبر ۶۹ میں فیه پڑھا جانا متواتر اور متوارث ہے اس لئے یونہی پڑھا جائے گا۔ علیٰ ہذا القیاس سارے قرآن حکیم میں علیہ آیا ہے مگر سورۃ الفتح نمبر ۱۰ میں ہ کے رفع کے ساتھ علیه اللّٰه پڑھنا متوارث ہے۔

تجوید کے ضروری مسائل سیکھنا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہیں یہاں چند وہ صورتیں ذکر کی جاتی ہیں جن میں سے بعض حرام ہیں اور بعض مکروہ ہیں۔

عنوان	تشریح
ترعید	مد اور حرکت میں آواز کا ہلانا
تنفیش	حرکتوں کو پوری طرح ادا نہ کرنا
تعجیل	اس قدر جلدی سے پڑھنا کہ حروف سمجھ میں نہ آئیں۔
تطنین	ہر حرف میں غنہ کر جانا یا ہر حرف میں ہمزہ کا لہجہ پیدا کرنا۔
تمضیغ	ہر حرف کو چبا چبا کر پڑھنا۔
وثبہ	پہلے حرف کو نا تمام چھوڑ کر دوسرے کو پڑھنا۔
زمزمہ	قرآن کریم کو گانے کی طرز پر پڑھنا۔
ھمھمہ	کسی حرف مخفف کو مشدد پڑھنا۔
عنعنہ	حروف میں عین کی آواز ملا دینا۔
رکزہ	بے موقع ادغام کرنا۔
تعویق	کسی کلمے کے وسط میں وقف کر کے آگے پڑھنا۔

محبت، عقیدت اور عظمت کے ملے جلے جذبات کو پیش رکھ کر قرآن کریم کی تلاوت کرے تو اس سے برکت اور نورانیت پیدا ہو گی۔ حضرت سالم رضی اللہ عنہ کی تلاوت کو سن کر سید دو عالم ﷺ نے فرمایا الحمدللہ الذی جعل فی امتی مثلک...... ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا مجھے میرے استاد اور دوسرے ہم عصر علماء سے بہ تواتر یہ خبر پہنچی ہے کہ ان کے استاذ امام تقی محمد بن احمد الصائغ مصری نے ایک دن نماز فجر میں سورۃ النمل پڑھی

جب آپ مالی لا اری الھدھد پر پہنچے تو آپ کے سر پر ہد ہد پرندہ آ کر بیٹھ گیا اور پورے سکون سے قرأت سنتا رہا۔ (المنح الفکریہ ص ۲۰)

صحابہ کرام اور بعد کے اہل علم اور روحانی علماء سے قرآن کریم کی تلاوت تین دن، پانچ دن، سات دن اور آٹھ دنوں میں کرنا ثابت ہے۔ مگر عمومی طور پر پسندیدہ امر یہ ہے کہ ایک ماہ میں ختم قرآن مجید مکمل کیا جائے۔

(۴۰) آیات قرآنی کے پڑھنے اور نقل کرنے میں احتیاط

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اس پر احاطہ اور عبور طاقت بشری سے باہر ہے اور یہ بھی اعجاز قرآنی کا ایک شعبہ ہے کئی دفعہ بڑے بڑے علماء اور قراء کو تلاوت میں تشابہ ہو جاتا ہے اور تحریر مضامین میں آیات کے الفاظ الفاظِ قرآنی کے خلاف لکھ جاتے ہیں۔ علامہ شبلی نعمانی مرحوم نے سیرۃ النعمان میں ایک عنوان (عمل ایمان کے بعد شروع ہوتا ہے) کی بنیاد رکھتے ہوئے آیتِ قرآنی یوں تحریر فرمائی۔

وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَيَعْمَلْ صَالِحاً حالانکہ یہ الفاظ قرآن میں موجود ہی نہیں۔ بلکہ ویعمل صالحا ہے اور بعض حضرات تو مصحف دیکھنے کی تکلیف بھی گوارا نہیں کرتے جیسا کہ ایک علمی ڈاکٹر نے شاہ عبداللطیف بھٹائی قدس سرہٗ کے فلسفہ تصوف پر مقالہ میں تحریر کیا۔

''شاہ صاحب سے پہلے قریب قریب تمام صوفی عارفین اور شعراء نے فنا کے عقیدہ کو جو آیۂ قرآنی موتوا قبل ان تموتوا پر مبنی ہے زندگی کے بنیادی مسلک کے طور پر قبول کیا ہے''۔ (ماہ نو کراچی اکتوبر ۵۴ء)

حالانکہ مندرجہ عبارت نہ قرآن میں ہے نہ حدیث میں ہے۔

(۴۱) آیات قرآنیہ سے اقتباس

جس طرح احکام کا استنباط قرآنی آیات سے درست اور جائز ہے۔ اسی طرح معارف علمیہ کا استنباط اور اقتباس بھی جائز ہے علامہ شامی نے فرمایا الاقتباس من القران جائز عندنا (ج ۳ ص ۳۲۹) ملاجیون رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر احمدی میں اس کی ایک مثال دی ہے کہ سورۃ المنافقون کی آیت نمبر ۶۳ میں سید دو عالم ﷺ کی رحلت کی طرف اشارہ ہے چنانچہ سورۃ التغابن اس کے بعد آئی ہے اس سورۃ میں تغابن (نقصان) کی طرف اشارہ ہے سب سے بڑا نقصان جو امت کو پہنچا وہ آپ کی رحلت ہے جیسا کہ آپ نے فرمایا۔" میری امت کو میری رحلت سے بڑھ کر اور کوئی صدمہ نہیں پہنچے گا۔ (شمائل)

(۴۲) تراجم قرآن حکیم کا انتخاب

کتاب کے شروع میں گذر چکا ہے کہ ترجمہ اور تفسیر میں مفسر اور مترجم کی روحانیت اثر انداز ہوتی ہے برصغیر میں اگرچہ کافی زمانہ پہلے ترجمہ اور اردو تفسیر کا کام ہوتا رہا مگر جس قدر قبولیت خاندان ولی اللہی کو حاصل ہوئی اتنی اور کسی کو نہیں ہوئی۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی م ۱۱۷۶ھ کو اللہ تعالیٰ نے اپنا کلام سمجھنے کا خصوصی ملکہ نصیب فرمایا تھا۔

ترجمۃ القرآن کے متعلق جو عام جمود برصغیر میں تھا اس کو سب سے پہلے کامل طریقہ پر آپ نے توڑا۔ فتح الرحمٰن کے نام سے قرآن مجید کا فارسی ترجمہ کیا۔ اور حاشیہ پر مختصر تفسیری فوائد مرتب فرمائے تفسیری سلسلے میں الفوز الکبیر اور فتح الخبیر دو آپ کے رسالے جامع اور مفید ہیں۔ ویسے آپ کی ہر تصنیف اور تالیف میں آیات قرآنیہ کی تشریح اور حکمت موجود ہے اور یہ آپ کا امتیازی وصف ہے کہ کلام اللہ کا فہم حکیمانہ طور پر آپ کو عطا کیا گیا۔

آپ کے تینوں صاحبزادے مفسر القرآن ہیں۔ حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی مرتبہ تفسیر عزیزی مطبوعہ پارہ اول اور پارہ دوم ۱/۲ اور پارہ انتیس وتیس کی تفسیر پر مشتمل تو عام دستیاب ہے۔ بعض محققین کا حالیہ انکشاف ہے کہ آپ نے پورے قرآن مجید کی تفسیر مرتب فرمائی تھی مگر وہ ہنگامہ دہلی کی نذر ہوگئی۔

آپ کے دوسرے صاحبزادہ شاہ رفیع الدین م ۱۲۳۳ھ نے لفظی ترجمہ اردو زبان میں فرمایا جو حضرت شاہ ولی اللہ کے فارسی ترجمہ کا اردو عنوان معلوم ہوتا ہے۔ آپ کے تیسرے صاحبزادہ شاہ عبدالقادر م ۱۲۳۰ء نے بھی اردو ترجمہ فرمایا۔ اور تفسیر بھی بنام موضح القرآن مرتب فرمائی۔ بعد میں آنے والے جلیل القدر علمائے تفسیر نے ان ہی کی خوشہ چینی کی۔ محدث عصر حضرت انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیری تالیفات مثلاً مشکلات القرآن میں موضح القرآن کو پیش نظر رکھا۔

اس دور کے شیخ التفسیر مولانا احمد علی صاحب نور اللہ مرقدہ نے تفسیر و ترجمہ میں حضرت شاہ عبدالقادر کو راہ نما سمجھا۔ شیخ الہند مولانا محمود احسن اسیر مالٹا نور اللہ مرقدہ نے فرمایا:۔

"اگر یہ مقدسین اکابر (شاہ ولی اللہ) شاہ عبدالعزیز، شاہ رفیع الدین، شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہم قرآن شریف کی اس ضروری خدمت کو انجام نہ دے جاتے تو اس شدت ضرورت کے وقت میں ترجمہ کرنا بہت دشوار ہو جاتا۔

چنانچہ آپ نے اپنے ترجمہ اور حاشیہ تفسیری میں ان ہی سے راہ نمائی حاصل کی آپ نے مقدمہ ترجمہ القرآن میں شاہ صاحب کے ترجمہ کی جامعیت پر تبصرہ کرتے ہوئے مختصر الفاظ میں یوں فرمایا۔

الرحمن الرحیم کا فرق شاہ صاحب نے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا کے الفاظ میں فرمایا:

الحمدللہ کا ترجمہ سب تعریفیں اللہ کے لئے دو جگہ لایشعرون آیا

ہے مگر شاہ صاحب نے نے دونوں کا فرق کرتے ہوئے اول میں بوجھتے اور دوسرے میں سمجھتے فرمایا۔ یکذبون کا معنی جھوٹ بولتے تھے نہیں بلکہ جھوٹ کہتے تھے فرمایا اور یہی درست ہے۔

اس گنہ گار محمد زاہد الحسینی نے حضرت شاہ صاحب کے ترجمہ اور تفسیر میں وہ کچھ پایا جو عمر بھر کے مطالعہ سے حاصل نہ کر سکتا صرف چند مثالیں درج کی جاتی ہیں۔

ا: سورہ بنی اسرائیل کی آیت نمبر ۱۶ میں فرمایا اَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا...... کے ترجمہ میں بڑی مشکلات پیش تھیں۔ حضرت شاہ صاحب نے فَفَسَقُوا کا ترجمہ بے حکمی فرما کر سب مسئلہ حل کر دیا جس کا معنی یہ ہوا۔

جب ہم کسی بستی کو تباہ کرنا چاہتے ہیں تو وہاں کے عیش پرستوں کو حکم دیتے ہیں (نیکی کا) مگر وہ بے حکمی کرتے ہیں (برے ہی رہتے ہیں)

ب: سید دو عالم ﷺ کو فرمایا۔ سورۃ النساء نمبر ۱۱۳، وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَم (ترجمہ) اور سکھایا تجھ کو جو تو نہ جان سکتا۔ اس سکتا کے کلمہ میں سارے علوم نبوت، خصوصیات نبوت کی جان ہے یعنی علوم نبوت کی جان ہے یعنی علوم نبوت وہبی ہیں نہ کہ کسبی کہ کوئی انسان محنت اور کوشش کر کے علوم نبوت حاصل کر کے نبی بن جائے۔ نبوت بھی وہبی، علوم نبوت بھی وہبی۔ معجزات نبوت بھی وہبی ہیں۔

ج: سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر ۴۰ کے ارشاد و خاتم النبیین کا ترجمہ فرمایا اور مہر سب نبیوں پر یہ پر کا کلمہ فرما کر سب تاویل اور تحریفات متنبی کو مردود قرار دے دیا۔ سب نبیوں کی مہر اور سب نبیوں پر مہر میں بڑا فرق تھا اس کو دور فرما دیا۔

د: سورۃ یوسف آیت نمبر ۱۰۸ کے ارشاد وَمَا اَنَامِنَ الْمُشْرِكِيْن کا ترجمہ اور میں نہیں شریک بتانے والا۔ اس قدر محتاط اور کامل جامع ترجمہ ہے کہ اب کسی

''احقر کا معمول''

بحمد اللہ تعالیٰ احقر کو جب ۱۹۳۹ء میں بیت اللہ شریف کے حج اول کی سعادت نصیب ہوئی تو حضرت شیخ التفسیر نور اللہ مرقدہ نے اپنا مترجمہ ومحشی قرآن مجید عنایت فرمایا۔ حضرت کے اخلاص اور روحانی توجہ کی یہ برکت تھی کہ اس مصحف شریف سے لگاؤ پیدا ہوا اور آج تک میں اسی سے راہ نمائی حاصل کرتا ہوں اور اکثر تلاوت بھی اسی میں کرتا ہوں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے تفسیری حواشی اور ہر رکوع پر چند حروف میں رکوع کا خلاصہ اس قدر جامع ہے کہ اس کی شرح وبسط سے کئی جلدیں مرتب ہوسکتی ہیں۔ مزید تشریح کے لئے تفسیر موضح القرآن اور تفسیر فتح الرحمٰن سے راہ نمائی حاصل کر لیتا ہوں۔

(۴۳) حفظ قرآن و معارف قرآنی سمجھنے کے لئے

مندرجہ ذیل نوافل بہت ہی بابرکت اور اثر انگیز ہیں۔ یہ نوافل سید دو عالم ﷺ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو قوت حافظہ کے لئے ارشاد فرمائے اکابر علمائے کرام کا یہ معمول رہا ہے۔ طلبائے حفظ قرآن اور طلبائے علوم اسلامیہ اگر ان نوافل پر مداومت فرما دیں تو انشاء اللہ مفید رہیں گے۔

''شب جمعہ کو رات کے کسی بھی حصہ میں چار رکعت نفل یوں ادا کریں کہ پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۃ یٰس اور دوسری میں سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ الدخان اور تیسری میں فاتحہ کے بعد الم السجدہ اور چوتھی میں فاتحہ کے بعد سورۃ الملک

پڑھیں اور سلام پھیرنے کے بعد مندرجہ ذیل دعا کریں۔

اَللّٰھُمَّ ارْحَمْنِیْ بِتَرْكِ الْمَعَاصِیْ اَبَدًا مَّا اَبْقَیْتَنِیْ وَارْحَمْنِیْ اَنْ اَتَكَلَّفَ مَا لَا یُعْنِیْنِیْ وَارْزُقْنِیْ حُسْنَ النَّظَرِ فِیْمَا یُرْضِیْكَ عَنِّیْ۔ اَللّٰھُمَّ بَدِیْعَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ذَالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ وَالْعِزَّةِ الَّتِیْ لَا تُرَامُ اَسْئَلُكَ یَا اَللّٰهُ یَا رَحْمٰنُ بِجَلَالِكَ وَنُوْرِ وَجْھِكَ اَنْ تُلْزِمَ قَلْبِیْ حِفْظَ كِتَابِكَ كَمَا عَلَّمْتَنِیْ وَارْزُقْنِیْ اَنْ اَتْلُوَهٗ عَلَى النَّحْوِالَّذِیْ یُرْضِیْكَ عَنِّیْ۔ اَللّٰھُمَّ بَدِیْعَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ذَالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ وَالْعِزَّةِ الَّتِیْ لَا تُرَامُ اَسْئَلُكَ یَا اَللّٰهُ یَا رَحْمٰنُ بِجَلَالِكَ وَنُوْرِ وَجْھِكَ اَنْ تُنَوِّرَ بِكِتَابِكَ بَصَرِیْ وَاَنْ تُطْلِقَ بِهٖ لِسَانِیْ وَاَنْ تُفَرِّجَ بِهٖ عَنْ قَلْبِیْ وَاَنْ تَشْرَحَ بِهٖ صَدْرِیْ وَاَنْ تَسْتَعْمِلَ بِهٖ بَدَنِیْ فَاِنَّهٗ لَا یُعْنِیْنِیْ عَلَى الْحَقِّ غَیْرُكَ وَلَا یُؤْتِیْهِ اِلَّا اَنْتَ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔

الحمدللہ یہ گناہ گار آج نئی ترتیب سے معارف القرآن کی تحریر سے فارغ ہوا۔

رَبَّنَاتَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى سَیِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ وَّآلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّیَّاتِهٖ اَجْمَعِیْنَ ۔ آمین

فائدہ: جس طرح قرآنی معارف بے شمار ہیں اسی طرح ان معارف اور مطالب کو سمجھنے کے لئے کئی علوم کا جاننا ضروری ہے جس میں بعض کا تذکرہ گیارہویں صدی کے مجدد امام جلال الدین سیوطی نے الاتقان میں فرمادیا ہے اس کتاب میں احقر نے چند وہ ضروری قواعد اور اصول بیان کئے ہیں جن کا سمجھنا قرآنی معارف کے لئے راہ کھول دیتا ہے۔ (واللہ الموفق)

ہیچمداں قاضی محمد زاھد الحسینی
جامعہ مدنیہ اٹک شہر (کیمبل پور)
۴۔ جمادی الثانی ۱۳۹۸ ھج
۱۲/ مئی ۱۹۷۸

نظر ثانی: احقر الانام قاضی محمد ارشد الحسینی
۲۳/ اگست ۲۰۰۰ء۔ ۲۲/ جمادی الاول ۱۴۲۱ھ
بوقت ساڑھے چھ بجے صبح منزل انوار القرآن ایبٹ آباد

فہرست مطبوعات موجودہ

نمبر	نام کتاب	تفصیل	قیمت	
۱	درس قرآن مجید کامل	منزل انوار القرآن واہ کینٹ کا مشہور درس (۲۸ جلدیں)	۱۶۴۰	روپے
۲	آسان تفسیر تعلیم القرآن	سورۃ البقرہ تا سورۃ الاعراف	۴۷۰	روپے
۳	تذکرۃ المفسرین	اردو زبان میں اپنے موضوع پر پہلی کتاب چھ سو سے زیادہ مفسرین کے حالات	۱۰۰	روپے
۴	انوار الحدیث	منزل انوار القرآن واہ کینٹ کا مشہور درس حدیث ۶ جلدیں	۹۲۰	روپے
۵	تذکرہ دیار حبیب ﷺ	مدینہ منورہ کی مفصل تاریخ وفاء الوفا کا اردو ترجمہ جلد اول	۲۰۰	روپے
۶	رحمتِ کائنات ﷺ	جس کے مطالعہ سے اکثر عشاق کو حضورؐ کی زیارت نصیب ہوئی عقیدہ حیات النبی پر تمام علماء دیوبند کی مصدقہ کتاب گیارھواں ایڈیشن	۲۰۰	روپے
۷	با محمدؐ با وقار	رحمتِ دو عالم ﷺ کے امت پر حقوق اور گستاخ رسول کی سزا پر جامع کتاب	۸۰	روپے
۸	نجاتِ دارین	اسلامی تصوف پر اردو زبان میں پہلی جامع کتاب	۱۰۰	روپے
۹	چراغِ محمد ﷺ	شیخ العرب والعجم حضرت سید حسین احمد مدنیؒ کی مفصل سوانح بار دوم	۴۰۰	روپے
۱۰	روحانی تحفہ	امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی تمام تصانیف کا خلاصہ	۲۰	روپے
۱۱	دامانِ رحمت	آج کی دکھی انسانیت کے سکھ اور چین کیلئے مجرب دعائیں اور عملیات بار ششم	۵۰	روپے
۱۲	آغوشِ رحمت	وظائف کی مشہور کتاب احزاب الاعظم مع اردو ترجمہ	۷۰	روپے
۱۳	درس سورۃ فاتحہ	سورۃ فاتحہ کی مفصل تفسیر مع ضروری مسائل	۶۰	روپے
۱۴	درس حدیث جبرئیل	اسلام، ایمان، احسان کی سادہ مگر جامع تشریح	۹۰	روپے
۱۵	درس حدیث معاذؓ	حضرت معاذ بن جبلؓ و آنحضرت ﷺ کی دس باتوں کی وصیت کی تشریح و تفصیل	۵۰	روپے
۱۶	انوار الرشید فی بیان حقوق المعبود والعبید	حقوق اللہ اور حقوق العباد سے متعلق ضروری احکامات اور مختصر مگر پر اثر تشریح	۴۰	روپے
۱۷	محسن اعظمؐ	امام الانبیاء ﷺ کی شان رفیع پر قرآن مجید کی آیت پر چار مفصل دروس کا مجموعہ	۳۵	روپے
۱۸	سات خوش نصیب	جن کو اللہ تعالیٰ اپنے عرش کا سایہ قیامت کے دن نصیب فرمائیں گے۔ حدیث اور قرآن کی روشنی میں۔	۲۰۰	روپے

مکتبہ دار الارشاد مدینہ مسجد اٹک شہر۔ فون ۴۸۴۲۲

(۱۰) زنا، لواطت، غیبت، سینما، گانے بجانے، نشہ اور تصویر سے پرہیز کرے۔

(۱۱) مہینے میں کم از کم تین چار یتیموں کو ساتھ بٹھا کر کھانا کھلائے۔

(۱۲) ہر ماہ میں ایک دفعہ کسی قریبی ہسپتال میں جا کر بیماروں کی خدمت کرے اور ان کی جسمانی کیفیت کو دیکھ کر اپنی بدنی راحت کا شکریہ ادا کرے۔ دوسرے بیماروں کی بھی عیادت کرے اور میت کی نماز جنازہ پڑھے۔

(۱۳) رات کو سونے سے پہلے اپنے گناہوں کو یاد کر کے ندامت کے ساتھ توبہ کرے اور ایک مرتبہ سورہ اخلاص پڑھ لے۔

(۱۴) غیر محرموں کو گھر نہ لائے اور خود بھی غیر محرم عورتوں کے ساتھ مجلس نہ کرے۔

(۱۵) فحش رسالے، ناول اور افسانے ہرگز نہ پڑھے۔

(۱۶) کبھی کبھی کسی پابندِ شرع بزرگ کے پاس جا کر خاموشی سے باادب بیٹھا کرے اور اگر دل کا سکون ہو تو بیعت بھی کر لے۔

(۱۷) شدید مجبوری کے بغیر قرض نہ لے۔

(۱۸) ہر جمعہ کو قریبی قبرستان میں جا کر فاتحہ پڑھے اور ان قبروں کو دیکھ کر اپنی قبر کا خیال کرے۔

(۱۹) اولاد بالغ ہوتے ہی مناسب رشتہ کرا دے۔

(۲۰) روزانہ مندرجہ ذیل وظیفہ پڑھ لیا کرے:۔

کلمہ طیبہ ۱۰۰ مرتبہ۔ درود شریف ۱۰۰ مرتبہ۔

اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ ۱۰۰ مرتبہ

لاحول ولاقوۃ الا باللّٰہ ۱۰۰ مرتبہ

اگر اس مختصر سے دستور حیات پر عمل کیا تو انشاء اللہ تعالیٰ دونوں جہانوں میں سکھ حاصل ہوگا۔

(واللہ الموفق)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دونوں جہانوں میں کامیاب رہنے کیلئے

مختصر دستورِ حیات

از ملفوظات قطب عالم حضرت مولانا قاضی محمد زاهد الحسینیؒ

ویسے تو جس قدر نیکی کرے گا اتنا ہی اجر وثواب ملے گا مگر مندرجہ ذیل طرز زندگی اگر اختیار کرلی جائے تو اس سے انشاء اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی عزت اور سکون قلب حاصل ہوگا اور قبر وقیامت بھی اچھی ہوجائے گی

(۱) نماز پنجگانہ خود بھی باجماعت ادا کرے اور بیوی بچوں اور متعلقین کو بھی نمازی بنائے۔

(۲) روزانہ تلاوتِ قرآن مجید کی اس طرح پابندی کرے کہ کم ازکم ایک پارہ اور سورہ یٰسین صبح کی نماز کے بعد اور بعد از نماز عشاء سورہ ملک پڑھے۔

(۳) اگر نماز تہجد، اشراق وچاشت اور عصر کے فرضوں سے پہلے چار رکعت نفل اور نماز مغرب کے بعد چھ رکعت نفل پڑھ سکے تو بہتر ہے۔

(۴) اگر مالدار ہو تو زکوٰۃ اور عشر ادا کرے، ویسے بھی اللہ کے نام پر دیتا رہے۔

(۵) ہر ماہ چاند کی ۱۳، ۱۴، ۱۵ تاریخ کو روزہ رکھے ورنہ ایک روزہ تو ضرور ہر ماہ میں رکھے۔

(۶) اگر ماں باپ زندہ ہوں تو ان کا ادب کرے اگر وفات پاچکے ہوں تو ان کی قبر پر جاکر فاتحہ پڑھے۔

(۷) میاں، بیوی، رشتہ داروں کے حقوق کا خاص خیال رکھے۔

(۸) کسی وارث کا حق نہ کھائے، رشوت، سود اور دوسرے تمام ناجائز مال سے بچے۔

(۹) مسجد میں دنیا کی باتیں نہ کرے، مسجد میں جھاڑو دے اور مسجد کی خدمت کرے۔

AF 130

عقیدہ حیات النبی ﷺ پر تمام اکابرین علماء دیوبند کی
مصدقہ اور مقبول بارگاہ نبوی ﷺ



امام الزاہدین و العارفین قطب عالم
حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی رحمۃ اللہ علیہ

از

ہدیہ ۲۰۰ روپے

قطب الارشاد والتکوین شیخ العرب والعجم
حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رح کی جامع سوانح

بنام

چراغ محمد ﷺ

جواب دوسری بار شاندار طریقے سے شائع ہو چکی ہے
ہدیہ ۴۰۰ روپے